جواہرِ سخن

یعنی اردو شعرا کے کلام کا انتخاب

جسے

مولوی محمد مبین کیفیؔ، چریاکوٹیؒ نے مرتب کیا

جس پر

مولوی سید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب ایم-اے

شعبہ اردو - لکھنؤ یونیورسٹی نے نظر ثانی کی

دوسری جلد

١٩٣٥

ہندستانی اکیڈیمی صوبۂ متحدہ، الہ آباد

Published by
The Hindustani Academy
ALLAHABAD

عزیز

Printed by
Onkar Prasad Gaur at the K. P. Press
ALLAHABAD

Cert

فہرست

17

دیباچہ

ہندوستانی ایکیڈیمی صوبہ متحدہ نے اردو شاعروں کے کلام کا انتخاب شائع کرنے کا ارادہ کیا اور انتخاب کا کام مولوی محمد مبین صاحب کیفی چریا کوٹی کے سپرد کر دیا - موصوف نے کئی سال کی محنت میں یہ انتخاب تیار کرکے اُس کو چھہ جلدوں میں ترتیب دیا - اِس کے بعد اکیڈیمی کی جانب سے ہر جلد کے لئے ایک ایڈیٹر مقرر ہوا - چنانچہ اِس دور کی دوسری جلد پر نظر ثانی کرنے کی ذمہ‌داری میرے سپرد کی گئی نظرثانی کرتے وقت میں نے زیادہ ترحذف و ترمیم سے کام لیا - شعرا کے حالات و سنین وغیرہ میں مولف کتاب کی تحقیق پر اعتماد کر کے صرف غیر ضروری باتیں حذف کردیں ' عبارت میں لفظی ترمیم کردی ' بیان کی ترتیب میں ضروری تغیر کر دیا ' اور بعض شعرا کے خصوصیات کلام از سر نو لکھے - کلام کے انتخاب میں بھی زیادہ ترحذف سے کام لیا - جو اشعار ذوق سلیم پر گراں معلوم ہوے ان کو نکال دیا ' جن شاعروں کے کلام کو کوئی خاص امتیاز حاصل نہیں یا جو اپنے زمانے کے اعتبار سے اِس دور میں شامل نہیں ہو سکتے اُنھیں خارج کر دیا - اس کاٹ چھانٹ کے بعد کتاب کی ضخامت نصف کے قریب رہ گئی پھر بھی یہ جلد تقریباً ہزار صفحوں پر مشتمل ہے -

کتاب کے مسودے میں سے جہاں بہت کچھہ حذف کر دیا گیا ہے وہاں تھوڑا سا اضافہ بھی کیا گیا ہے - حضرت میر سے مجھکو جو دلی عقیدت اور ان کے کلام کی میری نظر میں جو وقعت ہے اس نے مجھے مجبور کیا کہ اس شاعر اعظم کے جو بلند پایہ اشعار نظر انداز ہو گئے ہیں انھیں انتخاب میں شامل کر دوں ' مگر اِس کام کے لئے ضروری تھا کہ میر کے ساتوں دیوانوں کا شروع سے آخر تک بالاستیعاب مطالعہ کیا جاے - افسوس ہے کہ میری کم فرصتی نے اس کا موقع نہ دیا اور صرف ردیف الف میں کوئی سوا سو اشعار اضافہ کرنے کے بعد مجھے یہ خیال ترک کر دینا پڑا -

سودا کے قصیدے اور ہجویں ' میر کی مثنویاں اور واسوخت ' میر حسن کی مثنوی سحرالبیان ' اِن چیزوں کے جو انتخابات اِس کتاب میں شامل ہیں ان کا ذمہ دار زیادہ تر میں ہوں میرتقی میر کے حالات اور مقدمہ کتاب جس پر ' خصوصیات دور ' کی جگہ ' خلاصہ دور ' کا عنوان چھپ گیا ہے یہ دونوں چیزیں بھی میں نے از سر نو لکھی ہیں - اِن کے علاوہ شعرا کے حالات و منتخبات مولف کتاب کی محنت کا نتیجہ ہیں -

کتاب کے مسودے پر نظر ثانی کرتے وقت میں نے کتابت وغیرہ کی بہت سی غلطیوں پر نشان لگا دئے تھے اور ترتیب وغیرہ کے متعلق بہت سی ہدایتیں کر دی تھیں - لیکن افسوس ہے کہ نہ سب غلطیوں کی تصحیح ہوئی اور نہ کل ہدایتوں پر عمل کیا گیا بہر حال میں نے مطبوعہ نسخے پر ایک سرسری نظر ڈال کر غلطیوں کی فہرست بنادی ہے جس کے مکمل ہونے کا دعوی نہیں کیا جا سکتا - یہ فہرست کتاب کے آخر میں لگا دی گئی ہے - ناظرین اس کو دیکھہ کر غلطیوں کی تصحیح کر لیں - چند غلطیاں جن کی اس فہرست میں گنجائش نہ تھی ذیل میں درج کی جاتی ہیں -

۱—میر کی ایک غزل کے پانچ شعر جو صفحہ ۴ میں موجود تھے صفحہ ۴۸-۴۹ میں مکرر درج ہو گئے ہیں -

۲—مندرجہ ذیل شعر صفحہ ۴۶۹ اور صفحہ ۴۷۱ دونوں میں درج ہے :—

بے وفائی پہ تیری جی ہے فدا - قہر ہوتا جو باوفا ہوتا -

۳—ذیل کا شعر صفحہ ۴۷۴ میں بھی موجود ہے -
اور صفحہ ۴۷۶ میں بھی :—

بے وفا تیری کچھہ نہیں تقصیر - مجھہ کو اپنی وفا ہی راس نہیں

۴—صفحہ ۴۴ میں تیسرے شعر کا دوسرا مصرع یہ ہونا چاہئے :—
ع آئینہ تھا یہ ولے قابل دیدار نہ تھا -

۵—صفحہ ۱۷۱ میں پہلے شعر کا پہلا مصرع یہ ہونا چاہئے :—

ع جب نام ترا لیجئے تب چشم بھر آوے -

۶—صفحہ ۳۹۹ سطر ۶ میں لفظ "مثنوی" کے بعد یہ عبارت چھپنے سے رہ گئی ہے :—

'' سحرالبیان ہے - نقادان سخن کی متفقہ رائے ہے کہ اُردو شاعری اِس مثنوی ''

۷—اصل کتاب میر کے حال سے شروع ہوتی ہے - اس لئے جس صفحے پر میر کے حالات کی ابتدا ہوئی ہے اسی سے کتاب کے صفحوں کا شمار شروع ہونا چاہئے تھا - مگر میر کے حالات جن صفحوں میں ہیں اُن پر '' خلاصہ دور '' کے سلسلے میں حروف ابجد لکھ دئے گئے ہیں - اِس سے حالات میر مقدمہ کتاب کا جزو معلوم ہونے لگے ہیں حالانکہ وہ اصل کتاب میں شامل ہیں -

آخر میں یہ عرض کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ میں نے اِس کتاب پر نظر ثانی کرنے میں بہت سا وقت صرف کیا اور بہت کچھ حذف و اضافہ کیا پھر بھی یہ انتخاب ایسا نہ ہوا جیسا میرا جی چاہتا تھا - میرا یہ کہنا مولف کتاب کی محنت کو کم کر کے دکھانا یا اُن کے مذاق سخن پر حرف رکھنا نہیں ہے بلکہ صرف اُس اختلاف مذاق کی طرف اشارہ کرتا ہے جو دو آدمیوں میں فطرتاً موجود ہوتا ہے -

سید مسعود حسن رضوی ادیب

کوہ منصوری ۴ جولائی سنہ ۱۹۳۵ع

خلاصہ دور

جلد دوم

مولف کتاب نے جس عہد کو اردو شاعری کا دوسرا دور قرار دیا ہے وہ تقریباً سنہ ۱۱۵۰ھ سے شروع ہوتا ہے - اور کوئي ایک صدي تک قائم رہ کر سنہ ۱۲۰۰ ھ کے قریب ختم ہوتا ہے - اردو شاعری کی تاریخ میں بعض حیثیتوں سے یہ دور سب سے زیادہ اہم ہے -

اس دور میں ایسے ایسے باکمال شاعر پیدا ہوے اور انہوں نے ہر صنف سخن میں ایسے ایسے شاہکار پیش کئے کہ اُردو شاعري بڑے بڑے مشکل پسند اور نکتہ چیں طبائع میں بھی مقبول اور معزز ہوگئي - اگر ایسے معجز نگار اور بلند فکر شعر اس دور میں جمع نہ ہو گئے ہوتے تو اردو شاعری کو مقبول عام ہونے میں بہت زمانہ لگتا، اور ایک مدت دراز کے بعد شاید وہ اس قابل ہوتی کہ لوگ فارسی کي سي عزیز اور دلکش زبان کو چھوڑ کر اردو میں شعر کہنے کی طرف متوجہ ہوجائیں -

فارسي شاعری کي طرح اردو شاعري کي اہم صنفیں بھي یھي تین تھیں - غزل - قصیدہ - مثنوي - اس دور میں ان تینوں صنفوں کي تکمیل ہوئي - غزل کي تکمیل میر، سودا، درد، قائم اور مصحفي کی منت گزار ہے - قصیدہ اپنی تکمیل کے لئے

سودا ، انشا اور مصحفی کا مرہون منت ہے - مثنوی کی تکمیل میر - اثر - حسن اور مصحفی کے ہاتھوں ہوئی - رباعیاں بھی اس دور کے متعدد شاعروں نے خوب خوب لکھیں - مگر خواجہ میر درد نے اس صنف سخن کی طرف خاص توجہ کی -

اس دور میں مرثیے کو بھی اچھی خاصی ترقی ہوئی - متعدد شعرا ایسے گزرے جنھوں نے اپنی عمر اسی صنف شعر کی خدمت میں صرف کردی - ان میں سکندر ، مسکین ، گدا ، افسردہ ، احسان کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں - ان کے علاوہ میر اور سودا کے سے باکمال شاعروں نے بھی اس صنف کی طرف خاص طور پر توجہ کی اور بہت بہت سے مرثیے تصنیف کیے - سودا نے مرثیے کو شعر کی مشکل ترین صنف کہہ کر اس کی عظمت مسلم کردی - مرثیہ دوسرے اصناف سخن سے اس قدر الگ اور مقدار میں اتنا زیادہ ہے کہ وہ اپنا انتخاب علیحدہ چاہتا ہے اس لیے مرثیے اس جلد میں شامل نہیں کیے گئے ہیں -

بعض اصناف سخن جو اردو میں موجود ہی نہ تھے ان پر اس دور کے شعرا نے پہلے پہل طبع آزمائی کی - واسوخت اور مسمط کی بعض صورتیں میر نے اردو شاعری میں داخل کیں - ہجو گوئی کا راستہ میرضاحک اور مرزا سودا نے دکھایا - ریختی کی ایک نئی صنف رنگین اور انشا نے ایجاد کی -

اصناف سخن کے علاوہ اس دور میں شاعری میں بعض خاص کیفیتیں بھی پیدا کی گئیں - میر نے محبت اور انسانیت کا بلند ترین معیار پیش نظر کردیا اور غم و حسرت کے دریا بہا دیے -

درد نے صوفیانہ خیالات شاعرانہ انداز میں بڑی خوبی کے ساتھ
ادا کیے ۔ حسن نے منظر کشی اور سیرت نگاری کے بہترین نمونے
پیش کیے ۔ جرات نے معاملہ بندی کا کمال دکھایا ۔ انشا اور رنگین
نے ظرافت اور ہزل کو شاعری میں جگہ دی ۔ انشا نے مشکل
زمینوں میں شعر کہنے کی ابتدا کی ۔ اور ایک نہایت مفید
بات یہ ہوئی کہ ایہام گوئی متروک ہوگئی یعنی اردو کے قدیم
شاعروں کے یہاں شعر کی بنیاد اکثر کسی خیال پر نہیں بلکہ
کسی لفظ یا کسی صنعت پر ہوتی تھی ۔ یہ طریقہ اس دور میں
ترک کردیا گیا ۔

زبان کی اصلاح اور توسیع کے لحاظ سے بھی یہ دور بڑی
اہمیت رکھتا ہے ۔ مکروہ اور ثقیل لفظوں سے زبان کو پاک کرنا
محاوروں میں تراش خراش کر کے ان کو سڈول بنانا ، نظم کی
زبان سے زوائد یعنی بھرتی کے لفظوں کو نکال دینا ، اور زبان کی
صحت و فصاحت کا معیار قائم کرنے کی کوشش کرنا اس دور کے
شعرا کا شاندار کارنامہ ہے ۔ یوں تو کچھ زمانے کے بعد کچھ
لفظ فطرتاً اور لزوماً متروک ہو ہی جاتے ہیں ، اور کچھ محاوروں
کی شکل خود بخود بدل جاتی ہے ۔ لیکن اس دور کے شعرا نے
اپنے ارادے اور کوشش سے زبان کو درست کیا ۔ بے شمار فارسی
ترکیبوں ، محاوروں اور مثلوں وغیرہ کا خوبصورتی سے ترجمہ کر کے
زبان کو وسعت دی ۔ اپنے فطری سلیقے اور غیر معمولی قدرت
بیان کی بدولت اظہار خیال کے ہزاروں اسلوب پیدا کردیے ۔ اور
اردو کو اس قابل بنادیا کہ اس میں باریک سے باریک خیال
اور نازک سے نازک جذبات ادا کیے جاسکیں ۔ اس سلسلے میں میر ۔
سودا ۔ درد اور قائم کے خدمات خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ ان

حضرات کے مندرجہ ذیل دعوے خود ان کی اصلاحی کوششوں کا ثبوت ھیں :-

(میر)

ریختہ کاھے کو تھا اس رتبۂ عالی میں " میر "
جو زمیں نکلی اُسے تا آسماں میں لے گیا

ریختہ رتبے کو پہنچایا ھوا اس کا ھے
معتقد کون نہیں '' میر '' کی استادی کا

(سودا)

کہے تھا ریختہ کہنے کو عیب ناداں بھی
سو یوں کیا میں کہ دانا ھنر لگا کہنے

(قائم)

قائم میں غزل طور کیا ریختہ ورنہ
اک بات لچرسی بہ زبانِ دکھنی تھی

اسی دور میں سید انشا نے دریاے لطافت لکھ کر زبان کی صحت و فصاحت کا معیار قائم کردیا - اِس معیار کی اشاعت میں رنگین نے سب سے زیادہ کام کیا - بچپن ھی سے اُن میں اِتنی جرأت تھی کہ اپنے استاد معظم و محترم بوڑھے شاہ حاتم کو اُن کے شاگردوں مریدوں اور عقیدتمندوں کے مجمع میں ٹوک سکتے تھے سن کے ساتھ ساتھ اُن کی یہ جرات بھی[1] بڑھتی

---

[1] دیکھو '' مجالس رنگیں '' مجلس اول -

گئی - رنگین ایک خوشحال اور تجارت پیشہ شخص تھے
اکثر سفر میں رہتے تھے - جہاں جاتے تھے وہاں کے
شاعروں اور شاعری سے دلچسپی رکھنے والوں کو اپنے گرد جمع
کر لیتے تھے ' شاعری اور زبان کے مسائل پر بحثیں چھیڑ دیتے
تھے - اِن بحثوں کے سلسلے میں بڑے بڑے استادوں کے کلام پر
بے دھڑک اعتراض کر کے اُس پر اصلاح دے دیتے تھے - اِس
طرح وہ زبان کی صحت اور فصاحت کے معیار کی اشاعت
شہروں شہروں کرتے پھرتے تھے - اُن کی اِس کارگزاری کی تفصیل
دیکھنا ہو تو اُن کی کتاب مجالس رنگیں پڑھیے [1] -

زبان کی اصلاح کے سلسلے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ
اِس دور سے پہلے شاہ حاتم کے وقت سے اُردو شاعروں میں یہ
رجحان پیدا ہو گیا تھا کہ ہندی کے لفظ ترک کرکے اُن کی
جگہ فارسی اور عربی کے مانوس اور کثیرالاستعمال الفاظ کو جگہ
دی جائے - اِس دور میں اِس رجحان کو برابر ترقی ہوتی رہی
یہاں تک کہ اِس کے آخری حصے میں فارسی ترکیبوں کا اِستعمال
کثرت سے ہونے لگا - '' ہوس '' اور ''ہدایت '' کے کلام میں یہ بات
خاص طور پر نمایاں ہے - فارسی شاعری کی تقلید کا رجحان
بھی اِس دور سے پہلے شروع ہو چکا تھا - یہ رجحان بھی اِس

---

[1] یہ دلچسپ اور مفید کتاب سعادت یار خاں '' رنگین '' دہلوی نے سنہ ۱۲۱۵ھ میں تالیف کی اس کا ایک اُڈیشن سنہ ۱۲۶۴ میں مطبع محمدی میں چھپا - ایک مدت تک یہ کتاب نہایت کمیاب رہی - مذکورہ اڈیشن کے کوئی چوراسی برس بعد راقم حروف نے اس کو ایک مقدمے اور ضروری فہرستوں کے ساتھ ترتیب دیا اور کتاب گھر لکھنؤ نے اس کو سنہ ۱۹۲۹ میں شایع کیا -

دور میں ترقي کرتا رہا یہاں تک کہ جو تھوڑی بہت خالص هندی تشبیهیں - استعارے - تلمیحیں وغیرہ اِس دور کے ابتدائي شاعروں کے یہاں نظر آجاتي تھیں آگے چل کر وہ بالکل مفقود هوگئیں اور انداز بیان ارو پرواز خیال دونوں میں فارسي شاعري کی تقلید هونے لگي -

شاعري اور زبان کی ترقی کے ساتھ خیالات میں نزاکت اور بیانات میں تکلف کا پیدا هو جانا ضروری هے - اِس دور کے شعروں کا بیان ابھی قدرتاً اُتنا صاف اور بے تکلف نہیں هے جتنا اُن کے پیشرووں کا تھا - لیکن انکا تکلف تصنع کی حدتک نہیں پہنچتا اِس لیے اُس سے کلام کی صوري خوبیوں میں اضافہ هو جاتا هے اور معنوی خوبیوں میں کوئي کمي نہیں هوتی-

اُردو شعرا کے تذکرے پہلے پہل اِسي دور میں لکھے گیے - 'میر' - 'مصحفي' - اور 'قائم' - کے سے کامل استادوں کے لکھے هوے تذکرے اب بھي موجود هیں جو اُردو شعر کی تاریخ اور تنقید کے لیے بہت قیمتی مواد فراهم کرتے هیں - اِن کے علاوہ اور بھي متعدد تذکرے اِس دور میں لکھے گیے جن میں سے بعض هندوستانی اور اکثر برطانوی کتب خانوں میں محفوظ هیں -

اِس دور کے شعرا کی تمام فضیلتوں کا اعتراف کرنے کے بعد اِس حقیقت کا اظہار بھي ضروری معلوم هوتا هے کہ اِن باکمالوں نے اپني شاعری کو زیادہ تر اپنے پیشرووں کے مضامین میں محدود رکھا - هاں اتنا ضرور کیا کہ پرانے مضامین کو نئے نئے پہلو نئے نئے اسلوبوں سے نہایت پرلطف اور پراثر انداز میں

پیش کیے - لیکن اِس دور کے آخری حصے کے اکثر شاعروں نے اپنا سارا کمال حسن بیان اور جدت ادا میں صرف کر دیا - البتہ "رنگین" اور "انشا" نے اتنی جدت ضرور کی کہ ظرافت بلکہ ہزل کو شاعری میں داخل کردیا - ریختي کا ایجاد بھي حقیقت میں ہزل کے لیے ایک نیا میدان تھا - اگر اِس صنف نظم میں عورتوں کے شریف و لطیف جذبات اُنھیں کی زبان میں ادا کیے جاتے تو اُردو شاعری میں ایک نہایت قابل قدر اضافہ ہو جاتا -

اِس عہد کے اکثر شعرا بہت پرگو تھے - مثلاً "میر" - "سودا" - "مصحفي" - "جرات" - "رنگین" - اِس لیے اُن کا تمام کلام یکساں نہیں ھے - بلند اور پست خیالات صوفیانہ اور سوقیانہ جذبات - درباری اور بازاری محاورات اکثر پہلو بہ پہلو نظر آتے ھیں -

بہر حال اِن شاعروں نے اُردو زبان اور شاعري کي وہ جلیل‌القدر خدمتیں انجام دیں کہ اُن سے اِن کو غیر فانی عظمتیں حاصل ہوئیں - اور بعض شعرا نے بعض اصناف سخن میں وہ درجہ حاصل کرلیا کہ اُن کي صنف خاص میں اُنکا کوئی نظیر نہ اب تک ھوا ھے نہ آئیندہ ہونے کی اُمید ہے - غزل میں میر کو قصیدے میں "سودا" کو - مثنوی میں حسن کو - صوفیانہ شاعری میں "درد" کو معاملہ بندی میں جرأت کو ' ہزل میں انشا کو ' وہ مرتبہ حاصل ھوا جو پھر کسی دوسرے کو نصیب نہ ھوا - مختلف اصناف سخن کے اتنے بڑے بڑے استاد کسي دور میں جمع نہیں ہوئے - اس دور کے باکمال شعرا کو جو عظمت اپنی زندگي میں حاصل تھي اس میں آج تک

کوئی کمی نہیں ہوئي اور جب تک اردو زبان باقي هے ان کي یہی عظمت باقي رہے گی - مگر یہ فخر حضرت سلطان‌الشعرا میر تقي میر کے لیے مخصوص هے کہ ان کے هم عصروں سے لے کر آج تک کے تقریباً تمام ممتاز شعرا نے دل کھول کھول کر ان کی مدح کي هے -

اس دور کی زبان میں بعض صرفي و نحوي خصوصیتیں ایسي تھیں جو بعد کو باقي نہیں رهیں اور بہت سے لفظ اور محاورے ایسے تھے جو آگے چل کر متروک هوگئے یا جن میں کچھ لفظي یا معنوي تغیر هوگیا - مثلاً اب جن حالتوں میں افعال متعدي کے لیے علامت فاعل 'نے' کا لانا ضروری هے اس عہد میں ضمیر متکلم کے ساتھ ضروري نہ تھا مثلاً ' میں کہا ' میں کیا - میں سنا وغیرہ بے تکلف لاتے تھے - فعل حال کے صیغے بنانے کے لیے اب ماضي تمنائي کے صیغوں پر هے ' اور اس کے اخوات کا اضافہ کرتے هیں - اس عہد میں اس غرض کے لیے مضارع کے صیغوں پر ' هے ' وغیرہ بڑھاتے تھے - ''اور آتا هے'' ''کہتے هیں'' ''پوچھتے هو'' '' مارتا هوں '' کي جگہ '' آئے هے '' '' کہیں هیں '' پوچھو هو '' ماروں هوں بولتے تھے - اسي طرح کہتا تھا سکتا تھا کي جگہ کہے تھا سکے تھا کہتے تھے - جمع کی حالت میں مونث فعلوں کے ماضي کے صیغوں میں آخری نون سے پہلے ایک الف بڑھاتے تھے اور حال کے صیغوں میں فعل اصلی کي آخری '' ي '' کے بعد الف نون بڑھاتے تھے اور '' آئیں '' - '' چلیں '' - '' دیکھیں '' کي جگہہ '' آئیاں '' - '' چلیاں '' - '' دیکھیاں '' اور '' آتی هیں '' '' بستی هیں '' - '' ترستي هیں '' کي جگہہ '' آتیاں هیں '' -

" بستیاں ہیں " - " ترستیاں ہیں " بولتے تھے - فارسی اِسموں کی جمع فارسی قاعدے سے الف نون بڑھاکر ترکیب فارسی کی حالت میں اب بھی بولتے ہیں - مگر اُس عہد میں بغیر ترکیب کے بھی لاتے تھے یعنی خوباں - محبوباں - یاراں - بلبلاں وغیرہ انفراداً بھی اِستعمال کرتے تھے - " آکے " " ہوکر " وغیرہ کی جگہہ " آئے کے " " ہوے کے " وغیرہ کا اِستعمال قدیم زمانے میں عام تھا اِس دور میں بھی " میر " نے " ڈھاکر " کی جگہہ " ڈھاے کر " نظم کیا ہے مگر یہ صورت اِستعمال اِس عہد میں بہت شاذ تھی - جب مونث اسم جمع کی حالت میں موصوف واقع ہوتا تھا تو اُس کی صفت بھی کبھی کبھی جمع لاتے تھے اور صفت کی جمع بنانے کے لیے واحد کے آخر میں الف نون بڑھاتے تھے مثلاً " کڑیاں ساعتیں " - " بھاریاں بیڑیاں " - " کو " کے محل پر کے " تئیں " تو اب تک لوگوں کی زبان پر ہے لیکن " تک " کی جگہہ " تئیں " کا اِستعمال اُس دور سے مخصوص تھا مثلاً " کب تئیں " " یہاں تئیں " کبھی کبھی " تک " کی جگہہ " لگ " بھی لاتے تھے مثلاً " کب لگ " جن حروف معلوی کے آخر میں اب " واو " یا " ی " ہے اُن کے آخر میں اکثر نون غنہ بھی لاتے تھے مثلاً " کو " " سو " " نے " " سے " کی جگہ " کوں " " سوں " - " نیں " - " سیں " بولتے تھے - ضمیر حاضر " تو " کی جگہ " توں " اور کبھی کبھی " تیں " بھی استعمال - کرتے تھے - بعض لفظوں کے دو تلفظ رائج تھے مثلاً " اِدھر " - " اُدھر " - " جدھر " - " کدھر " - " لہو " - " جگہ " " لگا " - " بجنا " - " پھٹنا " - متی - پھر کو " اِدھر " - " اُدھر "

'' جدھر '' - '' کدھر '' - '' لوھو '' - '' جاگۂ '' - '' لاگا '' - '' باجنا '' - '' پھاتنا '' - '' ماتی '' - '' پھیر '' - بھی کھتے ھیں- بعد کو ان لفظوں کي صرف پہلي صورتیں جو مختصر تھیں باقی رہ گئیں اور دوسری صورتیں متروک ھو گئیں - بعض لفظوں کے تلفظ میں صرف زرا سا اعراب کا فرق تھا مثلاً '' ھلنا '' - '' گھسنا '' اُس زمانے میں '' ھلنا '' اور '' گھسنا '' تھے - بعض لفظوں کے استعمال میں اور اور طرح کا تھوڑا تھوڑا سا فرق تھا مثلاً '' اُن کو '' '' جن کے '' کي جگہ '' اُنھوں کو '' '' جنھوں کے '' اور '' میرے '' '' تیرے '' کی جگھ '' مجھ '' '' تجھ '' بھي بولتے تھے - '' جس '' کا صلہ '' تس '' اور '' جدھر '' کا '' تدھر '' رائج تھا - اب ان کی جگھ '' اُس '' اور '' اُدھر '' لاتے ھیں - '' کسو '' - 'کبھو' '' جیو '' '' جیوں '' - '' سیتي '' - کہ '' تو '' اب '' کسي '' '' کبھي '' - '' جي '' - '' جوں '' - '' سے '' کب '' تب '' ھو گیے ھیں - '' اُس نے '' '' جس نے '' کي جگھ اُس زمانے میں '' اُن نے '' '' جن نے '' بولتے تھے - لفظوں کی تذکیر و تانیث میں بھي کھیں کھیں اختلاف تھا مثلاً '' مزار '' کو مونث اور '' خلش '' کو مذکر بولتے تھے -

اب تک جن لفظوں کا ذکر کیا گیا وہ تھوڑے تھوڑے سے تغیر کے ساتھ اب بھي بولے جاتے ھیں - اِن کے علاوہ اُس دور میں ایسے لفظ اور محاورے کثیر تعداد میں رائج تھے جو بعد کو بالکل متروک ھوگیے اور اُن کی جگھ نئے لفظوں نے لے لی - مثال کے طور پر اِس طرح کے چند لفظ یہاں لکھے جاتے ھیں - ندان - آخر - آخرکار '' - '' بستار - پھیلاؤ '' - '' اُور - طرف '' -

'' نگر - شہر '' - '' تک - زرا '' - '' نت - ہمیشہ'' - '' تنک - زراسا '' - '' باس - بو - خوشبو '' - '' پون - ہوا '' - '' بچن - بات - قول '' - '' مکھ - منہ '' - '' زور - خوب '' - بہت '' - '' تھور - تھانوں - جگھہ '' - '' وے - وہ کی جمع '' - '' انکھیاں - آنکھیں '' - '' کنے - کے پاس '' - '' کے بیچ - میں '' - '' موندنا بند کرنا '' - '' گہنا - پکڑنا '' - ان میں کے بعض لفظوں کا استعمال اُسی دور میں کم ہوتا گیا یہاں تک کہ وہ دور کے آخر میں بالکل ترک ہو گیے - بعض زیادہ مدت تک رائج رہے - بعض جن کی تعداد بہت کم ہے آج تک کسی کسی کے زبان پر جاری ہیں مگر لکھنے میں مدت سے نہیں آتے مثلاً '' کسو '' - '' کد '' - '' کدھی '' - '' آتیاں ہیں '' -

سید '' انشا '' نے چند لفظ مثلاً جھمکڑا واچھڑے - بھلڑے - ایسے نظم کردیے ہیں جو کسی دوسرے شاعر کے کلام میں نہیں پائے جاتے - اس کی خاص وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ متین شاعروں کی سنجیدہ شاعری کے لیے اِس طرح کے لفظ جس قدر نامناسب تھے ظریف طبع انشا کی ہزل آمیز شاعری کے لیے اُتنے ہی مناسب تھے - وہ اپنی شاعری سے سامعین پر جس طرح کا اثر ڈالنا چاہتے تھے اُس کے لیے اِن لفظوں سے اُن کو مدد ملتی تھی -

اس دور کی خصوصیتوں اور اس کے نمایندوں کے کارناموں سے تفصیلی بحث کرنا یہاں منظور نہیں ہے - اِن چیزوں کی طرف صرف ایک اشارہ کر دینا مقصود ہے اس لیے اس اجمالی بیان پر اکتفا کی جاتی ہے -

سید مسعود حسن رضوی ادیب

میر

بارھویں صدی ھجري کي پہلی چوتھائی گزرنے کے بعد اکبرآباد کي زمین پر ایک ستارہ نمودار ہوا جو شاعری کے آسمان پر آفتاب بن کر چمکا - کون اُردو داں ہوگا جو میر محمد تقي میر سے واقف نہ ہو -

خدائے سخن حضرت میر کے والد بزرگوار ایک صوفی منش، درویش صفت بزرگ تھے، نام محمد علی تھا مگر اپنے زھدواتقا کي بدولت علي متقی کہلاتے تھے - ایک مرتبہ اثنائے سفر میں اُن کی نظر کیمیا اثر نے بیانہ کے ایک نوجوان کو ایسا متاثر کیا کہ وہ گھر بار چھوڑ کر اُن کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا - آخر شوق کي رھنمائي سے اُس کو منزل مقصود کا پتا مل گیا - اکبرآباد پہونچ کر اُس نے میر علی متقی کا دامن ایسا مضبوط پکڑا کہ مر کے چھوڑا - میر تقي کي تربیت اِسی تارک دنیا درویش سید امان اللہ کي گود میں ہوئي -

ابھي میر صاحب کي عمر صرف دس برس کی تھی کہ سید امان اللہ نے انتقال کیا - اس حادثے نے اُن کو سخت صدمہ پہونچایا اور اُن کے والد تو اس غم میں ایسے پڑے کہ پھر نہ اُٹھے - باپ کی نا وقت موت سے میر صاحب پر مصیبتوں کا دروازہ کھل گیا - سوتیلے بڑے بھائی نے کل ترکے پر قبضہ کر کے

ان کو ستانا شروع کیا - جب اپنے گھر میں بیٹھنے کا ٹھکانا نہ رہا تو انھوں نے معاش کی تلاش اور علم کے شوق میں دھلی کا رخ کیا - وھاں ان کے انھیں برادر یوسف کے خالو سراج الدین علی خاں آرزو موجود تھے جو علم و فضل میں اپنے زمانے میں یکتائے روزگار سمجھے جاتے تھے - میر صاحب نے انھیں کے یہاں قیام کیا - مگر وہ سرچشمۂ علم ان کے لیے محض ایک سراب ثابت ہوا -

خان آرزو کی بے توجہی اور بدسلوکی سے تنگ آکر میر صاحب نے اُن کے یہاں کے قیام کو سلام کیا - خواجہ محمد باسط نے اپنے چچا امیرالامراء نواب صمصام الدولہ سے اُن کی سفارش کی اور نواب نے اُنکا کچھ وظیفہ مقرر کر دیا - ایک ذی علم بزرگ میر جعفر عظیم آبادی نے اُن میں تحصیل علم کا شوق دیکھ کر اُن کو بڑی محبت اور دلسوزی سے پڑھانا شروع کیا -

کچھ زمانے کے بعد امروھہ کے ایک سید سعادت علی خاں سے ملاقات ہوئی انھوں نے ان کی طبیعت کا رنگ دیکھ کر ریختہ میں شعر کہنے کی صلاح دی - ان امروھوی سید صاحب کی مزاج شناسی نے وہ ساز چھیڑ دیا جس کے نغموں سے تھوڑے ھی دنوں میں سارا شہر گونج اُٹھا -

خواجہ میر درد کے والد خواجہ ناصر عندلیب کے یہاں ماہوار مشاعرے ہوا کرتے تھے - میر صاحب ان مشاعروں میں پابندی سے شرکت کرتے تھے - خواجہ ناصر ایک صاحب کشف بزرگ تھے - اُنھوں نے میر کا کلام سن کر ابتداھی میں اُن سے کہہ دیا تھا کہ ایک دن تم میر مجلس ہو جاؤ گے - آخر وہ پیشین گوئی

پوري هو کر رهی - جب اتفاقات زمانه نے اس محفل کو درهم و برهم کر دیا تو میر صاحب اپنے یہاں هر مهینے مشاعرہ کرنے لگے -

میر صاحب نے وہ زمانہ پایا تها کہ دہلی کی سلطنت بالکل کمزور هو گئی تهی - امیروں جاگیرداروں اور صوبہ داروں کی باهمی جنگیں احمد شاہ درانی کے حملے اور مرهٹوں کے تاخت و تاراج سے ایک هلچل پڑی هوئی تهی - شهر تباہ هو رهے تهے ' آبادیاں ویران هو رهی تهیں ' خاندانی عظمتیں مٹ رهي تهیں ' آبائی دولتیں لٹ رهی تهی ' میر صاحب زمانے کے یہ غیر معمولی اور تیز افتار اِنقلابات دن رات اپنی آنکهوں سے دیکهتے اور اپنی ذات پر انکا اثر محسوس کرتے تهے -

اِس دور انقلاب میں میر صاحب کئی مسلمان امیروں اور متعدد هندو راجاؤں کے دامن دولت سے وابستہ رهے - جهاں جاتے تهے لوگ اُن کو آنکهوں پر بٹهاتے تهے - وہ اپنے اِنهیں هندو مسلمان مربیوں کے ساتهہ جنگوں کے میدانوں میں بهی دکهائي دیتے هیں - جهاں هم اُن کو کبهي سفارت کی اهم خدمت انجام دیتے هوے دیکهتے هیں اور کبهي دو فریقوں میں مصالحت کی کوشش کرتے هوئے پاتے هیں - اِن حالات سے صاف ظاهر هے کہ شاعر هونے کي حیثیت سے جو عظمت میر صاحب کو حاصل تهی اُسکے علاوہ بهي اس عهد کے بڑے سے بڑے لوگوں کي نظر میں اُن کي شخصیت کا وقار اور انکی معاملہ فهمي ' نیک نیتي ' اور بے تعصبی کا اعتبار تها -

ایک زبردست اور وسیع سلطنت کے ضعف سے نتائج کا جو سلسلہ شروع هو جاتا هے وہ کهیں جاکر ختم هو لیکن طوائف

الملوکي، خانہ جنگي، خانماں بربادی اور شریف گردی کي منزلیں ضرور پیش آتي ھیں - میر صاحب کے زمانے میں دھلي انھیں منزلوں سے گذر رھی تھي، اور شرفائے دھلي ترک وطن پر مجبور ھو رھے تھے - میر صاحب ایک مدت تک انقلابوں کے ھاتھوں تکلیفیں اٹھاتے رھے، مگر دھلی کي سکونت ترک نہیں کي - آخر جب گذر اوقات کی کوئي صورت نہ رھي تو ۱۱۹۷ ھجری میں نواب آصف‌الدولہ کي طلب پر لکھنؤ گئے - نواب نے تین سو روپے ماھوار وظیفہ مقرر کردیا - اُس زمانہ کے تین سو آج کے تین ھزار سمجھنا چاھئے - اِس معقول وظیفے کي بدولت میر صاحب عزت اور خوشحالي سے بسر کرنے لگے - آخر ۱۲۲۵ ھجری میں لکھنؤ ھي میں انتقال کیا - کچھ کم سو برس کي عمر پائي -

میر صاحب بڑے متوکل، ذی حسن اور غیور بزرگ تھے - اِن صفتوں نے اُن کو نازک مزاج بھي بنا دیا تھا - اُن کي خود داری بڑے سے بڑے امیروں کی خوشامد اور بیجا ستائش کو جائز نہ رکھتي تھي - ان کي صاف دلي اور انصاف پسندی معائب کے اظہار میں بیباک اور محاسن کے اعتراف میں فیاض تھي - وہ قناعت کا مجسمہ تھے - بعض اوقات فاقوں میں بسر کي مگر کسي کے آگے ھاتھ نہیں پھیلایا، لیکن قناعت کا وفور احسان‌مندي کے احساس پر غالب نہیں آگیا تھا - وہ چھوٹي سے چھوٹي اعانت کا بالاعلان شکریہ ادا کرتے تھے - نازک دماغ ایسے تھے کہ بڑے سے بڑے نفع کو ٹھکرا دیتے تھے، مگر کوئي خلاف مزاج بات برداشت نہ کرسکتے - وہ شیشے کا دل اور فولاد

کا جگر رکھتے تھے بڑی بڑی کڑیاں جھیل سکتے تھے، مگر کڑی بات نہ اٹھا سکتے تھے - وہ اپنے کمال سے بخوبی واقف تھے مگر ایسے خود بیں نہ تھے کہ کسي اور کا کمال اُن کو نظر نہ آتا ہو -

میر صاحب کو فطرت نے ایک درد بھرا دل عطا کیا تھا، جن گودوں میں اُنھوں نے تربیت پائی، جن تکلیفوں میں اُنکي زندگي بسر هوئي، اور جو انقلابات اُن کی آنکھوں نے دیکھے، اِن سب کے اثر نے ان کو سراپا درد بنا دیا - اور دنیا اور اسباب دنیا کو اُنکي نظر میں بالکل بے وقعت کر دیا - اسی اِستغنا، بلند خیالي، اور درد مندي نے اُن کي شاعري میں وہ شان پیدا کر دی جو کسي دوسرے شاعر کو نصیب نہیں هوئی - عشق و محبت بھي میر کے طبیعت کا ایک فطری عنصر تھا، جسکو اُن کے والد کی تعلیم اور میر امان اللہ کی مثال نے اتني ترقی دي کہ وہ تمام دیگر عناصر پر غالب آ گیا - میر صاحب کي شاعري کو عشق کی زبان کہیں تو زیبا ہے -

میر کے لیے شاعري نہ کوئی صنعت تھی نہ تفنن طبع کا ذریعہ، بلکہ شاعری اُنکي ذات کا ایک جز اور اُن کي طبیعت کا ایک عنصر تھی - وہ شاعر پیدا هوئے تھے - اپنی شاعري کا موضوع بیشتر وہ خود هی هیں، لیکن اُن کی یہ انانیت اکثر ذاتي اور انفرادي حیثیت سے نہیں بلکہ انسانیت کا ایک نمائندہ هونے کي حیثیت سے ہے - فطرت نے اُن کو شریف و لطیف جذبات اور عالمگیر محبت و همدردي عطا کی تھي، اُنکا معیار انسانیت بہت بلند تھا، جس میں استغنا اور عزت نفس کو

بہت بڑا درجہ حاصل تھا ، اُنکا دل درد اور ھمدردی سے اسقدر لبریز تھا کہ وہ کسي کي مصیبت دیکھہ نہ سکتے تھے - چونکہ اُنکي شاعری اُن کے قلبی کیفیات کي صحیح تفسیر ھے اس لیے وہ بھي اُنھیں شریف جذبات اور بلند خیالات سے بھري پڑي ھے - میر کی شاعري سے میر کي سچي تصویر تصور کی آنکھوں کے سامنے آ جاتی ھے -

زبان میں انتھا کي صفائي ' بیان میں حد کي دلکشي اور زور ' کلام میں ترنم - خیالات میں سادگی ' جذبات میں بلندي ' طبیعت میں دردمندي ' انساني فطرت کے دقیق رازوں تک نگاہ کی رسائی واردات قلبی کي صحیح ترجمانی میر کي شاعری کے خاص خصوصیات ھیں - ان خصوصیات نے میر کي شاعري کو درد و اثر کا ایک طلسم بنا دیا ھے - اور میر کو غزل‌گوئی کا سب سے بڑا استاد منوا دیا ھے - یہ فخر صرف میر ھي کو حاصل ھے کہ ان کے ھمعصروں سے لے کر آج تک کے اکثر با کمال شعرا نے اُن کے کمال کا پرزور لفظوں میں اعتراف کیا ھے - ذیل کے شعر ملاحظہ ھوں :—

(مرزا سودا)

" سودا " تو اس غزل کو غزل در غزل ھي لکھہ
ھونا ھے تجھہ کو " میر " سے استاد کی طرف

(شیخ مصحفی)

اے " مصحفي " تو اور کہاں شعر کا دعوی
پھبتا ھے یہ انداز سخن " میر " کے منہ پر

(شیخ '' ناسخ '')

شبہ " ناسخ " نہیں کچھ '' میر '' کی استادي میں
آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

(خواجہ '' آتش '')

" آتش " بقول حضرت " سودا '' شفیق من
ہونا ہے تجھ کو " میر " سے استاد کی طرف

(مرزا '' غالب '')

'' غالب '' اپنا بھی عقیدہ ہے بقول '' ناسخ ''
آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

ریختے کے تمہیں استاد نہیں ہو " غالب ''
سنتے ہیں اگلے زمانے میں کوئي " میر " بھي تھا

(" ذوق '')

نہ ہوا پر نہ ہوا " میر " کا انداز نصیب
'' ذوق " یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

(" عیش '')

ہے سچ تو یہ شعراے جہاں میں " عیش " فقط
کلام '' میر " ہے البتہ دل پذیر ایسا

(میر " مجروح '')

یوں تو ہیں " مجروح '' شاعر سب فصیح
'' میر " کی پر خوش بیانی اور ہے

(" رند ")

شیخ " ناسخ " خواجہ " آتش " کے سوا بالفعل " رند "
شاعران ہند میں کہتے ہیں طرز " میر " ہم

تیرا کلام کتنا مشابہ ہے " میر " سے
عاشق ہیں " رند " ہم تو اسي بول چال کے

(" عرش ")

لاکھ تقلید کیجئے اے " عرش "
پر کب انداز " میر " آتا ہے

(" شاد " لکھنوي)

میں ہوں وہ طوطي ہندوستاں " شاد "
زبان جس کي ہے مثل " میر " اُردو

(مولوی اسمعیل)

یہ سچ ہے کہ " سودا " بھي تھا استاد زمانہ
میري تو مگر " میر " ھي تھا شعر کے فن میں

(مرزا " داغ ")

" میر " کا رنگ برتنا نہیں آساں اے " داغ "
اپنے دیواں سے ملا دیکھئے دیواں اُن کا

(" جلال " لکھنوي)

کہنے کو " جلال " آپ بھی کہتے ہیں وھی طرز
لیکن سخن میر تقی " میر " کی کیا بات

(امیر مینائی)

شاعري میں " امیر " کي خاطر

" میر " اپني زبان چھوڑ گیے

(امداد امام " اثر ")

لیکن " اثر " جو چشم حقیقت سے دیکھیے

کوئی غزل سرا نہ ہوا " میر " کي طرح

(اکبر الہ‌آبادي)

میں هوں کیا چیز جو اس طرز پہ جاؤں " اکبر "

" ناسخ " و " ذوق " بھی جب چل نہ سکے " میر " کے ساتھ

(" حسرت " موهاني)

گزرے بہت استاد مگر رنگ اثر میں

بےمثل ہے " حسرت " سخن " میر " ابھی تک

(مولانا " صفی " لکھنوي)

ابیات غزل میں تاثیر وهی

هر نغمۂ دلکش میں بم و زیر وهی

" حافظ " کا جو فارسي میں رتبہ هے " صفي "

اُردو میں هے مرتبۂ " میر " وهی

تمام شعرا کے دیوان اس نظر سے دیکھے جائیں تو شاید هی کوئی قابل ذکر شاعر ایسا نکلے جس نے کسي نہ کسي عنوان سے " میر " کے شاعرانہ کمال کا اعتراف نہ کیا هو - اس زمانے کے متعدد شاعروں نے " میر " کي مدح میں مستقل نظمیں بھی لکھي هیں - اگر میري یاد غلطي نہیں کرتی تو مولانا

"عزیز" لکھنوي - حضرت "اثر" لکھنوي اور جناب "فرخ" بنارسی کي نظمیں اِس موضوع پر میري نظر سے گزري ھیں -

غزل میں تو "میر" کا کوئي مقابل ھے ھی نہیں - مثنوي میں بھی ان کا پایہ بہت بلند ھے - اور اُردو میں وہ اس وقت کے موجد ھیں - دیگر اصناف سخن میں بھی میر صاحب نے اپنے شاعرانہ کمال کے جوھر دکھائے ھیں مگر ان کے کمال غزل گوئي کے سامنے کسي اور چیز پر نظر نہیں پڑتي -

"میر" کي شہرت صرف اردو شاعر کي حیثیت سے ھے مگر ان کی متعدد تصنیفات فارسی نظم و نثر میں بھي موجود ھیں - اُن کي جتني تصنیفیں اب تک مل چکي ھیں ان کے نام اور مختصر کیفیت یہاں درج کی جاتی ھے -

۱—۶ اردو غزلوں کے چھہ دیوان - جن میں چند قصیدے بھی شامل ھیں -

۷ - دیوان ھفتم - اس میں غزلوں اور قصیدوں کے علاوہ "میر" کي تمام نظمیں جمع کردي گئي ھیں - ان نظموں میں مثنویاں سب سے زیادہ نمایاں حیثیت رکھتی ھیں - میر کی مثنویوں کا ایک مجموعہ سر شاہ محمد سلیمان صاحب چیف جسٹس الہ‌آباد ھائی کورٹ نے چند سال ھوئے مثنویات "میر" کے نام سے شائع کردیا -

۸ - دیوان مراثي - یہ سلاموں اور مرثیوں کا مجموعہ ھے اور میر کا جو مطبوعہ کلیات آجکل دستیاب ھوتا ھے اس میں شامل نہیں ھے - مگر اسکا ایک قدیم قلمي نسخہ راقم کی

نظر سے گذرا ہے اور اس کی ایک نقل راقم کے کتب خانہ میں موجود ہے -

۹ - دیوان فارسی - اس کا جو نسخہ میرے پاس ہے اس میں بہت سی غزلیں، متعدد رباعیاں، ایک مثنوی اور ایک مسدس شامل ہے -

۱۰ - نکات‌الشعرا - یہ اُردو شاعروں کا سب سے پہلا تذکرہ ہے-

۱۱ - ذکرمیر — اس کتاب میں "میر" نے کچھ اپنے اور زیادہ تر اپنے زمانے کے حالات لکھے ہیں - یہ سلطنت مغلیہ کے آخری عہد کی مستند تاریخ ہے -

۱۲ - فیض‌میر — یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے جس میں "میر" نے چند صوفی درویشوں کے چشم دید حالات نہایت دلکش فارسی عبارت میں لکھے ہیں - اس دلچسپ رسالے کو راقم نے پہلے پہل ۱۹۲۹ع میں ایک مقدمہ اور اُردو ترجمے کے ساتھ شائع کیا -

۱۳ - ایک قصہ فارسی نثر میں — یہ وہی قصہ ہے جس کو "میر" نے اپنی اُردو مثنوی شعلۂ عشق میں نظم کردیا ہے ان کتابوں میں سے دیوان فارسی - ذکرمیر اور فیض میر کا ایک ایک قدیم قلمی نسخہ راقم‌الحروف کے کتب خانے میں موجود ہے - اور نمبر ۱۳ میں جس فارسی قصہ کا ذکر ہے اسکا ایک قلمی نسخہ ریاست رامپور میں ایک صاحب کے پاس ہے -

"میر" کی اِن تصنیفات سے ظاہر ہے کہ وہ فارسی کے زبردست انشا پرداز اور شاعر بھی تھے - مورخ بھی تھے - افسانہ

نگار بھي تھے اور فلسفي بھي تھے - افسوس ھے کہ ان کے قلم سے نکلي ھوئي اُردو نثر کي کوئي کتاب دستیاب نہیں ھوئی - لیکن فورٹ ولیم کالج میں اُردو کتابوں کی تالیف و تصنیف کے لیے اُن کا بلایا جانا ثابت کرتا ھے کہ اُن کا شمار اُردو کے اعلی درجے کے نثاروں میں بھی تھا -

---

انتخاب

ہنگامہ گرم کن جو دل نا صبور تھا
پیدا ہر ایک نالے سے شور نشور تھا
آتش بلند دل کی نہ تھي ورنہ اے کلیم
یک شعلہ برق خرمن صد کوہ طور تھا
پہونچا جو آپ کو تو میں پہونچا خدا کے تئیں
معلوم اب ہوا کہ بہت میں بھی دور تھا
ہم خاک میں ملے تو ملے لیکن اے سپہر
اُس شوخ کو بھي راہ پہ لانا ضرور تھا

قطعہ

کل، پانؤں ایک کاسۂ سر پر جو پڑ گیا
یکسر وہ استخوان شکستوں سے چور تھا
کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر
میں بھی کبھو کسو کا سر پر غرور تھا

کیا میں بھي پریشاني خاطر سے قریں تھا
آنکھیں تو کہیں تھیں دل غم دیدہ کہیں تھا
اب کوفت سے ہجراں کے جہاں تن پہ رکھا ہاتھ
جو درد و الم تھا سو کہے تو کہ وہیں تھا

کفر کچھ، چاهئے اسلام کي زینت کے لئے
حسن' زنار هے تسبیح سلیماني کا
جان گھبراتي هے اندوه سے تن میں کیا کیا ؟
تنگ احوال هے اس یوسف زنداني کا

اُمیدوار وعدۂ دیدار مر چلے
آتے هي آتے یارو قیامت کو کیا هوا
بخشش نے مجھ کو ابر کرم کے کیا خجل
اے چشم ! جوش اشک ندامت کو کیا هوا
جاتا هے یار تیغ به کف غیر کی طرف
اے کشتۂ ستم تری غیرت کو کیا هوا

کہا میں نے کتنا هے گل کا ثبات
کلی نے یه سن کر تبسم کیا
جگر هی میں اک قطره خوں هے سر شک
پلک تک گیا تو تلاطم کیا

اُلٹی هو گئیں سب تدبیریں کچھ نه دوا نے کام کیا
دیکھا اس بیماریٔ دل نے آخر کام تمام کیا
عهد جواني رو رو کاٹا ' پیری میں لیں آنکھیں موند
یعني رات بهت تھے جاگے صبح هوئي آرام کیا
ناحق هم مجبوروں پر' یه تهمت هے مختاری کي
چاهتے هیں سو آپ کرے هیں هم کو عبث بدنام کیا

سرزد ھم سے بے ادبی تو وحشت میں بھی کم ھی ھوئی
کوسوں اُس کے اُور گئے، پر سجدہ ھر ھر گام کیا

یاں کے سفیدوسیہ میں ھم کو دخل جو ھے سو اتنا ھے
رات کو رو رو صبح کیا یا دن کو جوں توں شام کیا

ساعد سمیں دونوں اس کے ھاتھ میں لاکر چھوڑ دئے
بھولے اس کے قول و قسم پر ھائے خیال خام کیا

میر کے دین و مذھب کو اب پوچھتے کیا ھو؟ اُن نے تو
قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا

وعدہ تو کیا اُس نے دم صبح کا لیکن
اس دم کے تئیں مجھ میں اگر جان رھے گا

چمٹے رھیں گے دشت محبت میں سر و تیغ
محشر تئیں خالی نہ یہ میدان رھے گا

تا گور کے اوپر وہ گل اندام نہ آیا
ھم خاک کے آسودوں کو آرام نہ آیا

بےھوش مئے عشق ھوں، کیا میرا بھروسا
آیا جو بخود صبح تو میں شام نہ آیا

نے خون ھو آنکھوں سے بہا ٹک نہ ھوا داغ
اپنا تو یہ دل "میر" کسو کام نہ آیا

زنداں میں بھي شورش نہ گئی اپنے جنوں کي
اب سنگ مداوا ھے اِس آشفتہ سري کا

آفاق کی منزل سے گیا کون سلامت
اسباب لٹا راہ میں یاں ہر سفری کا
لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کارگہ شیشہ گری کا
ٹک "میر" جگر سوختہ کی جلد خبر لے
کیا یار بھروسا ہے چراغ سحری کا

منھ تکاھی کرے ہے جس تس کا   حیرتی ہے یہ آئینہ کس کا ؟
شام سے کچھ بجھا سا رہتا ہے   دل ہوا ہے چراغ مفلس کا
داغ آنکھوں سے کھل رہے ہیں سب   ہاتھ دستہ ہوا ہے نرگس کا
فیض ، اے ابر ! چشم ترسے اُٹھا   آج دامن وسیع ہے اِس کا
تاب کس کو جو حال "میر" سنے   حال ہی اور کچھ ہے مجلس کا

اولجھاؤ پڑگیا جو ہمیں اس کے عشق میں
دل سا عزیز ، جان کا جنجال ہوگیا

لیتے ہی نام اس کا سوتے سے چونک اٹھے ہو
ہے خیر "میر" صاحب کچھ تم نے خواب دیکھا

دل بہم پہونچا بدن میں تب سے سارا تن جلا
آپڑی ایسی یہ چنگاری کہ پیراہن جلا

جب جلوں سے همیں توسل تھا اپني زنجیر پاهي کا غل تھا
بسترا تھا چمن میں جوں بلبل نالہ سرمایۂ توکل تھا
اُن نے پہچان کر همیں مارا منھہ نہ کرنا ادھر تجاهل تھا
اب تو دل کو نہ تاب هے نہ قرار یاد ایام' جب تحمل تھا

اک چشم منتظر هے کہ دیکھے هے کب سے راہ
جوں زخم تیرے دور میں ناسور هوگیا
شاید کسو کے دل کو لگي اُس گلی میں چوت
میري بغل میں شیشۂ دل چور هوگیا

تھی عشق کی وہ ابتدا جو موج سي اتھی کبھو
اب دیدۂ ترکو جو تم دیکھو تو هے گرداب سا
رکھہ هاتھہ دل پر ''میر'' کے دریافت کر کیا حال هے؟
رهتا هے اکثر یہ جواں کچھہ ان دنوں بےتاب سا

مر رهتے جو گل بن تو سارا یہ خلل جاتا
نکلاهي نہ جی ورنہ کانتا سا نکل جاتا
بن پوچھے کرم سے وہ جو بخش نہ دیتا تو
پرسش میں هماري هی دن حشر کا ڈهل جاتا

اس فریبندہ کو نہ سمجھے آہ هم نے جانا کہ هم سے یار هوا

نالہ ہم خاکساروں کا آخر خاطر عرش کا غبار ہوا
وہ جو خنجر بہ کف نظر آیا ''میر'' سو جان سے نثار ہوا

مانند شمع مجلس، شب اشک‌بار پایا
القصہ ''میر'' کو ہم بے اختیار پایا
شہر دل ایک مدت، اُجڑا بسا غموں سے
آخر اجاڑ دینا اس کا قرار پایا
آہوں کے شعلے جس جا اٹھتے تھے ''میر'' شب سے
واں جاکے صبح دیکھا، مشت غبار پایا

آخر کو مرگئے ہیں اس کی ہی جستجو میں
جی کے تئیں بھی کھویا لیکن اُسے نہ پایا
ہونا تھا مجلس‌آرا گر غیر کا تجھے، تو
مانند شمع مجھ کو کاھے کو تیں جلایا

دی آگ رنگ گل نے واں اے صبا چمن کو
یاں ہم جلے قفس میں سن حال آشیاں کا
کم فرصتی جہاں کے مجمع کی کچھ نہ پوچھو
احوال کیا کہوں میں اس مجلس رواں کا
یا روئے یا رُلایا، اپنی تو یوں ہی گذری
کیا ذکر، ہم صفیراں! یاران شادماں کا

کیا طَرَح ھے آشنا کاھے ' کُھے نا آشنا
یا تو بیگانہ ھي رھئے ھوجئے یا آشنا
کون سے یہ بحر خوبی کي پریشاں زلف ھے
آتی ھے آنکھوں میں میري موج دریا آشنا

ھمارے آگے ترا جب کسو نے نام لیا
دل ستم زدہ کو ھم نے تھام لیا
خراب رھتے تھے مسجد کے آگے مےخانے
نگاہ مست نے ساقی کی انتقام لیا
مرے سلیقے سے میري نبھی تھی قسمت میں
تمام عمر ' میں ناکامیوں سے کام لیا

سیر کے قابل ھے دل صدپارہ اس نخچیر کا
جس کے ھر ٹکڑے میں ھو پیوست پیکاں تیر کا

بوئے خوں سے جي رکا جاتا ھے اے باد بہار
ھوگیا ھے چاک ' دل شاید کسي دل‌گیر کا
بس طبیب اُٹھ جا ! مری بالیں سے مت دے دردِ سر
کام جاں آخر ھوا ' اب فائدہ تدبیر کا
کس طرح سے مانئے یارو کہ یہ عاشق نہیں
رنگ اڑا جاتا ھے تک چھرا تو دیکھو "مہر" کا

شب درد و غم سے عرصہ مرے جي پہ تنگ تھا
آیا شب فراق تھي یا روز جنگ تھا
کثرت میں درد و غم کے نہ نکلي کوئي طپش
کوچہ جگر کے زخم کا شاید کہ تنگ تھا
لایا مرے مزار پہ اس کو یہ جذب عشق
جس بے وفا کو نام سے بھی میرے ننگ تھا
دل سے مرے لگا نہ ترا دل ہزار حیف
یہ شیشہ ایک عمر سے مشتاق سنگ تھا
مت کر عجب جو "میر" ترے غم میں مرگیا
جینے کا اس مریض کے کوئی بھي ڈھنگ تھا ؟

دل میں بھرا زبسکہ خیال شراب تھا
مانند آئینے کے مرے گھر میں آب تھا
دل جو نہ تھا تو رات ' زخود رفتگی میں "میر"
گہہ انتظار ' گاہ مجھے اضطراب تھا

کچھ نہیں سوجھتا ہمیں ' اس بن
شوق نے ہم کو بے حواس کیا
عشق میں ہم ہوئے نہ دیوانے
قیس کی آبرو کا پاس کیا
صبح تک شمع سر کو دھنتي رهي
کیا پتنگے نے التماس کیا

صفت آبروئے زاهد علامه لے گیا
اک مغ بچه ' اتار کے عمامه لے گیا

داغ فراق ، حسرت وصل ' آرزوے شوق
میں ساتھ زیر خاک بھی هنگامه لے گیا

— —

اے تو که یہاں سے عاقبت‌کار جاے گا
غافل نه رہ که قافله اک بار جائے گا

چھوٹتا جو میں قفس سے تو سب نے کہا مجھے
بےچارہ ' کیونکه تا سر دیوار جائے گا

تدبیر میرے عشق کی ' کیا فائدہ ؟ طبیب !
اب جان هی کے ساتھ یه ازار جائے گا

انے میں اس کے حال ہوا جائے هے بغیر
کیا حال هوگا پاس سے جب یار جائے گا

دیگی نه چین ' لذت زخم اس شکار کو
جو کھا کے تیرے هاتھ سے تلوار جائے گا

———

کیا کہوں کیسا ستم ' غفلت سے مجھ پر هو گیا
قافله جاتا رہا میں صبح هوتے سو گیا

مدعا جو هے سو وہ پایا نہیں جاتا کہیں
ایک عالم جستجو میں جی کو اپنے کھو گیا

بےکسی مدت تلک برساکی اپنی گور پر
جو هماری خاک پر سے هو کے گذرا ' رو گیا

———

مت هو دشمن اے فلک! اس پائمال راہ کا
خاک افتادہ هوں میں بھي اک فقیرالله کا

جو سدا هشیار' اس مےخانے میں تھا بےخبر
شوق هی باقی رها هم‌کو دل آ گاہ کا

شیخ مت کر ذکر هر ساعت قیامت کا کہ ہے
عرصۂ محشر نمونہ اس کی بازي گاہ کا

آزار نہ دے اپنے کانوں کے تئیں اے گل
آغاز' مرے غم کا انجام نہیں رکھتا

نا کامئی صد حسرت' خوش لگتی نہیں ورنہ
اب جي سے گذر جانا کچھہ کام نہیں رکھتا

تو وہ متاع ہے کہ پڑي جس کي تجھہ پہ آنکھ
وہ جي کو بیچ کر بھی خریدار هو گیا

اٹھ اے نالہ ہے خدا کا ناؤں بس تو نہ آسماں سے نکلا
نامرادی کی رسم "میر" سے ہے طور یہ' اس جوان سے نکلا

گرمي سے میں تو آتش غم کي پگھل گیا
راتوں کو روتے روتے هی جوں شمع گل گیا

هم خستہ دل هیں تجھہ سے بھي نازک مزاج تر
تیوری چڑھائي تونے کہ یاں جي نکل گیا

گرمئی عشق مانع نشوونما ہوئی
میں وہ نہال تھا کہ اُگا اور جل گیا
مستی میں چھوڑ دیر کو، کعبہ چلا تھا میں
لغزش بڑی ہوئی تھی و لیکن سنبھل گیا

اشک آنکھوں میں کب نہیں آتا لہو آتا ہے جب نہیں آتا
ہوش جاتا نہیں رہا لیکن جب وہ آتا ہے تب نہیں آتا
دور بیٹھا غبار "میر" اس سے عشق بن یہ ادب نہیں آتا

میرا جی تو آنکھوں میں آیا یہ سنتے
کہ دیدار بھی ایک دن عام ہو گا

رہ طلب میں گرے ہوتے سر کے بھل ہم بھی
شکستہ پائی نے اپنی ہمیں سنبھال لیا
بتاں کی "میر" ستم وہ نگاہ ہے جس نے
خدا کے واسطے بھی خلق کا وبال لیا

قدر رکھتی نہیں متاع دل
سارے عالم میں، میں دکھا لایا
دل کہ اک قطرہ خوں نہیں ہے بیش
ایک عالم کے سر بلا لایا

دل مجھے اس گلی میں لیجا کر
اور بھی خاک میں ملا لایا
سب پہ جس بار نے گرانی کی
اُس کو یہ ناتواں اُٹھا لایا
ابتدا هی میں مر گئے سب یار
عشق کی کون انتہا لایا
اب تو جاتے هیں بت‌کدے سے "میر"
پھر ملیں گے اگر خدا لایا

——

تڑپ کے خرمن گل پر کبھی گرا اے بجلی!
جلانا کیا ھے مرے آشیاں کے خاروں کا
هزار رنگ کھلے گل چمن کے هیں شاید
کہ روزگار کے سر خون ھے هزاروں کا
تڑپ کے مرنے سے دل کے کہ مغفرت ھو اُسے
جہاں میں کچھ تو رہا نام بے قراروں کا
تری هی زلف کو محشر میں هم دکھا دیں گے
جو کوئی مانگے گا نامہ سیاہ کاروں کا

——

ظالم زمیں سے لوٹتا دامن اٹھا کے چل
هوگا کمیں میں هاتھ کسو داد خواہ کا

——

دل سے شوق رخ نکو نہ گیا
تاکنا جھانکنا کبھو نہ گیا

هر قدم پر تھي اس کی منزل لیک
سر سے سودائے جستجو نہ گیا
سب گئے ہوش و صبر و تاب و تواں
لیکن اے داغ دل سے تو نہ گیا

گل و بلبل بہار میں دیکھا ایک تجھ کو ہزار میں دیکھا
جل گیا دل سفید ہیں آنکھیں یہ تو کچھ انتظار میں دیکھا
جن بلاؤں کو "میر" سنتے تھے اُن کو اس روزگار میں دیکھا

مہر کي تجھ سے توقع تھی ستم گر نکلا
موم سمجھے تھے ترے دل کو سو پتھر نکلا
اشک تر، قطرۂ خوں، لخت جگر، پارۂ دل
ایک سے ایک عدو آنکھ سے بہتر نکلا
داغ ہوں رشک محبت سے کہ اتنا بے تاب
کس کی تسکیں کے لیئے گھر سے تو باہر نکلا
دل کي آبادي کی اس حد ہے خرابی کہ نہ پوچھ
جانا جاتا ہے کہ اس راہ سے لشکر نکلا
ہمنے جانا تھا لکھے گا تو کوئي حرف اے "میر"
پر ترا نامہ تو اک شوق کا دفتر نکلا

ہم رہ روان راہ فنا ہیں بہ رنگ عمر
جاویں گے ایسے کھوج بھي پایا نہ جائے ؎

بھوڑا سا ساری رات جو پکتا رہے گا دل
تو صبح تک تو ھاتھ لگایا نہ جائے گا
اپنے شہید ناز سے بس ھاتھ اتھا کہ پھر
دیوان حشر میں اسے لایا نہ جائے گا
اب دیکھ لے کہ سینہ بھی تازہ ہوا ھے چاک
پھر ہم سے اپنا حال دکھایا نہ جائے گا
یاد اس کی اتنی خوب نہیں "میر" باز آ
نادان، پھر وہ دل سے بھلایا نہ جائے گا

دھوکھا ھے تمام بحر دنیا | دیکھے گا کہ ہونتھ تر نہ ہوگا
آئی جو شکست آئنے پر | روے دل یار ادھر نہ ہوگا
پھر نوحہ گری کہاں جہاں میں | ماتم زدہ "میر" اگر نہ ہوگا

کیا کیا دعائیں مانگی ہیں خلوت میں شیخ یوں
ظاہر جہاں سے ھاتھ اتھایا تو کیا ہوا
وہ فکر کر کہ چاک جگر پاوے التیام
ناصح جو تو نے جامہ سلایا تو کیا ہوا
جیتے تو ان نے "میر" مجھے داغ ہی رکھا
پھر گور پر چراغ جلایا تو کیا ہوا

دل جو تھا اک آبلہ، پھوٹا، گیا
رات کو سینہ بہت کوٹا گیا

میں نہ کہتا تھا کہ منھ کر دل کی اور
اب کہاں وہ آئینہ ٹوٹا گیا
دل کی ویرانی کا کیا مذکور ہے
یہ نگر، سو مرتبہ لوٹا گیا

صد نشتر مژگاں کے لگنے سے نہ نکلا خوں
آگے تجھے "میر" ایسا سودا نہ ہوا ہو گا

عالم میں کوئی دل کا طلب گار نہ پایا
اس جنس کا یاں ہم نے خریدار نہ پایا
آئینہ بھی حیرت سے محبت میں ہوے ہم
پر سیر ہو اُس شخص کا دیدار نہ پایا

چشم خوں‌بستہ سے کل رات، لہو پھر ٹپکا
ہم نے جانا تھا کہ بس اب تو یہ ناسور گیا

دل سے آنکھوں میں لہو آتا تھا شاید رات کو
کشمکش میں بےقراری کے یہ پھوڑا چھل گیا
رشک کی جاگھ ہے مرگ اس کشتۂ حسرت کی "میر"
نعش کے ہمراہ جس کی گور تک قاتل گیا

یہ توہم کا کارخانہ ہے
یہاں وہي ہے جو اعتبار کیا
سخت کافر تھا جن نے پہلے "میر"
مذہب عشق اختیار کیا

دکھ اب فراق کا، ہم سے سہا نہیں جاتا
پھر اس پہ ظلم یہ ہے کچھ، کہا نہیں جاتا
ستم کچھ آج گلي میں تری نہیں مجھ پر
کب آ کے خون میں، میں یاں نہا نہیں جاتا
خراب مجھ کو کیا اضطراب دل نے "میر"
کہ تک بھی اس کلے اس بن رہا نہیں جاتا

سمجھے تھے ہم تو "میر" کہ ناسور کم ہوا
پھر ان دنوں میں، دیدۂ خوں‌بار نم ہوا
آئے بہ رنگ، ابر عرق‌ناک تم اِدھر
حیران ہوں کہ آج کدھر کو کرم ہوا
کافر! ہمارے دل کي نہ پوچھ اپنے عشق میں
بیت‌الحرام تھا سو وہ بیت‌الصنم ہوا

دل و دماغ ہے اب، کس کو زندگاني کا
جو کوئي دم ہے تو افسوس ہے جواني کا
ہزار جان سے قربان بے پری کے ہیں
خیال بھي کبھو گذرا! نہ پر فشاني کا

نمود کر کے وهیں بحر غم میں بیٹھ گیا
کہے تو "مہر" بھی اک بلبلا تھا پانی کا

——

موا مہں سجدے میں پر نقش میرا بار رها
اُس آستاں پہ مري خاک سے غبار رها
کبھی نہ آنکھوں میں آیا وہ شوخ خواب کي طرح
تمام عمر همیں اس کا انتظار رها
بتوں کے عشق نے بے اختیار کر ڈالا
وہ دل کہ جس کا خدائی میں اختیار رها

——

جیتے جی کوچۂ دل دار سے جایا نہ گیا
اُس کے دیوار کا سر سے مرے سایا نہ گیا
خاک تک کوچۂ دل دار کي چھانی هم نے
جستجو کي پہ دل گم شدہ پایا نہ گیا
مہ نے آ سامنے' شب' یاد دلایا تھا اُسے
پھر وہ تا صبح مرے جی سے بھلایا نہ گیا
وہ تو کل دیر تلک دیکھتا ایدھر کو رها
هم سے هی حال تبہ اپنا دکھایا نہ گیا
زیر شمشیر ستم "میر" تڑپنا کیسا
سر بھی تسلیم محبت میں هلایا نہ گیا

——

دل کے تئیں آتش هجراں سے بچایا نہ گیا
گھر جلا سامنے پر هم سے بجھایا نہ گیا

میں تو تھا صید زبوں صید گہ عشق کے بیچ
آپ کو خاک میں بھی خوب ملایا نہ گیا
شہر دل آہ عجب جائے تھی پر اس کے گئے
ایسا اُجڑا کہ کسي طرح بسایا نہ گیا

——

خوف آشوب سے غوغائے قیامت کے لئے
خون خوابیدۂ عشاق جگایا نہ گیا
"میر" مت عذر گریباں کے پھٹنے رھنے کا کر
زخم دل چاک جگر تھا کہ سلایا نہ گیا

——

گریباں سے رھا کو تہ تو پھر ھے
ھمارے ھاتھ میں دامن ھمارا
ھوا رونے سے راز دوستي فاش
ھمارا گریہ تھا دشمن ھمارا
بہت چاھا تھا ابر تر نے لیکن
نہ منت کش ھوا گلشن ھمارا
چمن میں ھم بھی زنجیري رھے ھیں
سنا ھو گا کبھي شیون ھمارا

——

گلیوں میں اس کي، اب تک مذکور ھے ھمارا
افسانۂ محبت مشہور ھے ھمارا
بے طاقتي کریں تو تم بھی معاف رکھیو
کیا کیجئے کہ دل بھي مجبور ھے ھمارا

ہیں مشت خاک لیکن جو کچھ ہیں "میر" ہم ہیں
مقدور سے زیادہ مقدور ہے ہمارا

سحر گہہ عید میں دور سبو تھا
پر اپنے جام میں تجھ بن لہو تھا
غلط تھا آپ سے غافل گذرنا
نہ سمجھے ہم کہ اس قالب میں تو تھا
چمن کي وضع نے ہم کو کیا داغ
کہ ہر غنچہ دل پر آرزو تھا
گل و آئینہ کیا خورشیدومہ کیا
جدھر دیکھا تدھر تیراھي رو تھا
نہ دیکھا "میر" آوارہ کو لیکن
غبار اِک ناتواں سا کوبہ کو تھا

راہ دور عشق میں روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا
قافلے میں صبح کے اِک شور ہے
یعنی غافل ہم چلے سوتا ہے کیا
سبز ہوتي ہی نہیں یہ سر زمیں
تخم خواہش دل میں تو بوتا ہے کیا
یہ نشان عشق ہیں جاتے نہیں
داغ چھاتی کي عبث دھوتا ہے کیا

غیرت یوسف ہے یہ وقت عزیز
"میر" اس کو رائیگاں کھوتا ہے کیا

آنکھوں نے راز داری محبت کی خوب کی
آنسو جو آتے آتے رہے تو لہو بہا

بے کسانہ جی گرفتاری سے شیون میں رہا
ایک دل غم‌خوار رکھتے تھے سو گلشن میں رہا
شمع ساں جلتے رہے لیکن نہ توڑا یار سے
رشتۂ الفت تمامی عمر گردن میں رہا
ہم نہ کہتے تھے کہ مت دیر و حرم کی راہ چل
اب یہ دعویٰ حشر تک شیخ و برہمن میں رہا

کچھ نہ دیکھا پھر بجز اک شعلۂ پر پیچ و تاب
شمع تک ہم نے تو دیکھا تھا کہ پروانہ گیا

وصل و ہجراں، یہ جو دو منزل ہیں راہ عشق کی
دل غریب ان میں خدا جانے کہاں مارا گیا
دل نے سر کھینچا دیار عشق میں اے بوالہوس
وہ سراپا آرزو آخر جواں مارا گیا
کب نیاز عشق، ناز حسن سے کھینچے ہے ہاتھ
آخر آخر "میر" سر بر آستاں، مارا گیا

اٹھتے پلکوں کے گرے پڑتے ہیں لاکھوں آنسو
ڈول ڈالا ہے مری آنکھوں نے اب طوفاں کا
لہو لگتا ہے ٹپکنے جو پلک ماروں ہوں
اب تو یہ رنگ ہے اس دیدۂ اشک افشاں کا

جوں برگ ہاے لالہ پریشان ہوگیا
مذکور کیا ہے اب جگر لخت لخت کا

اک وہم سي رہی ہے ' اپنی نمود ' تن میں
آتي ہو اب تو آؤ پھر ہم میں کیا رہے گا

تفحص فائدہ ناصح ! تدارک تجھ سے کیا ہوگا
وہی پاوے گا میرا درد ' دل جس کا لگا ہوگا

محروم سجدہ آخر جانا پڑا جہاں سے
جوش حیا سے ہم نے وہ آستاں نہ پایا

یہ عیش گہہ نہیں ہے یاں رنگ اور کچھ ہے
ہر گل ہے اس چمن میں ساغر بھرا لہو کا
وہ پہلی التفاتیں ' ساري فریب نکلیں
دینا نہ تھا دل اس کو میں " میر " آپ چوکا

سرسے سے باندھا ھے کفن عشق میں تیرے، یعنی
جمع ہم نے بھي کیا ھے سروساماں یک جا

بسان شمع جو مجلس سے ھم گئے تو گئے
سراغ کیجو نہ پھر تو نشان پانے کا
سراھا ان نے ترا ھاتھ، جن نے دیکھا زخم
شہید ھوں میں تري تیغ کے لگانے کا
شریف مکہ رھا ھے تمام عمر اے شیخ
یہ "میر" اب جو گدا ھے شراب خانے کا

غم رھا جب تک کہ دم میں دم رھا
دل کے جانے کا نہایت غم رھا
دل نہ پہونچا گوشۂ داماں تلک
قطرۂ خوں تھا مژہ پر جم رھا
میرے رونے کي حقیقت جس میں تھي
ایک مدت تک وہ کاغذ نم رھا
صبح پیری شام ھونے آئي "میر"
تو نہ چیتا یاں بہت دن کم رھا

چوری میں دل کے وہ ھنر کر گیا
دیکھتے ھی آنکھوں میں گھر کر گیا

مجلس آفاق میں پروانہ ساں
"میر" بھی شام اپنی سحر کر گیا

—

آیا جو واقعي میں در پیش عالم مرگ
یہ جاگنا ہمارا دیکھا تو خواب نکلا
کس کی نگہ کی گردش تھي "میر" روبہ مسجد
محراب میں سے زاھد مست و خراب نکلا

—

ایسے بت بے مہر سے ملتا بھي ھے کوئي
دل "میر" کو بھاری تھا جو پتھر سے لگایا

—

دل جو زیر غبار اکثر تھا
کچھ مزاج ان دنوں مکدر تھا
سر سري تم جہاں سے گذرے
ورنہ ھرجا جہان دیگر تھا
دل کي کچھ قدر کرتے رھیو تم
یہ ھمارا بھی ناز پرورد تھا
بار سجدہ ادا کیا تہ تیغ
کب سے یہ بوجھ میرے سر پر تھا

—

تیرا رخ مخطط ' قرآن ھے ھمارا
بوسہ بھي لیں تو کیا ھے ایمان ھمارا

گر ہے یہ بےقراری تو رہ چکا بغل میں
دو روز دل ہمارا مہمان ہے ہمارا
ماہیت، دو عالم کھاتی پھرے ہے غوطے
اک قطرہ خوں یہ دل کا طوفان ہے ہمارا

آدم خاکی سے عالم کو جلا ہے ورنہ
یوسف مصر زلیخا کا خریدار نہ تھا
رات ' حیران ہوں کچھ چپ ہي مجھے لگ گئي "میر"
درد پنہاں تھے بہت ' پر لب اِظہار نہ تھا

بے طاقتی سکوں نہیں رکھتي ہے ہم نشیں
رونے نے ہر گھڑي کے مجھے تو ڈبو دیا
پوچھا جو میں نے درد محبت کو "میر" سے
رکھ ہاتھ ان نے دل پہ تک اک اپنے رو دیا

داغ اور سینے میں کچھ بگڑي ہے "عشق" دیکھیں
دل کو جگر کو کس کو اب درمیان دے گا
گھر چشم کا ڈبو مت دل کی گئے پہ رو رو
کیا "میر" ہاتھ سے تو یہ بھي مکان دے گا

کل ' چمن میں گل و سمن دیکھا
آج دیکھا تو باغ بن دیکھا

ایک چشمک، دو صد سنان مژہ
اس نکیلے کا بانکپن دیکھا
کیا ہے گلشن میں جو قفس میں نہیں
عاشقوں کو جلا وطن دیکھا
حسرت اس کي جگھہ تھی خوابیدہ
"میر" کا کھول کر کفن دیکھا

جہاں کوفتنے سے خالي کبھو نہیں پایا
ہمارے وقت میں تو آفت زمانہ ہوا
خلش نہیں کسو خواہش کي رات سے شاید
سر شک یاس کے پردے میں دل روانہ ہوا
کھلا نشے میں جو پگڑي کا پیچ اس کے "میر"
سمند ناز پہ اک اور تازیانہ ہوا

قاصد جو واں سے آیا تو شرمندہ میں ہوا
بے چارہ گریہ ناک گریباں دریدہ تھا
مت پوچھ کس طرح سے کٹی رات ہجر کي
ہر نالہ مري جان کو تیغ کشیدہ تھا
دل بے قرار گریۂ خو نیں تھا رات "میر"
آیا نظر تو بسمل در خوں طپیدہ تھا

دل بے رحم گیا شیخ لئے زیر زمیں
مر گیا پر یہ کہن گبر مسلماں نہ ہوا

شکر صد شکر کہ میں ذلت و خواری کے سبب
کسی عنوان سے ہم چشم عزیزاں نہ ہوا

سنگ مجھے بہ جاں قبول اس کے عوض ہزار بار
تابہ‌کجا یہ اضطراب دل نہ ہوا ستم ہوا

کس کی ہوا، کہاں کا گل، ہم تو قفس میں ہیں اسیر
سیر چمن کی روز و شب تجھ کو مبارک اے صبا

دامن میں آج دیکھا پھر لخت میں لے آیا
ٹکڑا کوئی جگر کا پلکوں میں رہ گیا تھا

روتی ہے شمع اتنا ہر شب کہ کچھ نہ پوچھو
میں سوز دل کو اپنے مجلس میں کیوں کہا تھا

قطعہ

سر مار کر ہوا تھا میں خاک اس گلی میں
سینے پہ مجھ کو اس کا مذکور نقش پا تھا
سو بخت تیرہ سے ہوں پا مالئی صبا میں
اس دن کے واسطے میں کیا خاک میں ملا تھا

کہاں آتے میسر تجھ سے مجھ، کو خود نما اتنے
ہوا یوں اتفاق آئینہ تیرے رو بہ رو ٹوٹا

وہ بےکس کیا کرے، کہہ تو رہے دل ہي کي دل ہي میں
نپٹ بے جا ترا دل ''میر'' سے اے آرزو! ٹوٹا

آنکھوں میں جی مرا ہے ادھر یار دیکھنا
عاشق کا اپنے آخري دیدار دیکھنا

کیسا چمن کہ ہم سے اسیروں کو منع ہے
چاک قفس سے باغ کی دیوار دیکھنا

صیاد! دل ہے داغ جدائی سے رشک باغ
تجھ کو بھي ہو نصیب، یہ گلزار دیکھنا

گر زمزمہ یہي ہے کوئي دن، تو ہم صفیر
اس فصل ہي میں ہم کو گرفتار دیکھنا

آنکھیں چرائیو نہ تک ابر بہار سے
میری طرف بھي دیدۂ خوں‌بار دیکھنا

قدم تک دیکھ کر رکھ ''میر'' سر دل سے نکالے گا
پلک سے شوخ تر کانٹا ہے صحرائے محبت کا

میں وہ رونے والا جہاں سے چلا ہوں
جسے ابر ہر سال روتا رہے گا

تو یوں گالیاں غیر کو شوق سے دے
ہمیں کچھ کہے گا تو ہوتا رہے گا

مجھے کام رونے سے اکثر ہے ناصح
تو کب تک مرے منھ کو دھوتا رہے گا
بس اے "میر" مژگاں سے پوچھ آنسوؤں کو
تو کب تک یہ موتی پرو تا رہے گا

گئي تسبیح اس کی نزع میں کب "میر" کے دل سے
اُسي کے نام کی سمرن تھی جب منکا ڈھلکتا تھا

دل عشق کا ہمیشہ حریف نبرد تھا
اب جس جگہہ کہ داغ ہے یاں آگے درد تھا
مانند حرف صفحۂ ہستي سے اٹھ گیا
دل بھی مرا جریدۂ عالم میں فرد تھا
تھا پشتہ ریگ باد یہ اک وقت کا رواں
یہ گرد باد کوئي بیاباں نورد تھا
دل کي شکستگی نے ڈرائے رکھا ہمیں
واں چیں جبیں پہ آئي کہ یاں رنگ زرد تھا
اک گرد راہ تھا پئے محمل تمام راہ
کس کا غبار تھا کہ یہ دنبالہ گرد تھا
عاشق ہیں ہم تو "میر" کے بھي ضبط عشق کے
دل جل گیا تھا اور نفس لب سرد تھا

مغاں! مجھ مست بن' پھر خندۂ ساغر نہ ہووے گا
مئے گل‌گوں کا شیشہ ہچکیاں لے لے کے رووے گا

کوئي رهتا هے جیتے جي ترے کوچے کے آنے سے
تبھي آسودہ هو گا "میر" ساجب جی کو کھووے گا

گئے قیدي هو، هم‌آواز جب صیاد آتوتا
یہ ویراں آشیانہ دیکھنے کو ایک میں چھوتا

یاں بلبل اور گل پہ تو عبرت سے آنکھ کھول
گل گشت سرسري نہیں اس گلستان کا
گل، یاد گارچہرۂ خوبانِ بے خبر
مرغ چمن، نشاں هے کسو خوش بیان کا

نقش بیٹھے هے کہاں خواهش آزادي کا
تنگ هے نام رهائی تیرے صیادي کا

تیرے کوچے کے رهنے والوں نے یہیں سے کعبے کو سلام کیا
عشق خوباں کو "میر" میں اپنا قبلہ و کعبہ و امام کیا

خوبی کو اس کے چہرے، کي کیا پہونچے آفتاب
هے اِس میں اُس میں فرق زمیں آسمان کا

تو برسوں میں کہیے ہے ملوں گا میں "میر" سے
یاں کچھ کا کچھ ہے حال ابھی اس جوان کا

عطر آگیں ہے باد صبح مگر
کھل گیا پیچ زلف خوش بو

کل شام سے اٹھا تھا مرے دل میں درد سا
سو ہو چلا ہوں بیشتر از صبح سرد سا
قصد طریق عشق کیا سب نے بعد قیس
لیکن ہوا نہ ایک بھي اس رہ نورد سا
کیا "میر" ہے یہی جو ترے درپہ تھا کھڑا
غم ناک چشم و خشک لب و رنگ زرد سا

ترے عشق میں، آگے سودا ہوا تھا
پر اتنا بھی ظالم نہ رسوا ہوا تھا
خزاں التفات اس پہ کرتي بجا تھی
یہ غنچہ‌چمن میں ابھي وا ہوا تھا
زہے طالع اے "میر" ان نے یہ پوچھا
کہاں تھا تو اب تک، تجھے کیا ہوا تھا

ترے کوچے میں مری خاک بہي پامال ہوئي
تھا وہ بے درد مجھے جن نے وفا کو سونپا

اب تو جاتا هي هے کعبے کو تو بت خانے سے
جلد پھر پہونچیو اے "میر" خدا کو سونپا

گلہ نہیں هے همیں اپني جاں گدازي کا
جگر پہ زخم هے اس کي زباں درازي کا
خدا کو کام تو سونپے هیں میں نے سب لیکن
رهے هے خوف مجھے واں کی بے نیازي کا
کسو کي بات نے آگے مرے نہ پایا رنگ
دلوں میں نقش هے میرے هی رنگ سازي کا
بسان خاک هو پامال راہ خلق اے "میر"
رکھے هے دل میں اگر قصد سرفرازي کا

سینہ دشنوں سے چاک تا نہ ہوا
دل جو عقدہ تھا سخت وا نہ ہوا
سب گئے هوش و صبر و تاب و تواں
دل سے اِک داغ هی جدا نہ هوا
هم تو ناکام هی جہاں میں رهے
یاں کبھو اپنا مدعا نہ هوا
"میر" افسوس وہ کہ جو کوئی
اس کے دروازے کا گدا نہ هوا

آہ سحر نے سوزش دل کو مٹا دیا
اس باد نے همیں تو دیا سا بجھا دیا

تھي لاگ اس کي تيغ کو هم سے سو عشق نے
دونوں کو معرکے میں گلے سے ملا دیا
آوارگان عشق کا پوچھا جو میں نشاں
مشت غبـار لے کے صبـا نے اڑا دیا
هم نے تو سادگی سے کیا جي کا بھی زیاں
دل جو دیا تھا سو تو دیا سر جدا دیا
کیا کچھہ نہ تھا ازل میں جو طالع تھے نادرست
هـم کـو دل شکستہ ' قضا نے دلا دیا
تکلیف درد دل کي عبث هم نشیں نے کي
درد سخن نے "میر" سبھوں کو رلا دیا

هرذي حیات کا تو سبب هے حیات کا
نکلے هے جي هي اس کے لیے کائنات کا
اُس کے فروغ حسن سے چمکے هے سب میں نور
شمع حرم هو یا کہ دیا سومنات کا
هم مذهبوں میں صرف کرم سے هے گفتگو
مذکور ' ذکـر یاں نہیں صوم و صلوات کا
کیا "میر" تجھہ کو نامہ سیاهي کی فکر هے
ختم رسل سا شخص هے ضامن نجات کا

جلوہ نہیں هے نظم میں حسن قبول کا
دیواں میں شعر گر نہیں نعت رسول کا

لذت سے نہیں خالی جانوں کا کھپا جانا
کب خضر و مسیحا نے مرنے کا مزا جانا

کب بندگی میری سی بندہ کرے گا کوئی
جانے ہے خدا اس کو میں تجھ کو خدا جانا

اس شوخ کی مجلس میں ' جانا ہمیں' پھرواں سے
اک زخم زباں تازہ ' ہر روز اٹھا جانا

پائے خطاب کیا کیا دیکھے عتاب کیا کیا
دل کو لگا کے ہم نے کھینچے عذاب کیا کیا

پھر پھر گیا ہے آ کر منھ تک جگر ہمارے
گذرے ہیں جان و دل پر یاں اضطراب کیا کیا

دامن وسیع تھا تو کاہے کو چشم ترسا
رحمت خدا کی تجھ کو' اے ابر زور برسا

وحشی مزاج از بس مایوس بادیہ ہیں
اِن کے جلوں میں جنگل اپنا ہوا ہے گھر سا

انداز سے ہے پیدا سب کچھ خبر ہے اس کو
گو " میر " بے سروپا ظاہر ہے بے خبر سا

تیغ ستم سے اس کے مرا سر جدا ہوا
شکر خدا کہ حق محبت ادا ہوا

قاصد کو دے کے خط نہیں کچھ بھیجنا ضرور
جاتا ہے اب تو جی ہی ہمارا چلا ہوا

وہ تو نہیں کہ اشک تھمے ہی نہ آنکھ سے
نکلے ہے کوئی لخت دل اب سو جلا ہوا
بدتر ہے زیست مرگ سے ہجران یار میں
بیمار دل بھلا نہ ہوا تو بھلا ہوا
اس کے گئے پہ دل کی خرابی نہ پوچھئے
جیسے کسو کا کوئی نگر ہو لٹا ہوا

تم نے ہمیشہ جور و ستم بے سبب کیے
اپنا ہی ظرف تھا جو نہ پوچھا سبب ہے کیا

اب بھی دماغ رفتہ ہمارا ہے عرش پر
گو آسماں نے خاک میں ہم کو ملا دیا
تقصیر جان دینے میں ہم نے کبھو نہ کی
جب تیغ وہ بلند ہوئی سر جھکا دیا
کیا کیا زیان ''مہر'' نے کھینچے ہیں عشق میں
دل ہاتھ سے دیا ہے جدا، سر جدا دیا

بہتوں کو آگے تھا یہی آزار عشق کا
جیتا رہا ہے کوئی بھی بیمار عشق کا
زندانی سیکڑوں مرے آگے رہا ہوئے
چھوٹا نہ میں ہی، تھا جو گنہ گار عشق کا

منصور نے جو سر کو کٹایا تو کیا ہوا
ہر سر کہیں ہوا ہے سزاوار عشق کا

ستم سے گو ترے یہ کشتۂ وفا نہ رہا
رہے جہان میں تو، دیر میں رہا نہ رہا
موئے تو ہم، پہ دلِ پر کو خوب خالی کر
ہزار شکر کسو سے ہمیں گلا نہ رہا
ادھر کھلی مری چھاتی ادھر نمک چھڑکا
جراحت اس کو دکھانے کا اب مزا نہ رہا
حمیت اِس کے تئیں کہتے ہیں جو ''میر'' میں تھی
گیا جہاں سے یہ تیری گلی میں آنہ رہا

کرتے ہی نہیں ترک، بتاں طور جفا کا
شاید ہمیں دکھلائیں گے دیدار خدا کا
آنکھ اس کی نہیں آئینے کے سامنے ہوتی
حیرت زدہ ہوں یار کی میں شرم و حیا کا

رہتا ہے ہڈیوں سے مری جو ہما لگا
کچھ دردِ عاشقی کا اسے بھی مزا لگا

آنکھ اس سے نہیں اٹھنے کي صاحب نظروں کی
جس خاک پہ ہوگا اثر اس کی کف پا کا

وقت تب تک تھا تو سجدہ مسجدوں میں کفر تھا
فائدہ اب ' جب کہ قد محراب سا خم ہوگیا
کیا کہوں کیا طرحیں بدلیں چاہ نے آخر کو '' میر ''
تھا گرہ جو درد چھاتی میں سو اب غم ہوگیا

پہونچے ہے کوئی اُس تن نازک کے لطف کو
گل ' گو چمن میں جامے سے اپنے نکل پڑا

شاید جگر گداختہ یک لخت ہوگیا
کچھ آب دیدہ رات سے خوں ناب سا ہوا
سمجھے تھے ہم تو '' میر '' کو عاشق اُسی گھڑي
جب سن کے تیرا نام وہ بے تاب سا ہوا

دیکھ آرسی کو یار ہوا محو ' ناز کا
خانہ خراب ہو جیو آئینہ ساز کا
ہم تو سمند ناز کے پامال ہو چکے
اس کو وھي ھے شوق ابھي ترک تاز کا
اس لطف سے نہ غنچہ نرگس کھلا کبھي
کھلنا تو دیکھ اس مژۂ نیم‌باز کا
کوتاہ تھا فسانہ جو مرجاتے ہم شتاب
جي پر وبال سب ھے یہ عمر دراز کا
ھے کیمیاگران محبت میں قدر خاک
پر و قر کچھ نہیں ھے دلِ بے گداز کا

مارا نہ اپنے ہاتھہ سے مجھہ کو ہزار حیف
کشتہ ہوں یار میں تو ترے امتیاز کا
ہلتی ہے یوں پلک کہ گڑي دل میں جائے ہے
انداز دیدنی ہے مرے دل نواز کا
پھر ''میر'' آج مسجد جامع کے تھے امام
داغ شراب دھوتے تھے کل جانماز کا

غم ابھي کیا محشر مشہور کا
شور سا ہے تو و لیکن دور کا
حق تو سبب کچھ ہی ہے تو ناحق نہ بول
بات کہتے سر کتا منصور کا
طرفہ آتش خیز سنگستاں ہے دل
مقتبس یاں سے ہے شعلہ طور کا
چشم بہنے سے کبھو رہتي نہیں
کچھ علاج اے ''میر'' اس ناسور کا

نظر میں طور رکھ اس کم نما کا
بھروسا کیا ہے عمر بے وفا کا
گلوں کے پیرہن ہیں چاک سارے
کھلا تھا کیا کہیں بند اُس قبا کا
پرستش اب اِسی بت کي ہے ہر سو
رہا ہوگا کوئي بندہ خدا کا

کہیں اس زلف سے کیا لگ چلی ہے
بِگڑے ہے پاؤں بےڈھب کچھ صبا کا

ہوئے آخر کو سارے کام ضایع نا شکیبی سے
کوئی دن اور تاب ہجر دل لاتا تو کیا ہوتا

میں غش کیا جو خط لے اُدھر نامہ بر چلا
یعنی کہ فرط شوق سے جی بھی ادھر چلا
یہ چھیڑ دیکھ ہنس کے رخ زرد پر مرے
کہتا ہے "میر" رنگ تو اب کچھ نکھر چلا

کیا لطف ہے جئے جو برے حال کوئی "میر"
جینے سے تونے ہاتھ اٹھایا بھلا کیا

اِس موج خیز دہر میں تو ہے حباب سا
آنکھیں کھلیں تری تو یہ عالم ہے خواب سا
اک آن اِس زمانے میں یہ دل نہ وا ہوا
کیا جانئے کہ "میر" زمانے کو کیا ہوا

از خویش رفتہ میں ہی نہیں اس کی راہ میں
آتا نہیں ہے پھر کے ادھر کا گیا ہوا

یوں پھر اٹھا نہ جائےگا اے ابر دشت سے
گر کوئی رونے بیٹھ گیا دل بھرا ہوا
دامن سے منھ چھپائے جنوں کب رہا چھپا
سوجا سے سامنے ہے گریباں پھٹا ہوا
دیکھا نہ ایک گل کو بھی چشمک زنی میں ہاے
جب کچھ رہا نہ باغ میں تب میں، رہا ہوا

نہ صبر ہے، نہ ہوش ہے، نہ عقل ہے نہ دین
آتا ہے اُس کے پاس سے عاشق لٹا ہوا

نیمچہ ہاتھ میں، مستي سے لہو سي آنکھیں
سج تري دیکھ کے اے شوخ! حذر ہم نے کیا
کیا کیا ناخن سر تیز جگر دل دونوں
رات کے سینہ خراشی میں ہنر ہم نے کیا
جیسے حسرت لئے جاتا ہے جہاں سے کوئی
آہ یوں کوچۂ دلبر سے سفر ہم نے کیا

ہو خرابي اور آبادی کي عاقل کو تمیز
ہم دوانے ہیں ہمیں ویران کیا معمور کیا

شب میکدے سے وارد مسجد ہوا تھا میں
پر شکر ہے کہ صبح تئیں بے خبر رہا
رہتے تو تھے مکان پہ ولے آپ میں نہ تھے
اس بن ہمیں ہمیشہ وطن میں سفر رہا

اب چھیڑ یہ رکھی ہے کہ پوچھے ہے بار بار
کچھہ وجھ بھی کہ آپ کا منھہ ہے اتر رھا
اکدم میں یہ عجب کہ مرے سر پہ پھر گیا
جو آب تیغ برسوں ترے تا کمر رھا
کاھے کو میں نے "میر" کو چھیڑا کہ اُن نے آج
یہ درد دل کہا کہ مجھے درد سر رھا

ٹک جوش سا اٹھا تھا مرے دل سے رات کو
دیکھا تو ایک پل ھی میں دریا سا ھوگیا
جلوہ ترا تھا جب تئیں باغ و بہار تھا
اب دل کو دیکھتے ھیں تو صحرا سا ھوگیا
کل تک تو ھم وے ھنستے چلے آئے تھے یہیں
مرنا بھی "میر" جی کا تماشا سا ھوگیا

عشق کی سوزش نے دل میں کچھہ نچھوڑا کیا کہیں
لگ اٹھی یہ آگ نا گاھے کہ گھر سب پھک گیا
ھم نہ کہتے تھے کہ غافل خاک ھو پیش از فنا
دیکھہ اب پیری میں قد تیرا کدھر کو جھک گیا

پھرنا ھے زندگی کے لیے آہ خوار کیا
اس وھم کی نمود کا ھے اعتبار کیا
سرکش کسو سے ایسی کدورت رکھے وہ شوخ
ھم اس کی خاک راہ ھیں ھم سے غبار کیا

غنچہ ہی وہ دہان ہے گویا ہونٹھ پر رنگ پان ہے گویا
مسجد ایسی بھری بھری کب ہے میکدہ اِک جہان ہے گویا
بسکہ ہیں اس غزل میں شعر بلند یہ زمین آسمان ہے گویا
وہی شور مزاج شیب میں ہے "میر" اب تک جوان ہے گویا

تیشے سے کوہکن کے کیا طرفہ کام نکلا
اپنے تو ناخنوں میں اس طور کا ہنر تھا
ہوش اُڑ گئے سبھونکے شور سحر سے اس کے
مرغ چمن اگرچہ اِک مشت بال و پر تھا

تڑپے زیر تیغ ہم بے ڈول آہ
دامن پاک اس کا خوں میں بھر گیا

جی رک گئے اے ہمدم دل خون ہو بھر آیا
اب ضبط کریں کب تک منھ تک تو جگر آیا
تھی چشم دم آخر وہ دیکھنے آوے گا
سو آنکھوں میں جی آیا پر وہ نہ نظر آیا
برخستہ ترا خواہاں اِک زخم دگر کا تھا
کی مشق ستم تونے پر خون نہ کر آیا
درہی کے تئیں تکتے پتھرا گئیں آنکھیں تو
وہ ظالم سنگیں دل کب "میر" کے گھر آیا

یار ہے "میر" کا مگر گل سا
کہ سحر نالہ کش ہے بلبل سا

دود دل کو ہمارے ٹک دیکھو
یہ بھی پر پیچ اب ہے کاکُل سا

اک نگہ، ایک چشمک، ایک سخن
اس میں بھی تم کو ہے تامل سا

ٹوٹی زنجیر پائے "میر" مگر
رات سنتے رہے ہیں ہم، غل سا

تمہارے ترکش مژگاں کی کیا کروں تعریف
جو تیر اُس سے چلا سو جگر کے پار ہوا

ہماری خاک پہ اک بیکسی برستی ہے
ادھر سے ابر جب آیا تب اشکبار ہوا

ایک دل کو ہزار داغ لگا   اندرونی میں جیسے باغ لگا
"میر" اس بے نشاں کو پایا جان   کچھ ہمارا اگر سراغ لگا

دست و پا گم کرنے سے میرے کھلے اسرار حق
دیکھ کر کھویا گیا سا مجھ کو ہر اک پا گیا

داغ محجوبی ہوں اس کا میں کہ میرے روبرو
عکس اپنا آرسی میں دیکھ کر شرما گیا

ہم بشر عاجز ثبات پا ہمارا کس قدر
دیکھ کر اس کو ملک سے بھی نہ یاں ٹھہرا گیا

کیا کروں ناچار ہوں مرنے کو اب تیار ہوں
دل کي روز و شب کی بے تابي سے جی گھبرا گیا

اک بار بھی آنکھ اپني اس پر نہ پڑی مرتے
سو مرتبہ بالیں سے ہم سر کو اُتھا دیکھا
جي دیتے ہیں مرنے پر سب شہر محبت میں
کچھ ساري خدائی سے یہ طور نیا دیکھا

نا گہہ جو وہ صنم ستم ایجاد آ گیا
دیکھے سے طور اس کے، خدا یاد آگیا
اپنا بھی قصد تھا سر دیوار باغ کا
توڑا ھي تھا قفس کو کہ صیاد آگیا

گرم مجھ سوختہ کے پاس سے جانا کیا تھا
آگ لینے مگر آئے تھے یہ آنا کیا تھا
دیکھنے آئے دم نزع لئے منھ پہ نقاب
آخري وقت مرے، منھ کا چھپانا کیا تھا

تھا جگر میں جب تلک قطرہ ھی تھا خوں کا سرشک
اب جو آنکھوں سے تجاوز کرچلا طوفاں ھوا
جی سے جانا بن گیا اُس بن ھمیں پل مارتے
کام تو مشکل نظر آتا تھا، پھر آساں ھوا

تم جو کل اس راہ نکلے برق سے ھلستے گئے
ابر کو دیکھو کہ جب آیا ادھر گریاں ھوا
جب سے ناموس جنوں گردن بندھا ھے تب سے "مہر"
حبیب جاں وابستۂ زنجیر تا داماں ھوا

مجنوں نے حوصلے سے دیوانگی نہیں کی
جاگہہ سے اپنی جانا اپنا نہیں وطیرا
غیرت سے "میر" صاحب سب جذب ھو گئے تھے
نکلا نہ بوند لوھو سینہ جوان کا چیرا

طالع پھرے سپہر پھرا ' قلب پھر گئے
چندے وہ رشک ماہ جو ھم سے جدا پھرا
آنسو گرا نہ راز محبت کا پاس کر
میں جیسے ابر برسوں تمھوں دل بھرا بھرا
بندہ ھے پھر کہاں کا جو صاحب ھو بے دماغ
اس سے خدائی پھرتی ھے جس سے خدا پھرا

جانا اس آرام گہہ سے ھے بعینہ بس یہی
جیسے سوتے سوتے ایدھر سے اُدھر پہلو کیا
کام میں قدرت کے کچھ بولا نہیں جاتا ھے ھاے
خوبرو اس کو کیا لیکن بہت بد خو کیا

پھول نرگس کا لئے بھوچک کھڑا تھا راہ میں
کس کی چشم پر فسوں نے "میر" کو جادو کیا

عاشق ترے لاکھوں ہوئے ، مجھ سا نہ پھر پیدا ہوا
تجھ پر کوئی اے کام جاں! دیکھا نہ یوں مرتا ہوا
مدت ہوئی اُلفت گئی ، برسوں ہوئے طاقت گئی
دل مضطرب ایسا نہ تھا کیا جانئے اب کیا ہوا
وے دن گئے جو ، یاں کبھو اُٹھتا تھا دل سے جوش سا
اب لگ گئے ، رونے جہاں پل مارتے دریا ہوا
مستی میں لغزش ہوگئی معذور رکھا چاہیے
اے اہل مسجد! اس طرف آیا ہوں میں بہکا ہوا
جوں حسن ہے اِک فتنہ گرتوں عشق بھی ہے پر دہ در
وہ شہرۂ عالم ہوا میں خلق میں رسوا ہوا

تمام روز ، جو کل میں پئے شراب پھرا
بسان جام لئے دیدۂ پرآب پھرا

وہ رشک گنج ہی نایاب تھا بہت ورنہ
خرابہ کون تھا جس میں نہ میں خراب پھرا
کہیں ٹھہرنے کی جایاں نہ دیکھی میں نے "میر"
چمن میں عالم امکاں کے جیسے آب پھرا

اُڑتی ہے خاک یارب شام و سحر ' جہاں میں
کس کے غبار دل سے یہ خاک داں بنایا
اس صحن پر یہ وسعت ! اللہ رے تیری صنعت
معمار نے قضا کے دل کیا مکاں ' بنایا

کہتے نہ تھے کہ صاحب ! اتنا کڑھا نہ کرئے
اس غم نے " میر " تم کو جی سے ندان مارا

یہ " میر " ستم کشتہ کسو وقت جواں تھا
انداز سخن کا ' سببِ شور و فغاں تھا
واقف تھے ہم احوال دل خستہ سے اپنے
وہ گنج اسی کنج خرابی میں نہاں تھا
کس مرتبہ تھی حسرت دیدار مرے ساتھ
جو پھول مری خاک سے نکلا ' نگراں تھا
مجنوں کو عبث دعویٰ وحشت ہے مجھی سے
جس دن کہ جنوں مجھ کو ہوا تھا وہ کہاں تھا

عشق کو بیچ میں یارب تو نہ لایا ہوتا
یا تن آدمی میں دل نہ بنایا ہوتا
عزت اسلام کی کچھ رکھ لی خدا نے ورنہ
زلف نے تیری تو زنار بندھایا ہوتا

دل سے خوش طرح مکاں پھر بھی کہیں بنتے ہیں
اس عمارت کو تک اک دیکھ کے ڈھایا ہوتا

کیا کہوں بےتابئی شب سے کہ ناچار اس بغیر
دل مرے سینے میں دودو ہاتھ اُچھل کر رہ گیا

طریق خوب ہے آپس میں آشنائی کا
نہ پیش آوے اگر مرحلہ جدائی کا
یہیں ہیں دیرو حرم اب تو یہ حقیقت ہے
دماغ کس کو ہے ہر در کی جبہ سائی کا
کسو پہاڑ میں جوں کوہ کن سر اب ماریں
خیال ہم کو بھی ہے بخت آزمائی کا
رکھا ہے باز ہمیں در بدر کے پھرنے سے
سروں پہ اپنے ہے احساں شکستہ پائی کا
ملا کہیں تو دکھا دیں گے عشق کا جنگل
بہت ہی خضر کو غرہ ہے رہنمائی کا

آنسو تو ڈر سے پی گئے لیکن وہ قطرہ آب
اک آگ تن بدن میں ہمارے لگا گیا

بےخودی لے گئی کہاں ہم کو دیر سے انتظار ہے اپنا
روتے پھرتے ہیں ساری ساری رات اب یہی روزگار ہے اپنا

دے کے دل ہم جو ہوگئے مجبور — اس میں کیا اختیار ہے اپنا

ہو گوشہ‌گیر، شہرت مد نظر اگر ہے
عنقا کی طرح اپنا عزلت سے نام نکلا
کیوں کر نہ مر رہے جو بے تاب "میر" سا ہو
اک آدھ دن تو گھر سے دل تھام تھام نکلا

کیا کہیں کچھ کہا نہیں جاتا
اب تو چپ بھی رہا نہیں جاتا
کب ترے رہ میں "میر" گرد آلود
لو ہو میں آہ نہا نہیں جاتا

کچھ عشق و ہوس میں فرق کرلے — کیدھر ہے وہ امتیاز تیرا
کہتے نہ تھے "میر" مت کڑھا کر — دل ہو نہ گیا گداز تیرا

نام اس کا سن کے آنسو گر ہی پڑے پلک سے
دل کا لگاؤ یارو چھپتا نہیں چھپایا
رہتی تھی بے دماغی اک شور ما ومن میں
آنکھوں کے مند گئے پر آرام سا تو پایا

منہ تکا ہی کرے ہے جس تس کا
حیرتی ہے یہ آئنہ کس کا

شام سے کچھ بجھا سا رہتا ہے
دل ہوا ہے چراغ مفلس کا
داغ آنکھوں سے کھل رہے ہیں سب
ہاتھ دستہ ہوا ہے نرگس کا
فیض اے ابر! چشم تر سے اٹھا
آج دامن وسیع ہے اس کا
تاب کس کو جو حال "میر" سنے
حال ہی اور کچھ ہے مجلس کا

تحمل نہ تھا جس کو تک سو وہ میں
ستم کیسے کیسے اُٹھانے لگا

آنسو مری آنکھوں میں ہر دم جو نہ آ جاتا
تو کام مرا اچھا پردے میں چلا جاتا
صد شکر کہ داغ دل، افسردہ ہوا ورنہ
یہ شعلہ بھڑکتا تو گھر بار جلا جاتا
کہتے تو ہو یوں کہتے یوں کہتے جو وہ آتا
یہ کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا

جو کچھ نظر پڑی ہے حقیقت میں کچھ نہیں
عالم میں خوب دیکھو تو عالم ہے خواب کا
شاید کہ قلب یار بھی تک اس طرف پھرے
میں منتظر زمانے کے ہوں انقلاب کا

رو، فرصت جواني په جوں ابر بے خبر
انداز برق کا سا هے عهد شباب کا
لایق تھا دیکھنے هي کے مصراع قدیار
میں معتقد هوں "میر" ترے انتخاب کا

کیا کوئي زیر فلک اونچا کرے فرق غرور
ایک پتھر حادثے کا آ لگا سر پھر گیا
بعد مدت اس طرف لایا تھا اس کو جذب عشق
بخت کی برگشتگي سے آتے آتے پھر گیا
سخت هم کو "میر" کے مر جانے کا افسوس هے
تم نے دل پتھر کیا وه جان سے آخر گیا

طاقت سے میرے دل کی خبر تجھ کو کیا نه تھی
ظالم نگاه چشم ادھر کي، غضب کیا

لڑگئیں آنکھیں اٹھائی دل نے چوٹ
یه تماشائي عبث گھائل هوا
ایک تھے، هم ویسے نه هوتے هست اگر
اپنا هونا بیچ میں حائل هوا
"میر" هم کس ذیل میں، دیکھ اُس کي آنکھ
هوش اهل قدس کا زائل هوا

کوئی فقیر، یہ اے کاشکے دعا کرتا
کہ مجھ کو اس کی گلی کا خدا گدا کرتا
ترے مزاج میں تاب و تعب تھی " میر " کہاں
کسو سے عشق نہ کرتا تو تو بھلا کرتا

بندھا رات آنسو کا کچھ تار سا
ہوا ابر رحمت گنہگار سا
کوئی سادہ هي اس کو سادہ کہے
لگے ہے ہمیں وہ تو عیار سا
محبت ہے یا کوئی جي کا ہے روگ
سدا میں تو رہتا هوں بیمار سا
جو ایسا هي تم هم کو سمجھو هو سہل
ہمیں بھي یہ جینا ہے دشوار سا
مگر آنکھ تیري بھي چپکے کہیں
ٹپکتا ہے چتون سے کچھ پیار سا
چمن ہوے جو انجمن تجھ سے واں
لگے آنکھ میں سب کی، گل خار سا
کھڑے منتظر ضعف جو آگیا
گرا اس کے در پر میں دیوار سا
دکھاؤں متاع وفا کب اُسے
لگاوان تو رہتا ہے بازار سا

وائے احوال اس جفاکش کا
عاشق اپنا جسے وہ جان گیا

داغ حرماں ہے خاک میں بھی ساتھ
جی گیا پر نہ یہ نشان گیا

پہونچایا مجھ کو عجز نے مقصود دل کے تئیں
یعنی کہ اس کے در ہی پہ میں ناتواں گرا

آتے ہی آتے تیرے یہ ناکام ہو چکا
واں کام ہی رہا تجھے' یاں کام ہو چکا
موسم گیا وہ ترک محبت کا ناصحا
میں اب تو خاص و عام میں بد نام ہو چکا
یا خط چلے ہی آتے تھے یا حرف ہی نہیں
شاید کہ سادگی کا وہ ہنگام ہو چکا
تڑپے ہے جب کہ سینے میں اُچھلے ہے دو دو ہاتھ
گر دل یہی ہے "میر" تو آرام ہو چکا

کی بلبل اور گل کی جو صحبت کی سیر "میر"
دل اپنا دلبروں کی طرف سے اُچٹ گیا

سینے میں شوق "میر" کے سب درد ہو گیا
دل پر رکھا تھا ہاتھ سو منھ زرد ہو گیا

کیا تو ؟ نمود کس کی ؟ کیا ہے کمال تیرا
اے نقش وہم آیا کیدھر خیال تیرا
پہلا قدم ہے انساں ! پامال مرگ ہونا
کیا جانے رفتہ رفتہ کیا ہو مآل تیرا
تفصیل حال میری تھی باعث کدورت
سو جی کو خوش نہ آیا ہرگز ملال تیرا
کچھ زرد زرد چہرہ کچھ لاغری بدن میں
کیا عشق میں ہوا ہے اے " میر " حال تیرا

خدا جانے ہمیں اس بے خودی نے کس طرف پھینکا
کہ مدت ہوگئی ہم کھینچتے ہیں انتظار اپنا
اگرچہ خاک اڑائی دیدۂ تر نے بیاباں کی
ولے نکلا نہ خاطر خواہ رونے سے غبار اپنا
دل بے تاب وبےطاقت سے کچھ چلتا نہیں ورنہ
کھڑا بھی واں نہ جاکر ہوں اگر ہو اختیار اپنا

" میر " بھی دیر کے لوگوں ہی کی سی کہنے لگا
کچھ خدا لگتی بھی کہتا جو مسلماں ہوتا

شکست دل عشق کی جان کیا
نظر پھیری تونے تو وہ مر گیا
بہت رفتہ رہتے ہو تم اس کے اب
مزاج آپ کا " میر " کیدھر گیا

کیا ہے جو راہ دل کي ' طے کرتے مر گئے ہم
جوں نقش پا ہمارا تا دیر اثر رہے گا

پند گو مشفق عبث میرا نصیحت گر ہوا
سختیاں جو میں بہت کھینچیں سو دل پتھر ہوا
کب کھپا جاتا تھا یوں آنکھوں میں جیسا صبح تھا
پھول خوش رنگ اور اُس کے فرش پر بچھ کر ہوا

کبھي تو دیر میں ہوں میں کبھو ہوں کعبے میں
کہاں کہاں لئے پھرتا ہے شوق اس در کا
بتا کے کعبے کا رستا اسے بھلاؤں راہ
نشاں جو پوچھے کوئي مجھ سے یار کے گھر کا

"میر" کے ہوش کے ہیں ہم عاشق
فصل گل جب تلک تھی ' مست رہا

گئي نیند ' شیون سے بلبل کے رات
کہیں دل ہمارا گرفتار تھا
قد یار کے آگے سرو چمن
کھڑا دور جیسے گنہ گار تھا

سب گئے ہوش و صبر و تاب و تواں
دل سے اک داغ ہی جدا نہ ہوا

اندوہ و غم کے جوش سے دل رک کے خوں ہوا
اب کی مجھے بہار سے آگے جنوں ہوا

دیکھا پلک اُٹھا کے تو پایا نہ کچھ اثر
اے عمر برق ! جلوہ گئے تو شتاب کیا

جادو کرتے ہیں اک نگاہ کے بیچ
ہائے رے چشم دلبراں کی ادا
دل چلے جاے ہیں خرام کے ساتھ
دیکھی چلنے کی دلبراں کی ادا
خاک میں مل کے "میر" ہم سمجھے
بے ادائی تھی آسماں کی ادا

میں تو افسردہ ہر چمن میں پھرا
غنچۂ دل مرا کہیں نہ کھلا

وہ روئے خوب اب کی، ہرگز گیا نہ دل سے
جب گل کھلا چمن میں تب داغ ہم نے کھایا

آنکھیں کھلیں تو دیکھا جو کچھ نہ دیکھنا تھا
خواب عدم سے ہم کو کاہے کے تئیں جگایا

ترے غم کے ہیں خواہاں سب، نہ کہا غم
کسی کیا ہوئی جو اک میں نہ ہوں گا

"میر" کے نبض پہ رکھ ہاتھ لگا کہنے طبیب
آج کی رات یہ بیمار نہیں جینے کا

عشق سے دل پہ تازہ داغ جلا   اس سیہ خانے میں چراغ جلا

میرے مالک نے مرے حق میں یہ احسان کیا
خاک ناچیز تھا میں سو مجھے انسان کیا
ضبط تھا جب تئیں چاہت نہ ہوئی تھی ظاہر
اشک نے بہ کے مرے چہرے پہ طوفان کیا
مجھکو شاعر نہ کہو "میر" کہ صاحب میں نے
درد غم کتنے کئے جمع تو دیوان کیا

دین و دل کے غم کو آساں ناتواں میں لے گیا
"یا محبت" کہ کے یہ بار گراں میں لے گیا
خاک و خوں میں لوٹ کر رہ جانے ہی کا لطف ہے
جان کو کیا جو سلامت نیم جاں میں لے گیا

ریختہ کا ہے کو تھا اس رتبہ عالی میں "مہر"
جو زمیں نکلی اُسے تا آسمان میں لے گیا

تھا نزع میں دست "مہر" دل پر   شاید غم کا بھی محل تھا

تک رہے ہیں اس کو سو ہم تک رہے ایک سے
دیدہ حیراں ہمارا دیدۂ بسمل ہے کیا
ہم تو سو سو بار مر رہتے ہیں ایک، ایک آن میں
عشق میں اس کے گذرنا جان سے مشکل ہے کیا

شکر خدا کہ سر نہ فرو لائے ہم کہیں
کیا جانیں سجدہ کہتے ہیں کس کو؟ سلام کیا؟

بعد دشنام تھی بوسے کی توقع بھی ولے
تلخ بلنے کے تئیں ہم نے گوارا نہ کیا

چال یہ کیا تھی کہ ایدھر اکو گذارانہ کیا
دور ہی دور پھرے پاس ہمارا نہ کیا
جی رہے ڈوبتے دریائے غم عشق میں ایک
بوالہوس کی سی طرح ہم نے کنارا نہ کیا

جلوے سے اس کے جل کے هوئے خاک، سنگ و خشت
بے تاب دل بهت هے یه کیا تاب لائے گا

اس کے دامن تلک نه پهونچا هاته
تها سر دست جیب چاک هوا
قد سے اس رشک خور کی گرمي سے
کچهه تو هے هم سے جو تپاک هوا

کیا حسن خوبان بد راه کا همیشه رهے نام الله کا
پشیماں هوا دوستي کرکے میں بهت مجهه کو ارمان تها چاه کا
اسیري کا دیتا هے مژده مجهے مرا زمزمه گاه و بیگاه کا

چشم سے خوں هزار نکلے گا
کوئي دل کا بخار نکلے گا
آندهیوں سے سیاه هو چرخ
دل کا تب کچهه غبار نکلے گا
ناز خورشید کب تلک کهینچیں
گهر سے کب اپنے، یار نکلے گا
عزلت "میر" عشق میں کب تک
هو کے بے اختیار نکلے گا

رقعه همیں جو آوے هے سو تیر میں بندها
کیا دیجئے جواب اجل کے پیام کا

صاحب ہو مار ڈالو مجھے تم و گر نہ کچھ
جز عاشقی گناہ نہیں ہے فلام کا

عمر آوارگی میں سب گذری کچھ ٹھکانا نہیں دل و جاں کا

راہ اس سے ہوئي خلق کو کس طور سے یارب
ہم کو کبھي ملنے کا تو اُس کے نہ ڈھب آیا
خوں ہوتي رہي دل ہي میں آزردگي میری
کس روز گلہ اس کا مرے تا بہ‌لب آیا
آئے ہوئے اُس کے تو ہوئي بے خودی طاري
وہ یاں سے گیا اُٹھ کے مجھے ہوش جب آیا

ہرآن تھي سر گوشي، یا بات نہیں گاھے
اوقات ہے اک یہ بھي، اک وہ بھي زمانہ تھا
جو تیر چلا اُس کا سو میری طرف آیا
اس عشق کے میداں میں، میں ھي تو نشانہ تھا

مت سہل ہمیں سمجھو پہونچے تھے بہم تب ہم
برسوں تئیں گردوں نے جب خاک کو چھانا تھا
کیا صورتیں بگڑی ہیں مشتاقوں کي ہجراں میں
اس چہرے کو اے خالق ایسا نہ بنانا تھا

اس زندگي سے مارے هي جانا بهلا تها " مير "
رحم ان نے ميرے حق ميں کيا ، کيا ستم کيا ؟

اب کي جو گل کي فصل ميں هم کو جنوں هوا
وہ دل کہ جس پہ اپنا بهروسا تها خوں هوا
تها شوق طوف تربت مجنوں مجهے بهت
اک گرد باد دشت مرا رهنموں هوا

گرم ملنا اُس گل نازک طبيعت سے نہ هو
چاندني ميں رات بيٹها تها سو مرجهانے لگا
چشمک اس مهہ کي سي دلکش ديد ميں آئي نهيں
گوشتارہ صبح کا بهي آنکه جهپکا نے لگا
کيونکر اس آئينہ روسے " مير " ملئے بے حجاب
وہ تو اپنے عکس سے بهي ديکهو شرمانے لگا

آنکه پڑتي تهي تمهاري منهہ پہ جب تک چين تها
کيا کيا تم نے کہ مجهہ بے تاب سے پردہ کيا
لوگ دل ديتے سنے تهے " مير " دے گذرا هے جي
ايک اپنے طور پر ان نے بهي اک سودا کيا

صد سخن آئے تهے لب تک پر نہ کهلنے پائے ايک
ناگهاں اس کي گلي سے اپنا جانا هو گيا

رھنے کے قابل تو ھرگز تھي نہ یہ عبرت سرائے
اتفاقاً اس طرف اپنا بھي آنا ھو گیا

ھو گئے ھم محبت کي بے شعوري سے اسیر
شیخ میں کچھ ھوش تھا میخانے سے جاتا رھا
''میر'' دیوانہ ھے اچھا، بات کیا سمجھے مری
یوں تو مجھ سے جب ملا میں اس کو سمجھاتا رھا

نہ پوچھو خوب ھے بد عھدیوں کی مشق اس کو
ھزار عھد کئے پر وھي تکلف تھا

گلی میں اس کی، میري رات کیا آرام سے گذری
یہی تھا سنگ بالیں، خاک تھی، بستر، جہاں میں تھا
غضب کچھ شور تھا سر میں بلا بے طاقتی جي میں
قیامت لحظہ لحظہ تھی مرے دل پر جہاں میں تھا

عاقلانہ حرف زن ھو ''میر'' تو کرئے بیاں
زیر لب کیا جانئے کہتا ھے کیا مجذوب سا

سرگذشت اپني سبب ھے حیرت احباب کی
جس سے دل خالی کیا وہ آہ بھر کر رہ گیا

کیا کہئے دماغ اس کا گلگشت میں کل "مہر"
گل شاخوں سے جھک آئے تھے پر ملنھ نہ لگایا

مُرید پیرمغاں صدق سے نہ هم هوتے
جو حق شناس کوئی اور بھی نظر آتا
کسو هنر سے تو ملتے تھے باهم اگلے لوگ
همیں بھی کاش کے ایسا کوئی هنر آتا
شراب خانے میں شب مست هو رها شاید
جو "میر" هوش میں هوتا تو اپنے گھر آتا

بس هو تو دام کو بھی اس پر نثار کر ئے
یک نقد دل رکھے هیں سو تو هے مال اُس کا

بوسہ اس بت کا لے کے ملنھ موڑا
بھاری پتھر تھا چوم کر چھوڑا
کیا کرے بخت مدعی تھا بلند
کوہ کن نے تو سر بہت پھوڑا
هے لب بام آفتاب عمر
کرئے سو کیا هے "مہر" دن تھوڑا

هے عشق میں صبر نا گوارا
پھر صبر بن اور کیا ہ چارا

دیکھو ہو تو دور بھاگتے ہو
کچھ پاس نہیں تمہیں ہمارا
جب جی سے گذر گئے ہم اے ''میر''
اُس کوچے میں تب ہوا گذارا

کیا کہے حال کہیں دل زدہ جاکر اپنا
دل نہ اپنا ہے محبت میں نہ دلبر اپنا
دورئی یار میں ہے حال دل ابتر اپنا
ہم کو سو کوس سے آتا ہے نظر گھر اپنا
دل بہت کھینچتی ہے یار کے کوچے کی زمیں
لو ہو اس خاک پہ گرنا ہے مقرر اپنا

آخر کو خواب مرگ ہمیں جا سے لے گئی
جی دیتے تک بھی سر میں اُسی کا خیال تھا

اُن نے کھینچا ہے مرے ہاتھ سے داماں اپنا
کیا کروں گر نہ کروں چاک گریباں اپنا

دل عجب شہر تھا خیالوں کا لوٹا مارا ہے حسن والوں

کرتا ہوں اللہ اللہ درویش ہوں سدا کا
سرمایۂ توکل یاں نام ہے خدا کا

یہ دو ہی صورتیں ہیں یا منعکس ہے عالم
یا عالم آیئنہ ہے اس یار خود نما کا
کہا میں ہی جاں بہ لب ہوں بیماری دلی سے
مارا ہوا ہے عالم اس درد بے دوا کا

——

بند اِس قبا کا کھولیں ، کیا ناخن فقیراں
وابستہ ہے یہ عقدہ شاید کسو دعا کا

——

ڈرتا ہوں مالکان جزا چھانی دیکھ کر
کھلنے لگیں نہ واہ .رے زخم اُس کے ہات کا
کیوں کر بسر کرے غم و غصے میں ہجر کے
خو گر جو ہو کسو کے کوئی التفات کا
واعظ کہے سو سچ ہے ' ولے مے فروش سے
ہم ذکر بھی سنا نہیں صوم و صلوات کا
عالم کسو حکیم کا باندھا طلسم ہے
کچھ ہو تو اعتبار بھی ہو کائنات کا

——

نہیں تاب لاتا دل زار اب
بہت ہم نے صبر و تحمل کیا
نہ سوز دروں فصل گل میں چھپا
سر و سینہ سے داغ نے گل کیا
ہمیں شوق نے صاحبو کھو دیا
غلاموں سے اس کے تو سل کیا

حقیقت نہ "میر" اپنی سمجھی گئی
شب و روز ہم نے تامل کیا

رفتۂ عشق کیا ہوں میں اب کا
جا چکا ہوں جہان سے کب کا
لوگ جب ذکر یار کرتے ہیں
دیکھ رہتا ہوں دیر منھ سب کا
ہم تو ناکام ہی چلے یاں سے
تم کو ہو گا حصول مطلب کا

رحم کیا کر، لطف کیا کر، پوچھ لیا کر، آخر ہے
"میر" اپنا، غم‌خوار اپنا، پھر زار اپنا، بیمار اپنا

اے کاش مرے سر پر اک بار وہ آ جاتا
ٹھہراؤ سا ہو جاتا، یوں جی نہ چلا جاتا
تب تک ہی تحمل ہے جب تک نہیں آتا وہ
اس رستے نکلتا تو، ہم سے نہ رہا جاتا

مستانہ اگرچہ میں، طاعت کو لگا جاتا
پھر بعد نماز اُٹھ کر مے خانہ چلا جاتا
دیکھا نہ اُدھر ورنہ، آتا نہ نظر پھر میں
جی مفت مرا جاتا اِس شوخ کا کہا جاتا

شب ، آہ شرر افشاں ہونٹھوں سے پھری میرے
سر کھینچتا یہ شعلہ تو مجھ کو جلا جاتا
ہے شوق سیہ رو سے بد نامی و رسوائی
کیوں کام بگڑ جاتا جو صبر کیا جاتا
تھا ''میر'' بھی دیوانہ پر ساتھ ظرافت کے
ہم سلسلہ داروں کی زنجیر ہلا جاتا

گو بے کسی سے عشق کی آتش میں جل بجھا
میں جوں چراغ گور اکیلا جلا کیا
ڈرتا ہی میں رہا کہ پلک کوئی گڑ نہ جائے
آنکھوں سے اس کی رات جو تلوے ملا کیا

سر گرم طلب ہو کر کھویا گیا میں آپ ہی
کیا جانئے پاؤں کا یا اس کو نہ پاؤں کا

مرتا تھا جس کے خاطر اس کی طرف نہ دیکھا
''میر'' ستم رسیدہ ظالم غیور کیا تھا

دل کو گل کہتے تھے ، درد و غم سے مرجھایا گیا
جی کو مہماں سنتے تھے مہمان سا آیا گیا

ہر چند میں نے شوق کو پنہاں کیا ولے
اک آدھ حرف پیار کا منھ سے نکل گیا
سر، اب لگے جھکانے بہت خاک کی طرف
شاید کہ ''مہر'' جي کا دماغی خلل گیا

ہم سے تو جز مرگ کچھ تدبیربن آئی نہیں
تم کہو کیا تم نے درد عشق کا درماں کیا
داخل دیوانگی ہے تھی ہماری عاشقی
یعنے اس سودے میں ہم نے جان کا نقصاں کیا
شکر کیا اس کي کریمي کا ادا بندے سے ہو
ایسي اک ناچیز مشت خاک کو انساں کیا

سوزش دل کے سبب مرگ نہ تھی عاشق کی
اپني غیرت میں وہ کچھ آپ ھي جلا جاتا تھا

جہاں بھرا ھے تیرے شور حسن و خوبی سے
لبوں پہ لوگوں کے ھے ذکر جا بہ جا تیرا
نظر، کنھوں نے نہ کی حال ''میر'' پر افسوس
غریب شہروفا تھا وہ خاک پا تیرا

صورت شیریں کے آگے کام اپنا کر گیا
عشق میں کس حسن سے فرہاد ظالم مرگیا

هم تو تھے محو دوستی اُس کے
گو کہ دشمن جہان سارا تھا
آستاں کسي کسو کے خاک ھوا
آسماں کا بھی کیا ستارا تھا

خوب کیا جو اھل کرم کے جود کا کچھ نہ خیال کیا
ھم جو فقیر ھوئے تو ھم نے پہلے ترک سوال کیا

ھم کوئے مغاں میں تھے ، ماہ رمضاں آیا
صد شکر کہ مستي میں جانا نہ کہاں آیا

آنکھیں لگي رھتي ھیں اکثر چاک قفس سے اسیروں کی
جھونکا باد بہاري کا گل برگ دوئي یاں لاوے گا
اب تو جواني کا یہ نشہ ھے بے خود تجھ کو رکھے گا
ھوش گیا پھر آوے گا تو دیر تلک پچھتاوے گا

جھک کے سلام کسی کو کرنا سجدہ ھی ھو جاتا ھے
سر جاوے گو اس میں میرا سر نہ فرو میں لاؤں گا
دل کے تئیں اس راہ میں کھو افسوس کناں اب پھرتا ھوں
یعنے رفیق ، شفیق پھر ایسا '' میر '' کہاں میں پاؤں گا

قیامت کا عرصہ ھے اے ' میر ' دوھم
مرے شور و زاري نے میدان مارا

جگر خوں کیا ' چشم نم کر گیا
گیا دل سو ھم پر ستم کر گیا

یاري کئے کسو کا کاھے کو نام نکلا
ناکام عشق تھا تو عاشق کا نام نکلا
ھنگامے سے جہاں میں ھم نے جلوں کیا ھے
ھم جس طرف سے نکلے اک اژدھام نکلا
جانا تھا تجھ کو ھم نے تو پختہ مغز ھوگا
دیکھا تو " میر " تیرا سودا بھي خام نکلا

خوش زمزمہ طیور ھي ھوتے ھیں " میر " اسیر
ھم پر ستم یہ ' صبح کی فریاد سے ھوا

زار کیا ' بیمار کیا ' اس دل نے کیا آزار کیا
داغ سے تن گلزار کیا سب آنکھوں کو خوں بار کیا
چاھا ھم نے کیا تھا پر اپنا چاھا کچھ نہ ھوا
عزت کھوئي ذلت کھینچي ' عشق نے خوار و زار کیا

چاهت کا اظہار کیا سو اپنا کام خراب ہوا
اس پردے کے اُٹھ جانے سے اُس کو ہم سے حجاب ہوا
ساري ساري راتیں جاگے ' عجز و نیاز زاری کی
تب جا کر ملنے کا اس کے صبح کے ہوتے خواب ہوا

" میر " گذرے دونوں یاں عید و محرم ایک سے
یعنے دس دن جینے کے میں اپنے هي ماتم میں تھا

مرنے کا بھي خیال رھے " میر " اگر تجھے
ھے اشتیاق جان جہاں کے وصال کا

کوشش میں سر مارا لیکن در پہ کسي کے جا نہ سکا
تن پہ زبان شکر ھے ھرمو ' اپنی شکستہ پائي کا
آنا سن ناداري سے ھم نے جي دینا ٹھہرایا ھے
کیا کہئیے اندیشہ بڑا تھا اس کي منھہ دکھلائی کا

دور بہت بھاگو ھو ھم سے سیکھے طریق غزالوں کا
وحشت کرنا شیوا ھے کیا ؟ اچھی آنکھوں والوں کا

ابھی ھوں منتظر ' جاتی ھے چشم شوق ھر جانب
بلند اس تیغ کو ھونے تو دو سر بھی جھکا دوں گا

بلا میں زیر سر ہوں کاش اُفتادہ رہوں یوں ہی
اتھا گر خاک سے تو " میر '' ہنگامے اتھاؤں

سخن مشتاق ہے عالم ہمارا
غنیمت ہے جہاں میں دم ہمارا
رکھے رہتے ہیں دل پر ہاتھہ اے " میر ''
یہیں شاید کہ ہے سب غم ہمارا

کیا پوچھو ہو کیا کہیئے یہاں دل نے بھی کیا کام کیا
عشق کیا نا کام رہا آخر کو کام تمام کیا
کہنے کي بھي لکھنے کی بھي ہم تو قسم کھا بیٹھے تھے
آخر دل کي بے تابي سے خط بھیجا پیغام کیا
خط و کتاب لکھنا اس کو ترک کیا تھا اسی لیئے
حرف و سخن سے ٹپکا لہو ہو اب جو کچھہ ارقام کیا
" میر '' جو اس نے منھہ کو ادھر کر ہم سے کوئي بات کہي
لطف ، کیا احسان کیا ، انعام کیا ، اکرام کیا

مرنا اس کے عشق میں خالي نہیں ہے حسن سے
رشک کے قابل ہے جو کشتہ ہے اس میدان کا
گر پڑیں گے توت کر اکثر ستارے چرخ سے
ہل گیا جو صبح کو گوہر کسي کے کان کا

عشق همارے خیال پڑا هے خواب گیا آرام گیا
جي کا جانا ٹهہر رها هے صبح گیا یا شام گیا
هائے جوانی! کیا کیا کہئے شور سروں میں رکھتے تھے
اب کیا هے ؛ وہ عہد گیا وہ موسم وہ هنگام گیا

وصل میں رنگ اڑگیا میرا　　کیا جدائي کو منهہ دکھاؤں گا
طوف مشهد کو کل جو جاؤں گا　　تیغ قاتل کو سر چڑھاؤں گا
چھانتا هوں کسو گلي کي خاک　　دل کو اپنے کبھو تو پاؤں گا
اس کے در پر گئي هے تاب و تواں　　گھر تلک اپنے کیونکہ کے جاؤں گا

خیال چھوڑ دے واعظ تو بے گناهی کا
رکھے هے شوق اگر رحمت الهی کا

هرجا پھرا غبار همارا اڑا هوا
تیری گلي میں لائي صبا تو بجا هوا

پهلو سے اُٹھ گیا هے وہ نازنیں همارا
جز درد اب نهیں هے پهلو نشیں همارا
حالت هے نزع کی یاں آؤ کہ جاتے هیں هم
آنکھوں میں منتظر هے دم واپسیں همارا

آج ہمارا دل تڑپے ہے کوئی اُدھر سے آوے گا
یا کہ نوشتہ ان ہاتوں کا قاصد ہم تلک لاوے گا

شیخ حرم سے لڑکے چلا ہوں اب کعبے میں نہ آؤں گا
تا بت‌خانہ ہر قدم اوپر سجدہ کرنے جاؤں گا

قدرت حق میں کیا قدرت جو دخل کسو کی فضولی کرے
اس کو کیا پر کالہ آتش مجھ کو خس و خاشاک کیا

برسوں تمہیں جہاں میں کیوں کر رہا ہے خضر
میں چار دن میں جینے سے بیزار ہو گیا
اُس کی نگاہ مست کا کھایا ہی تھا فریب
پر شیخ، طرز دیکھ کے ہوشیار ہو گیا
کیا متقی تھا "میر" پر، اُنہیں عشق میں
مجرم ساکشت و خوں کا سزاوار ہو گیا

نہ وہ آوے، نہ جاوے بے قراری
کسو دن "میر" یوں ہی مر رہوں گا

گرم مزاج رہا نہیں اپنا، ویسے اس کے ہجراں میں
ہوتے ہوتے افسردہ، دیکھو گے اک دن سرد ہوا

"میر" نہ اپنے درد دل کو مجھ سے کہا کر روز و شب
صبح جو گوش دل سے سنا تھا دل میں میرے درد ہوا

خاک سے آدم کر دکھلایا یہ منت کیا تھوڑی ہے
اب سر خاک بھی ہو جاویے تو سر سے کیا احسان گیا

دیدۂ ترکو سمجھ کر اپنا ہم نے کیا کیا حفاظت کی
آہ نہ جانا روتے روتے یہ چشمہ دریا ہووے گا

"میر" پریشاں خاطر آ کر رات رہا بت خانے میں
راہ رہی کعبہ کی ادھر، یہ سودائی کیدھر آیا

دل رہے وصل جو سدام رہے
مل گئے اس سے گاہ گاہ تو کیا

جب سے بے خود ہوا ہے اس کو دیکھ
آپ میں "میر" پھر نہیں آیا

بات کہتے جی کا جانا ہو گیا مرنا، عاشق کا بہانا ہو گیا
جائے بودن تو نہ تھی دنیائے دوں اتفاقاً اپنا آنا ہو گیا

فائدہ کیا نماز مسجد کا
قد ہی محراب سا جو خم نہ ہوا
نہ کیا اس طرف کا خط لکھنا
ہاتھ جب تک مرا قلم نہ ہوا
یار ہمراہ نعش جس دم تھا
وائے ! مردے میں میرے دم نہ ہوا
بے دلی میں ہے "مہر" خوش اُس سے
دل کے جانے کا حیف غم نہ ہوا

بہت کي جستجو اس کی ' نہ پایا
ہمیں در پیش ہے اب جي کا کھونا
وصیت "میر" نے مجھ کو یہی کی
کہ سب کچھ ہو پہ تو عاشق نہ ہونا

طرفہ خیال کیا کرتا تھا عشق و جنوں میں روز و شب
روتے روتے ہنسنے لگا کہ "مہر" عجب دیوانا تھا

ناخن سے بوالہوس کا گلا یوں ہي چھل گیا
لوہو لگا کے وہ بھی شہیدوں میں مل گیا
بے دل ہوئے پہ کرتے تدارک جو رہتا ہوش
ہم آپ ہي میں آئے نہیں جب سے دل گیا
شبنم کی سي نمود سے تھا میں عرق عرق
یعنی کہ ہستی ' ننگ عدم تھی خجل گیا

کیا تم سے اپنے دل کی پریشانی میں کہوں
دریاے گریہ جوش زناں تھا بہا کیا

عالم مستی ' کیا عالم تھا غم دنیا و دیں کا نہ تھا
ہوش آیا ہے جب سے سر میں شوق رہا اس عالم کا

غربت ہے دل آویز بہت شہر کی اُس کے
آیا نہ خیال ہم کو کبھو اپنے وطن کا

فلک نے پیس کر سرمہ بنایا
نظر میں اُس کی میں تو بھی نہ آیا
زمانے میں مرے شور جنوں نے
قیامت کا سا ہنگامہ اُٹھایا
تمامی عمر جس کی جستجو کی
اُسے پاس اپنے اک دم بھی نہ پایا
نہ تھی بیگانگی معلوم اُس کی
نہ سمجھے ہم ' اسی سے دل لگایا
قریب دیر ' خضر آیا تھا لیکن
ہمیں رستہ نہ کعبے کا بتایا

نہ اُٹھا لطف کچھ جوانی کا
کم بہت موسم شباب رہا

پریشاں کر گئی فریاد بلبل
کسو سے دل ہمارا پھر لگا تھا
صنم خانے سے اُٹھہ کعبے گئے ہم
کوئی آخر ہمارا بھي خدا تھا
بدن میں اُس کے ہے ہر جاے دل کش
جہاں اتکا کسو کا دل بجا تھا

کیا نماز اے ''میر'' اس اوقات کي
جب کہ تو محراب سا خم ہو گیا

وہ دیکھنے ہمیں تک بیماری میں نہ آیا
سو بار آنکھیں کھولیں بالیں سے سر اُٹھایا

میں رنج عشق کھینچے بہت ناتواں ہوا
مرنا تمام ہو نہ سکا نیم جاں ہوا
غیر از خدا کي ذات مری گھر میں کچھہ نہیں
یعنی کہ اب مکان مرا لا مکاں ہوا
سائے میں تاک کے مجھے رکھا اسیر کر
صیاد کے کرم سے قفس آشیاں ہوا

کرنا وفا نہیں ہے آسان عاشقي میں
پتھر کیا جگر کو تب چاہ کو نباھا

بلبل کا شور سن کے نہ مجھ سے رہا گیا
میں بے دماغ باغ سے اٹھ کر چلا گیا

——

غم هجر رکھے گا بے تاب دل کو
ہمیں کڑھتے کڑھتے کچھ آزار ہو گا

——

دیر ' بعد عہد جب وہ یار آیا   دور سے دیکھتے ہی پیار آیا

——

نثار کیا کریں ہم خانماں خراب اس پر
کہ گھر لٹا چکے جب یار اپنے گھر آیا

——

جہاں کا دریائے بے کراں تو سراب پایان کار نکلا
جو لوگ تہہ سے کچھ آشنا تھے اُنہوں نے لب تر کیا نہ اپنا

——

نہ پہونچی جو دعائے " میر " واں تک تو عجب کیا ہے
علوئے مرتبہ ہے بس کہ اس درگاہ عالی کا

——

روز و شب ' روتے کڑھتے گذرے ہے   اب یہی اپنا روزگار ہوا

——

کیونکہ سب عمر صعوبت میں کٹی تیری " میر "
اپنا جینا تو کوئی دن ہمیں دشوار ہوا

——

جو قافلے گذے تھے انھوں کی اٹھي بھی گرد
کیا جانئے غبار ھمارا کہاں رھا
اعضا ' گداز عشق سے ایک ایک بہہ گئے
اب کیا رھا ھے مجھہ میں جو میں نیم جاں رھا

نہیں ھے مرجع آدم اگر خاک
کدھر جاتا ھے قد خم ھمارا

کیا کہئے ؟ عشق ' حسن کي آپ ھي طرف ھوا
دل نام قطرہ خون یہ ' ناحق تلف ھوا

جب کہ تابوت مرا جائے شہادت سے اٹھا
شعلۂ آہ دل گرم محبت سے اٹھا

مجلس میں میں نے اپنا سوز جگر کہا تھا
روتي ھے شمع تب سے بے اختیار ھر شب
اب وہ نہیں کہ آنکھیں تھیں پرآب روز و شب
ٹپکا کرے ھے آنکھوں سے خوں ناب روز و شب

موند رکھنا چشم کا ' ھستي میں عین دید ھے
کچھہ نہیں آتا نظر جب آنکھہ کھولے ھے حباب

اندوہ سے ھوئي نہ رھائی تمام شب
مجھہ دل زدہ کو نیند نہ آئي تمام شب

تادل سے میری پلکوں پہ قطرے سرشک ہے
دیکھے رہے ہیں "مہر" دکھائی تمام شب

وہ جو کشش تھی اس کی طرف سے ' کہاں ہے اب
تیرو کماں ہے ہاتھ میں ' سینہ نشاں ہے اب
زردی رنگ ہے غم پوشیدہ پر دلیل
دل میں جو کچھ ہے ' منھہ سے ہمارے عیاں ہے اب

کاش اُس کے رو برو نہ کریں مجھہ کو حشر میں
کتنے مرے سوال ہیں کتنے مرے جواب
گذرے ہے "مہر" لوٹتے دن رات آگ میں
ہے سوز دل سے زندگی اپنی ہمیں عذاب

جو کہو تم سو ہے بجا صاحب
ہم برے ہی سہی ' بھلا صاحب

طالع سے زلیخا نے لیا مصر میں یوسف
کب ایسا غلام آوے ہے بازار میں صاحب

کیا کہیں حال ؟ خاطر آشفتہ دل خدا جانئے کدھر ہے اب

جوش رونے کا مجھے آیا ہے اب
دیدۂ تر ابر سا چھایا ہے اب
کاشکے کے ہو جائے سینہ چاک چاک
رکتے رکتے جی بھی گھبرایا ہے اب

التفات زمانہ پر مت جا "میر" دیتا ہے روزگار فریب

عالم کے لوگوں کا ہے، تصویر کا سا عالم
ظاہر کھلی ہیں آنکھیں لیکن ہیں بے خبر سب

موسم گل کا شاید آیا داغ جنوں کے شاہ ہوئے
دل کھینچتا ہے جانب صحرا، جی نہیں لگتا گھر میں اب

دل خراشی و جگر چاکی و خوں افشانی
ہیں تو یہ کام، پہ رہتے ہیں مجھے کام بہت
پھر نہ آئے جو ہوئے خاک میں جا آسودہ
غالباً زیر زمیں "میر" ہے آرام بہت

کہتے ہیں "آگے تھا بتوں میں رحم"
ہے خدا جانئے یہ کب کی بات

مرجاں کوئي کہے ہے کوئي اِن لبوں کو لعل
کچھ رفتہ رفتہ پاھي رھے گي قرار بات

بلبل کے بولنے میں سب انداز ھیں مرے
پوشیدہ کب رھي ہے کسی کی اُڑائي بات
خط لکھتے لکھتے "میر" نے دفتر کئے رواں
افراط اشتیاق نے آخر بڑھائي بات

چشم رھنے لگی پر آب بہت
شاید آوے گا خون ناب بہت
دل کے دل ھي میں رہ گئے ارماں
کم رھا موسم شباب بہت

اب تو وفا ، مہر کا مذکور ھي نہیں
تم کس سمے کي کہتے ہو یہ ہے کہاں کي بات

سو غیروں میں ہو عاشق تو ایک اُسی سے شرماویں
اس مستي میں آنکھیں اس کی رھتي ھیں ھشیار بہت

آئے ھیں "میر" منھ کو بنائے جفا سے آج
شاید بگڑ گئی ہے کچھ اُس بے وفا سے آج

ساقي ٹک ایک موسم گل کي طرف تو دیکھ
ٹپکا پڑے ھے رنگ، چمن میں ھوا سے آج
تھا جي میں، اُس سے ملتے توکیا کیا نہ کہتے "میر"
پر کچھ کہا گیا نہ غم دل، حیا سے آج

وے پھري پلکیں اگر کھپ گئیں جي میں تو ھیں
رخنے پڑجائیں گے واعظ! ترے ایمان کے بیچ

کل ھم بھي سیر باغ میں تھے ساتھ یار کے
دیکھا تو اور رنگ ھے سارے چمن کے بیچ

آئے جو لب پر آہ تو میں اُتھ، کھڑا ھوا
بیٹھا گیا نہ مجھ سے تو ایسی ھوا کے بیچ

میں بے دماغ عشق اٹھا سو چلا گیا
بلبل پکارتی ھی رھی گلستاں کے بیچ
اتنی جبیں رگڑی کہ سنگ آئینہ ھوا
آنے لگا ھے منھ نظر اس آستاں کے بیچ

دوش و آغوش و گریباں، دامن گل چیں ھوئے
گل فشاني کر رھی ھے چشم، خوں باري کے بیچ

جان کو قید عناصر سے نہیں ہے وارھی
تنگ آئے ہیں بہت اس چار دیواری کے بیچ
ایک ہوویں جو زبان و دل تو کچھ نکلے بھی کام
یوں اثر اے "میر" کیا ہے گریہ و زاری کے بیچ

ستھراؤ کردیا ہے تمنائے وصل نے
کیا کیا عزیز مرگئے اس آرزو کے بیچ

دور گردوں سے ہوئی کچھ اور میخانے کی طرح
بھر نہ آویں کیونکہ آنکھیں میری پیمانے کی طرح
یوں بھي سر چڑھتا ہے اے ناصح کوئي مجھ سے کہ ہائے
ایسے دیوانے کو سمجھاتے ہیں سمجھانے کی طرح

ہم سے بن مرگ کیا جدا ہو ملال
جان کے ساتھ ہے دل ناشاد

لگگئی ہے کچھ سموم سی تو نسیم
خاک کس دل جلے کي دي برباد

رہیے بغیر تیرے اے رشک ماہ تا چند
آنکھوں میں یوں ہماری عالم سیاہ تا چند

کیا صحبتیں اگلی گئیں خاطر سے ہماری
اپنی بھی وفا یاد ہے اس کی بھی جفا یاد
کعبے تو گئے ' بھول کے ہم دیر کا رستا
آتا تھا ولے راہ میں ہر گام خدا یاد

چمن کی یاد کے آتے خبر نہ اتنی رہی
کہ میں کدھر ہوں ؟ کدھر ہے قفس ؟ کدھر صیاد ؟
سنا ہے بھڑکی ہے اب کی بہت ہی آتش گل
چمن میں اپنے بھی ہیں خار و خس کے گھر' صیاد!

نہ درد مندی سے یہ راہ تم چلے ورنہ
قدم قدم پہ تھی یاں جائے نالۂ و فریاد

چا دیوارئی عناصر "میر" خوب جاگہ ہے پر ہے بے بنیاد

وعدے برسوں کے کتنے دیکھے ہیں
دم میں عاشق کا حال ہے کچھ اور
تو رگ جاں سمجھتی ہوگی نسیم
اس کے گیسو کا بال ہے کچھ اور

ہم تو اسیر کنج قفس ہو کے مر چلے
اے اشتیاق سیر چمن تیری کیا خبر

جوں شمع صبح گاہی اک بار بجھ گئے ہم
اس شعلہ خو نے ہم کو مارا جلا جلا کر

قدم تیرے چھوئے تھے جن سے ' اب وہ ہاتھ ہے سر ہے
مرے حق میں نہ ہونا ہی تھا یاں تک دسترس' بہتر

میں مشت خاک یارب؟ بار گران غم تھا
کیا کہئیے ؟ آ پڑا ہے اک آسماں زمیں پر
جو کوئي یاں سے گذرا کیا آپ سے نہ گذرا
پاني رہا کب اتنا ہوکر رواں زمیں پر
کچھ بھی مناسبت ہے یاں عجز ' واں تکبر
وے آسماں پر ہیں ' میں ناتواں زمیں پر

اک بار تونے آکر خاطر نہ رکھي میري
میں جي سے اپنے گذرا سوبار ترے خاطر

کچھ ہو رہے گا عشق و ہوس میں بھی امتیاز
آیسا ہے اب مزاج ترا امتحان پر
کس پر تھے بےدماغ کہ ابرو بہت ہے خم
کچھ زور لے پڑا ہے کھیں اس کمان پر
دامن میں آج " میر " کے داغ شراب ہے
تھا اعتماد ہم کو بہت اس جوان پر

کیوں ؟ آنکھوں میں سرمے کا تو دنبالہ رکھے ھے
مت ھاتھ میں ان مستوں کے تلوار دیا کر
کچھہ خوب نہیں اتنا ستانا بھي کسو کا
ھے "میر" فقیر اس کو نہ آزار دیا کر

آنکھ اس کي اس طرح سے نہیں پڑتی تک ادھر
اب خوب دیکھتے ھیں تو چتون کا ڈھب ھے اور
کیا کہئیے حال دل کا جدائی کي رات میں
گذرے ھے کب کہاني کہے سے یہ شب ھے اور
دل لے چکے دکھا کے رخ خوب کو تبھی
اب منھہ چھپا جو بیٹھے یہ حسن طلب ھے اور
کیا بات تھري اے ھمہ عیاری و فریب
آنکھیں کہیں ھیں اور سخن زیر لب ھے اور
اسباب مرگ کے تو مہیا ھیں سارے "میر"
شاید کہ زندگاني کا اپني سبب ھے اور

اس قافلے میں کوئی دل آشنا نہیں ھے
ٹکڑے گلے کے اپنے ناحق نہ تو جرس کر

صورت پرست ھوتے نہیں معنی آشنا
ھے عشق سے بتوں کے مرا مدعا کچھہ اور
وہ کیا یہ دل لگی ھے فنا میں کہ رفتگاں
منھہ کرکے بھي نہ سوئے کبھو پھر جہاں کے اور

یارب! ہے کیا مزا سخن تلخ یار میں
رہتے ہیں کان سب کے جو اس بدزباں کے اور
کیا حال ہو گیا ہے ترے غم میں "مہر" کا
دیکھا گیا نہ ہم سے تو تک اس جواں کے اور

نئے طور سیکھے نکالے ڈھب اور
مگر اور تھے، تب ہوئے ہو اب اور
ادا کچھ ہے انداز کچھ ناز کچھ
تہ دل ہے کچھ، اور زیر لب اور

تم تیغ اپنی کھینچ کے کیا سوچ میں گئے
مرنا ہے اپنا، جی میں ہم آئے ہیں ٹھان کر
اس اُدھر مراد کو پایا نہ ہم نے "میر"
پایان کار مر گئے یوں خاک چھان کر

مجھ کو قفس میں سنبل و ریحاں کی کیا خبر
کہہ اے نسیم صبح، گلستاں کی کیا خبر؟
رہتا ہے ایک نشہ اُنہیں جن کو ہے شناخت
ہے زاہدوں کو مستی و عرفاں کی کیا خبر؟

گرمی سے گفتگو کی کرلے قیاس جاں پر
شعلہ ہے شمع ساں یاں، ہر اک سخن زباں پر

تڑپے ہے دل گھڑی بھر تو پھروں غش رہے ہے
کیا جانوں آفت آئی کیا طاقت و تواں پر

تناسب پہ اعضا کے اتنا تبختر
بگاڑا تجھے خوب صورت بنا کر
کھنچی تیغ اس کی تو یاں نیم جاں تھے
خجالت سے ہم رہ گئے سر جھکا کر

کوتاہی کی میرے طول عمر نے
جور میں تو کچھ نہ تھی تقصیر یار

کاہے کو اس قرار سے تھا اضطراب خلق
ہوتا ہے ہاتھ رکھنے سے دل بے قرار اور

جب تک بہار رہتی ہے ' مست بہار تو
عاشق ہیں "میر" ہم تو ترے عقل و ہوش پر

مرتے ہیں ہم تو آدم خاکی کی شان پر
اللہ رے دماغ کہ ہے آسمان پر

دل نہیں دردمند اپنا "میر" اور نالے اثر کریں کیوں کر

تو بھي رباط کہن سے صوفي سير کو چل تک
ابر سیه قبلہ سے اگر جھوم پڑا مے خانوں پر
دل کي حقيقت عرش کي عظمت هے ' معلوم نہیں
سير رهی هے اثر اپني ان پاکيزه مکانوں پر

چاه کا جو اظہار کيا تو فرط شرم سے جان گئي
عشق شہرت دوست نے آخر مارا مجھ کو رسوا کر

زور هوا هے چل صوفی تک توبھي رباط کہنه سے
ابر قبلہ بڑھتا بڑھتا آيا هے مے خانے پر

کيا ديکھتا هے هر گھڑي اپني هی سج کو ' شوخ !
آنکھوں میں جان آئي هے ایدھر نگاه کر
چھوڑ اب طريق جور کو اے بے وفا سمجھ
نبھتي نہيں يه چال کسو دل میں راد کر
اس وقت هے دعا و اجابت کا وصل " مير "
اک نعره تو بھي پھس کش صبح گاه کر

شوريده سر رکھا هے جب سے اس آستاں پر
ميرا دماغ تب سے هے هفتم آسماں پر

لوگ سر ديئے جاتے هیں کيسے
يار کے پانوں کے نشانوں پر

عشق و ہوس میں آخر، کچھ تو تمیز ہوگی
آئی طبیعت اس کی اگر امتحان اوپر

کان اِس طرف نہ رکھے، اس حرف ناشنو نے
کہتے رہے بہت ہم، اس کو سنا سنا کر
وہ بے وفا نہ آیا بالیں پہ وقت رفتن
سو بار ہم نے دیکھا سر کو اُٹھا اُٹھا کر

آیا ہے ابر قبلہ چلا خانقاہ پر
صوفی ہوا کو دیکھ کے کاش آوے راہ پر

اقرار میں کہاں ہے؟ انکار کی سی خوبی
ہوتا ہے شوق غالب اس کے نہیں نہیں پر

مختار رونے ہنسنے کا، تجھ کو اگر کریں
تو اختیار گریۂ بے اختیار کر

ہوتا نہیں ہے باب اجابت کا، وا ہنوز
بسمل پڑی ہے چرخ پہ مری دعا ہنوز
توڑا تھا کس کا شیشۂ دل تونے سنگ، دل
ہے دل خراش کوچے میں تیرے، صدا ہنوز

بے بال و پر اسیر ہوں کنج قفس میں "میر"
جاتی نہیں ہے سر سے چمن کی ہوا ہنوز

اس شوخ نے سنا نہیں نام صبا ہنوز
غنچہ ہے وہ، لگی نہیں اس کو ہوا ہنوز
سو بار ایک دم میں گیا ڈوب ڈوب جی
پر بحر غم کی پائی نہ کچھ انتہا ہنوز

کب تک کھنچے گی صبح، قیامت کی شام کو
عرصہ میں، میں کھڑا ہوں گنہ‌گار سا ہنوز

قیس و فرہاد پر نہیں موقوف
عشق لاتا ہے مرد کار ہنوز

کیا ہوا؟ خوں ہوا کہ داغ ہوا
دل ہمارا نہیں گداز ہنوز

ہے پریشاں دشت میں، کس کا غبار ناتواں
گرد، کچھ گستاخ آتی ہے چلی محمل کے پاس
آہ نالے مت کیا کر اس قدر بے تاب ہو
اے ستم کش "میر" ظالم ہے جگر بھی دل کے پاس

رخصت سیر باغ تک نہ ہوئی
یوں ہی جاتي رہي بہار افسوس

کیا رکھا کرتے ہو آئینے سے محبت ہر دم
تک کبھو بیٹھو کسی طالب دیدار کے پاس
ہم نہ کہتے تھے نہ مل مغ بچوں سے اے زاھد
ابھی تسبیح دھري تھي تري دستار کے پاس

کیا جانئے کہ کہتے ھیں کس کو یگانگي
بیگانے ھي سے ہم رھے اس آشنا کے پاس

شیخ ان لبوں کے بوسے کو اس ریش سے نہ جھک
رکھتا ھے کون آتش سو زندہ گھاس پاس

گل و گلزار سے کیا ؟ قیدیوں کو
ھمیں داغِ دل و کنج قفس بس

اب سے جاکر کے پھر نہ آئے ہم
بس ھمیں تو یہي سفر ھے بس
چشم پوشی نہ کر فقیر ھے "میر"
مہر کي اس کو اک نظر ھے بس

بہار اب کی بھی جو گذری قفس میں
تو پھر اپنی رہائی ہو چکی بس

نہ آیا وہ مرے جاتے ' جہاں سے
یہاں تک آشنائی ہو چکی بس

رکھا اس بت کو پھر بھی ' یا خدا یا
تری قدرت نمائی ہو چکی بس

در اسیری کا کھلا منھ پہ ہمارے کیا تنگ
مر ہی رہیئے گا قفس کے درو دیوار کے پاس

" میر " ابتر بہت ہے دل کا حال   یعنے ویراں پڑا ہے گھر افسوس

دل کو ہوتا ' صبا قرار اے کاش
رہتی اک آدھ دن بہار اے کاش

جان آخر تو جانے والی تھی
اس پہ کی ہوتی میں نثار اے کاش

بے اجل " میر " اب پڑا مرنا
عشق کرتے نہ اختیار اے کاش

کیا کہیئے ؟ کیا رکھیں ہیں ہم تجھ سے یار خواہش
اک جان و صد تمنا ' اک دل ہزار خواہش

نے کچھ گنہ ہے دل کا ' نے جرم چشم اس میں
رکھتی ہے ہم کو اتنا بے اختیار خواہش

کرتے ہیں سب تمنا پر ''میر'' جی نہ اتنی
رکھے گئي مسار تم کو پایانِ کار خواہش

لعل خموش اپنے ' دیکھو ہو آرسی میں
پھر پوچھتے ہو ہنس‌کر مجھ بے نوا کي خواہش

پانؤں پڑتا ہے کہیں ' آنکھیں کہیں
اس کی مستي دیکھ کر جاتا ہے ہوش

کیا پتنگے کو شمع روئے ''میر''
اس کی شب کو بھی ہے سحر درپیش

یار آنکھوں تلے ہي پھرتا ہے
بڑي مدت سے ہے نظر درپیش
غم سے نزدیک مرنے کے پہونچے
دور کا ''میر'' ہے سفر درپیش

س کی پا مالی ' سر فرازي ہے راہ میں ہو مرا مزار اے کاش

عشق کی راہ چل خبر ہے شرط
اولِ گام ' ترک سر ہے شرط

دل کا دینا ھے سہل کیا اے "میر"
عاشقي کرنے کو جگر ھے شرط

ساتھہ ھم بھی گئے ھیں دور تلک
جب ادھر کے تمہیں چلا ھے خط

کہا درد دل رات کہا "میر" نے
اُٹھایا بہت اس کہاني سے حظ

تم اور ھم سے محبت تمہیں ' خلاف خلاف
ھم اور الفت خوب دگر ' دوغ دوغ

دو حرف زیر لب کہے ' پھر ھو گیا خموش
یعنے کہ بات کرنے کا کس کو رھا دماغ

ایک دن میں نے لکھا تھا اس کو اپنا درد دل
آج تک جاتا نہیں سینے سے خامے کے شگاف

ھم نے تو پر فشاني نہ جانی کہ ایک بار
پرواز کي چمن سے سو صیاد کي طرف

محبت نے شاید کہ دی دل کو آگ
دھواں سا ہے کچھ اس نگر کی طرف
نہ سمجھا گیا ابر کیا دیکھ کر
ہوا تھا مری چشم تر کی طرف

دیکھی ہے جب سے اس بت کافر کی شکل "میر"
جاتا نہیں ہے جی تلک ، اسلام کی طرف

شب آنکھیں کھلی رہتی ہیں ہم منتظروں کی
جوں دیدۂ انجم نہیں ہیں خواب سے واقف

نظر کیا کروں اس کے گھر کی طرف
نگاہیں ہیں میری نظر کی طرف

وہ محبوب تو راہ گیا ہے اپنی لیکن دیر تلک
آنکھیں اہل نظر کی ہیں ئی اس کے قدم کے نشاں کی طرف

شاید متاع حسن کھلی ہے کسو کی آج
ہنگامہ حشر کا سا ہے بازار کی طرف

اسے ڈھونڈھتے "مہر" کھوئے گئے
کوئي دیکھے اس جستجو کي طرف

اے تجھ بغیر، لالہ و باغ و بہار حیف
گل سے چمن بھرے ہوں نہ ہو تو، ہزار حیف

دل خواہ کوئی دلبر ملتا تو دل کو دیتے
گر چاهنے میں ہوتا کچھ اختیار عاشق

کیا کہوں تم سے میں کہ کیا ہے عشق
جان کا روگ ہے، بلا ہے عشق

کیا حقیقت کہوں کہ کیا ہے عشق
حق شناسوں کا ہاں خدا ہے عشق
دل لگا ہو تو جي جہاں سے اٹھا
موت کا نام پیار کا ہے عشق
اور تدبیر کو نہیں کچھ دخل
عشق کے درد کی دوا ہے عشق
کون مقصد کو عشق بن پہونچا
آرزو عشق، مدعا ہے عشق

کیا پوچھتے ہو شوق کہاں تک ہے ہم کو "میر"
مرنا ہی اہل درد کا ہے انتہائے شوق

جی سارے تن کا کھنچ کر آنکھوں میں آ رہا ہے
کس مرتبے میں ہم بھی ہیں دیکھنے کے شائق

تنہا تو اپنے گور میں رہنے پہ بعد مرگ
مت اضطراب کر تو کہ عالم ہے زیر خاک

تصویر کی سی شمعیں خاموش جلتے ہیں ہم
سوز دروں ہمارا آتا نہیں زباں تک
آنکھیں جو روتے روتے جاتی رہیں، بجا ہے
انصاف کر کہ کوئی دیکھے ستم کہاں تک

کیا جانئے ہوتے ہیں سخن لطف کے کیسے
پوچھا نہیں اُن نے تو ہمیں پیار سے اب تک

کچھ ہوا ے مرغ قفس لطف نہ جاوے اس سے
نغمہ یا نالہ ہر اک بات کا انداز ہے ایک
ناتوانی سے نہیں بال فشانی کا دماغ
ورنہ تا باغ قفس سے مری پرواز ہے ایک

گلی تک تیری، لایا تھا ہمیں شوق
کہاں طاقت کہ اب پھر جائیں گھر تک

کہاں پھر شور شیون جب گیا "میر"
یہ ہنگامہ ہے اس ہی نوحہ گر تک

دست پا مارے وقت بسمل تک
ہاتھ پہونچا نہ پائے قاتل تک
کعبہ پہونچا تو کیا ہوا اے شیخ!
سعی کر، تک پہونچ کسي دل تک

شاید کہ دیوے رخصت گلشن ہوں بےقرار
میرے قفس کو لے تو چلو باغباں تلک

طاقت ہو جس کے دل میں وہ دو چار دن رہے
ہم ناتوانِ عشق تمہارے کہاں تلک

حق تو سب کچھ تھا ہی ناحق جان دي کس واسطے ؟
حوصلے سے بات کرتا کاشکے منصور تک

اس رشک مہ کے دل میں نہ مطلق کیا اثر
ہر چند پہونچی مری دعا آسماں تلک
جو آرزو کی اُس سے سو دل میں ہے خوں ہوئي
نومید، یوں بسر کرے کوئي کہاں تلک

دل تنگ ہو جئے تو نہ ملیئے کسو کے ساتھ
ہوتے ہیں ایسے وقت میں یے لوگ کم شریک

ہم گرے اس کے در ہی پر مر کر
اور کوئی کرے وفا کیا خاک
خاک ہی میں ملائے رکھتے ہو
ہو کوئی تم سے آشنا کیا خاک
سب موئے ابتدائے عشق ہی میں
ہووے معلوم انتہا کیا خاک
تربت "میر" پر چلے تم دیر
اتنی مدت میں واں رہا کیا خاک

سبز ہے رونے سے میرے گوشہ گوشہ کشت کا
باعثِ آبادیِ صحرا ہے چشم گریہ‌ناک

محبت میں جی سے گئے "میر" آخر
خبر، گفتنی ہے یہ ہر بے خبر تک

ہر چند صرف غم ہیں، لے دل جگر سے جاں تک
لیکن کبھو شکایت آئی نہیں زباں تک
ہوئے ہیں حواس اور ہوش و خرد گم
خبر کچھ تو آئی ہے اس بے خبر تک

وا ماندۂ نقش پا سے یک دشت ہم ہیں بے کس
دشوار ہے پہونچنا اب اپنا، کارواں تک

عہدِ و عید و حشر و قیامت ہیں دیکھتے
جیتے رہیں گے طالب دیدار کب تلک
صیاد اسیر کر کے جسے اُٹھ گیا ہو "میر"
وہ دام کی شکن میں گرفتار کب تلک

"میر" بندوں سے کام کب نکلا
مانگنا ہے جو کچھ، خدا سے مانگ

غافل ہیں، ایسے سوتے ہیں گویا جہاں کے لوگ
حالانکہ رفتنی ہیں سب اس کارواں کے لوگ
تو، ہم میں اور آپ میں مت دے کسی کو دخل
ہوتے ہیں فتنہ ساز بھی یہ درمیاں کے لوگ
فردوس کو بھی آنکھ اُٹھا دیکھتے نہیں
کس درجے سیر چشم ہیں کوئے بتاں کے لوگ
کیا سہل جی سے ہاتھ اُٹھا بیٹھتے ہیں ہائے
یہ عشق پیشگاں ہیں اِلٰہی کہاں کے لوگ

جل جل کے سب عمارت دل خاک ہوگئی
کیسے نگر کو آہ محبت نے دی ہے آگ

اب گرم و سرد دھر سے یکساں نہیں ہے حال
پانی ہے دل ہمارا کبھی ، تو کبھی ہے آگ
یارب ہمیشہ جلتی ہي رہتی ہیں چھاتیاں
یہ کیسي؟ عاشقوں کے دلوں میں رکھی ہے آگ
افسردگئی سوختہ جاناں ہے قہر "میر"
دامن کو تک ہلا کہ دلوں کی بجھی ہے آگ

دیکھے ادھر تو مجھ سے نہ یوں آنکھ وہ چھپائے
ظاہر ہے میرے منھ سے مرے مدعا کا رنگ

وہ مرگ سے کیوں ڈراتے ہیں لوگ
بہت اس طرف کو تو جاتے ہیں لوگ
ان آنکھوں کے بیمار ہیں "میر" ہم
بجا دیکھنے ہم کو آتے ہیں لوگ

کیا جو افسردگی کے ساتھ کھلا
دل ، گل بے بہار کے سے رنگ

ایک گردش میں ہیں برابر خاک
کیا جھگڑتے ہیں آسماں سے لوگ

بدتر آپ سے پاؤں کسو کو تو میں اس کا عیب کہوں
خوب تامل کرتا ہوں تو سب مجھ سے بہتر ہیں لوگ

پاس اس کا بعد مرگ ہے آداب عشق سے
بیٹھا ہے میری خاک سے اُٹھ کر غبار الگ

وہ کون سی اُمید برائی ہے عشق میں
رہتا ہے کس اُمید پہ اُمیدوار دل

نہیں بھاتا ترا مجلس کا ملنا
ملے تو ہم سے تو سب سے جدا مل

نہ ٹک واشد ہوئی جب سے لگا دل
الٰہی غنچہ پژمردہ ہے یا دل

حال مستی جوانی تھی سوگئی
"مہر" اس کا خمار ہے تا حال

طریق عشق میں ہے رہ نما دل
پیمبر دل ہے، قبلہ دل، خدا دل

کھل جائیں گی پھر آنکھیں ' جو مرجائے گا کوئی
آتے نہیں ہو باز ' مرے امتحاں سے تم

آہستہ اے نسیم کہ اطراف باغ کے
مشتاق پر فشانی ہیں اک مشت خاک ہم
شمع و چراغ و شعلہ و آتش ' شرار و برق
رکھتے ہیں دل جلے کے بہم سب تپاک ہم

مدت ہوئی کہ چاک قفس ہی سے اب تو " میر "
دکھلا رہے ہیں گل کو دل چاک چاک ہم

ہوس تھی عشق کرنے میں و لیکن
بہت نادم ہوئے دل کو لگا ہم

ہوا جس کے لئے ' اس کو نہ دیکھا
نہ سمجھے " میر " کا کچھ مدعا ہم

جہاں " میر " زیر و زبر ہو گیا
خراماں ہوا تھا وہ محشر خرام

کوچہ آوارہ جوں صبا ہیں ہم
لیک، لگ چلنے میں بلا ہیں ہم
اے بتاں اس قدر جفا ہم پر
عاقبت بندۂ خدا ہیں ہم
آستاں پر ترے گذاری عمر
اسی دروازے کے گدا ہیں ہم

سوکھ غم سے ہوئے ہیں کانٹا سے
پر دلوں میں کھٹک رہے ہیں ہم
وقفۂ مرگ اب ضروری ہے
عمر طے کرتے تھک رہے ہیں ہم
کیونکہ گرد علاقہ بیٹھ سکے
دامن دل جھٹک رہے ہیں ہم

میں نے جانا کہ کچھ نہ جانا ہائے
سو بھی اک عمر میں ہوا معلوم
عشق، جانا تھا مار رکھے گا
ابتدا میں تھی انتہا معلوم
طرز کینے کی کوئی چھپتی ہے
مدعی کا ہے مدعا معلوم

فقیر ہونے نے سب اعتبار کھویا ہے
قسم بھی کھاؤں تو کہتے ہیں کیا گدا کی قسم

قدم تلے هی رها اس کے یہ سرِ پر شور
جو کھائي هے تو مرے طالع رسا کي قسم
جدال دیر کی رهیاں سنہیں کہاں تک "میر"
اٹھو حرم کو چلو اب تمہیں خدا کی قسم

سوکھي هی جاتی هے سب کشت هوس ظالم
اے ابرتر آکر تک ' ایدھر : بھي برس ظالم
صیاد بہار اب کي سب لوتتوں گا کیا میں هی
تک باغ تلک لے چل مہرا بھی قفس ظالم
جوں ابر میں روتا تھا جوں برق تو هنستا تھا
صحبت نہ رهي یوں هي ایک ادھر برس ظالم
سو رشتۂ هستی کو تم دیے چکے هاتھوں سے
کچھ توتتے هی هیں جاتے اب تار نفس ظالم

تدبیریں کریں اپنی تن زار و زبوں کی
افراط سے اندوہ کے هوں آپ میں جب هم

مجمع میں قیامت کے اک آشوب سا هوگا
آ نکلے اگر عرصہ میں یوں نالہ بہ لب هم
تربت سے همارے نہ اٹھي گرد بھی اے " میر "
جي سے گئے لیکن نہ کیا ترک ادب هم

اب چھوڑنے جہاں وہیں گویا ہے درد سب
پھوڑا سا ہو گیا ہے ترے غم میں تن تمام
میں خاک میں ملا نہ کروں کس طرح سفر
مجھ سے غبار رکھتے ہیں اہل وطن تمام

منظور سجدہ ہے ہمیں اس آفتاب کا
ظاہر میں یوں کریں ہیں نماز زوال ہم

کون کہتا ہے منھ کو کھولو تم
کاشکے پردے ہی میں بولو تم
حکم آب رواں رکھے ہے حسن
بہتے دریا میں ہاتھ دھو لو تم
رات گذرے ہے سب، تڑپتے "میر"
آنکھ لگ جائے تک تو سو لو تم

جو دیکھو وہ قامت تو معلوم ہو
کہ روکش ہوئے ہیں قیامت سے ہم
نہ تک لا سکا تاب جلوے کی دل
گلہ رکھتے ہیں صبر و طاقت سے ہم
خدا سے بھی شب کو دعا مانگتے
نہ اس کا لیا نام غیرت سے ہم

اُڑتی هے خاک شہر کي گلیوں میں اب جہاں
سونا لیا هے گود میں بھر کر وهیں سے هم

هردم جبیں خراشي ' هرآن سینہ کاري
حیران عشق تو هیں پر گرم کار هیں هم

چاهیں تو تم کو چاهیں ' دیکھیں تو تم کو دیکھیں
خواهش دلوں کی تم هو ' آنکھوں کي آرزو تم

لطف و مہر و خشم و غضب ' هم هر صورت میں راضي هیں
حق میں همارے کر گذرو بھی جو کچھہ جانو بہتر تم

راہ تکتے تکتے اپني آنکھیں بھی پتھرا چلیں
یہ نہ جانا تھا کہ سختي اس قدر دیکھیں گے هم

چپ هیں کچھہ جو نہیں کہتے هم کار عشق کي حیراں هیں
سوچو حال همارا تک تو ' بات کي تہ کو پاؤ تم

سوزدروں نے هم کو پردے میں مار رکھا
جوں شمع آپ هی کو کھا کھا کے رہ‌گئے هم

میر، کعبے گئے ہیں اکثر ہم
یعنے ڈھونڈھا ہے اس کو گھر گھر ہم
کوفت سي کوفت، اپنے دل پر ہے
چھاتی کو ٹانکتے ہیں اکثر ہم

اب اپنی جان سے ہیں تنگ دم رکے ہے بہت
ملا ہی دیں گے تري تیغ سے گلو کو ہم

عشق ہمارے درپے جاں ہے، آئے گھر سے نکل کر ہم
باہر، پر دیکھا یہي فلک ہے جاویں کدھر چل کر ہم

کب تک یہ دز دیدہ نگاہیں عمداً آنکھیں جھکا لینا
دلبر ہوتے في الواقع تو آنکھیں یوں نہ چھپاتے تم
بعد نماز دعائیں کیں سو "میر" فقیر ہوے تم تو
ایسي مناجاتوں سے آگے کاش کہ ہاتھ اُٹھاتے تم

سو طرف لے جاتی ہے ہم کو پریشاں خاطري
یاں کسے ڈھونڈھو ہو تم، کیا جانئے کیدھر ہیں ہم

فاش نہ کرئے راز محبت، جانیں اس میں جاتي ہیں
درد دل آنکھوں سے ہر اک کے، تا مقدور چھپاؤ تم

صاحب اپنا ہے بندہ پرور "میر"
ہم جہاں سے نہ جائیں گے محروم

بہلانے کو دل' باغ میں آئے تھے سو بلبل
چلانے لگے ایسے کہ بیزار ہوئے ہم
اک عمر دعا کرتے رہے یار کو دن رات
دشنام کے اب اس کے سزاوار ہوئے ہم
ہم دام بہت وحشی طبیعت تھے' اٹھے سب
تھی چوٹ جو دل پر سو گرفتار ہوے ہم

بے کلی بے خودی کچھ آج نہیں
ایک مدت سے وہ مزاج نہیں
ہم نے اپنی سی کی بہت لیکن
مرضِ عشق کا علاج نہیں

اک دم تو چونک بھی پڑ شور و فغاں سے میرے
اے بخت خفتہ کب تک تیرے تئیں جگاؤں
اسود گی تو معلوم اے "میر" جیتے جی یاں
آرام تب ہی پاؤں جب جی سے ہاتھ اٹھاؤں

دم آخر ہے بیٹھ جا! مت جا
صبر کر ٹک کہ ہم بھی چلتے ہیں

بے روی و زلف یار ہے رونے سے کام یاں
دامن ہے منہہ پہ ابر نمط ، صبح و شام یاں
نا کام رہنے ہی کا تمہیں غم ہے آج "میر"
بہتوں کے کام ہو گئے ہیں کل تمام یاں

نہ کہا تھا اے رفو گر مرے ٹانکے ہوں گے ڈھیلے
نہ سیا گیا یہ آخر دل چاکِ بے قراراں

متصل روتے ہی رہئے تو بجھے آتش دل
ایک دو آنسو تو اور آگ لگا جاتے ہیں
وقت خوش ان کا جو ہم بزم ہیں تیرے ، ہم تو
در و دیوار کو احوال سنا جاتے ہیں
ایک بیمار جدائی ہوں میں آپ ہی ، تس پر
پوچھنے والے جدا جان کو کھا جاتے ہیں

کہیو قاصد جو وہ پوچھے ہمیں کیا کرتے ہیں
جان و ایمان و محبت کو دعا کرتے ہیں

اس کے کوچے میں نہ کر شورِ قیامت کا ذکر
شیخ یاں ایسے تو ہنگامے ہوا کرتے ہیں
تجھ بن ، اس جان مصیبت زدہ غمدیدہ پہ ہم
کچھ نہیں کرتے تو افسوس کیا کرتے ہیں

آتے ہیں مجھے خوب سے دونوں ہنر عشق
رونے کے تئیں آندھی ہوں کڑھنے کو بلا ہوں

اس گلشن دنیا میں شگفتہ نہ ہوا میں
ہوں غنچۂ افسردہ کہ مردود صبا ہوں

دل خواہ جلا اب تو مجھے اے شب ہجراں
میں سوختہ بھی منتظر روز جزا ہوں

ناموس دوستی سے گردن پھنسی ہے اپنی
جیتے ہیں جب تلک ہم، تب تک نباہتے ہیں

سہل اس قدر نہیں ہے مشکل پسندی میری
جو تجھ کو دیکھتے ہیں مجھ کو سراہتے ہیں

جی انتظارکش ہے آنکھوں میں رہگذر پر
آ جا نظر کہ کب تک میں تیری راہ دیکھوں

آنکھیں جو کھل رہی ہیں مرنے کے بعد میری
حسرت یہ تھی کہ اس کو میں اک نگاہ دیکھوں

آنکھیں تو تونے دی ہیں اے جرم بخش عالم
کیا تری رحمت آگے، اپنے گناہ دیکھوں

چہرے پہ جیسے زخم ہے ناخن کا ہر خراش
اب دیدنی ہوئی ہیں مری دست کاریاں

تربت سے عاشقوں کے نہ اوٹھا کبھو غبار
جی سے گئے ولے نہ گئیں رازداریاں

دکھتا ہے سوز عشق سے دوزخ میں روز و شب
لے جائے گا یہ سوختہ دل ، کیا بہشت میں
آسودہ کیونکہ ہوں میں کہ مانند گرد باد
آوارگی تمام ہے میری سرشت میں
کب تک خراب سعي طواف حرم رہوں
دل کو اٹھا کے بیٹھ رہوں کا کنشت میں

خار کر جن نے لڑي موتي کی کر دکھلایا
اس بیابان میں وہ آبلہ پا میں ہی ہوں

" میر " آوارہ عالم جو سنا ہے تونے
خاک آلودہ وہ اے باد صبا میں ھي ہوں

جاتا ہے اک ہجوم غم عشق جی کے ساتھ
یہ وہ نہیں متاع کہ ہو ، ہر دکان میں

غم کھینچنے کو کچھ تو توانائی چاہئے
سو یاں نہ دل میں تاب نہ طاقت ہے جان میں

وے دن گئے کہ آتش غم دل میں تھی نہاں
سوزش رهی هے اب تو هر اک استخوان میں

خرد مندی هوئی زنجیر ' ورنہ
گذرتی خوب تھی دیوانہ پن میں
گداز عشق میں یہ بھی گیا " میر "
یہی دھوکا سا هے اب پیرهن میں

ان آئینہ رویوں کے کیا " میر " بھی عاشق هیں
جب گھر سے نکلتے هیں حیران نکلتے هیں

حسنِ کلام کھینچے کیوں کر نہ دامن دل
اس کام کو هم آخر محبوب کر چکے هیں

هم آپ هی کو اپنا مقصود جانتے هیں
اپنے سوائے کس کو موجود جانتے هیں
عجزو و نیاز اپنا ' اپنی طرف هے سارا
اس مشت خاک کو هم موجود جانتے هیں

مانند شمع هم نے ' حضور اپنے یار کے
کار وفا تمام کیا ایک آہ میں

میں صید جو ہوا تو ندامت اُسے ہوئی
اک قطرۂ خون بھی نہ گرا صید گاہ میں

نہ تلگ کر اُسے اے فکر روزگار کہ میں
دل اُس صنم کے لئے مستعار لایا ہوں
چلا نہ اوٹھ کے وہیں چپکے چپکے پھر تو ''مہر''
ابھی تو اس کی گلی سے پکار لایا ہوں

جفائیں دیکھ لیںا بے وفائیاں دیکھیں
بھلا ہوا کہ تری سب برائیاں دیکھیں

صبر و طاقت کو کڑھوں یا خوش دلی کا غم کروں
اس میں حیراں ہوں بہت، کس کس کا میں ماتم کروں
گرچہ میں گنتی میں ہوں، پر ایک دم مجھ تک تو آ
یا اِدھر ہوں یا اُدھر، کب تک شمار دم کروں

کہیں مست، چالاک، ناخن نہ لاگے
کہ سینہ ہے قرب وجوار گریباں
نشاں اشک خونی کے اڑتے چلے ہیں
خزاں ہو چلی ہے بہار گریباں

پاس مجھ کو بھي نہيں ہے "میر" اب
دور پہونچي ہيں مری رسوائیاں

لایا ہے مرا شوق مجھے پردے سے باہر
میں ورنہ وہي خلوتئي راز نہاں ہوں
دیکھا ہے مجھے جن نے سو دیوانہ ہے میرا
میں باعث آشفتگئي طبع جہاں ہوں
ہوں زرد غم تازہ نہالان چمن سے
اس باغ خزاں دیدہ میں، میں برگ خزاں ہوں
رکھتي ہے مجھے خواہش دل بسکہ پریشاں
در پے نہ ہو، اس وقت خدا جانے کہاں ہوں

کبھے داغ رہتا ہے، گہہ دل جگر خوں
ان آنکھوں سے کیا کیا ستم دیکھتے ہیں

جی میں پھرتا ہے "میر" وہ میرے
جاگتا ہوں کہ خواب کرتا ہوں

پری سمجھے تجھے وہم و گماں سے
کہاں تک اور ہم دل اب جلاویں

مري نمود نے مجھ کو کیا برابر خاک
میں نقش پا کي طرح پائمال اپنا ہوں

سید ہو یا چمار ہو اس جا وفا ہے شرط
کب عاشقي میں پوچھتے ہیں ذات کے تئیں

ملنے لگے ہو دیر دیر ' دیکھئے کیا ہے کیا نہیں
تم تو کرو ہو صاحبي ' بندے میں کچھ رہا نہیں
ہوئے گل اور رنگ گل دونوں ہیں دل کش' اے نسیم
لیک بہ قدر یک نگاہ دیکھئے تو وفا نہیں

کوئي تو زمزمہ کرے میرا سا دل خراش
یوں تو قفس میں اور گرفتار بہت ہیں

خوبرو سب کي جان ہوتے ہیں آرزوے جہان ہوتے ہیں
کبھو آتے ہیں آپ میں تجھ بن گھر میں ہم مہمان ہوتے ہیں

سینے پہ داغ کا احوال میں پوچھوں ہوں نسیم
یہ بھي تختہ کبھو ہو وے گا سزاوار چمن

کم نہیں ہے دل پر داغ بھي اے مرغ اسیر
گل میں کیا ہے جو ہوا ہے تو طلب گار چمن

کتني باتیں بنا کے لاؤں ایک
یاد رہتي ترے حضور نہیں

پھر جئیں گے جو تجھ سا ہے جاں بخش
ایسا جینا ہمیں ضرور نہیں
عام ہے یار کی تجلی "مہر"
خاص موسیٰ و کوہ طور نہیں

آنا وہ تیرے کوچے میں ہوتا جو "مہر" یاں
کیا جانئے کدھر کو گیا کچھ خبر نہیں

سمجھ کر ذکر کر آسودگی کا مجھ سے اے ناصح!
وہ میں ہی ہوں کہ جس کو عاقبت بیزار کہتے ہیں

داد لے چھوڑوں میں صیاد سے اپنے لیکن
ضعف سے میرے تئیں طاقت فریاد نہیں

اک لحظہ سینہ کوبی سے فرصت ہمیں نہیں
یعنی کہ دل کے جانے کا ماتم بہت ہے یاں
اس بتکدے میں معنی کا کس سے کریں سوال
آدم نہیں ہے صورت آدم بہت ہے یاں
میرے ہلاک کرنے کا غم ہے عبث تمہیں
تم شاد زندگانی کرو غم بہت ہے یاں
شاید کہ کام صبح تک اپنا کھینچے نہ "میر"
احوال آج شام سے درہم بہت ہے یاں

چھوٹنا ممکن نہیں اپنا قفس کے قید سے
مرغ سحر آہنگ کو کوئی رہا کرتا نہیں

سینہ سپر کیا تھا جن کے لئے بلا کا
وے بات بات میں اب ' تلوار کھینچتے ہیں
ناوک سے " میر " اس کے دل بستگی تھی مجھ کو
پیکاں جگر سے میرے دشوار کھینچتے ہیں

سرخ رہتی ہیں مری آنکھیں لہو رونے سے شیخ
مے اگر ثابت ہو مجھپر ' واجب‌التعزیر ہوں

خلاف اِن ابر خوباں کے ' سدا یہ جی میں رہتا ہے
یہی تو " میر " اک خوبی ہے معشوق خیالی میں

سنا جاتا ہے شہر عشق کے گرد
مزاریں ہی مزاریں ہوگئی ہیں

خوش نہ آئی تمھاری چال ہمیں
یوں نہ کرنا تھا پائمال ہمیں
حال کیا پوچھ پوچھ جاتے ہو
کبھی پاتے بھی ہو بحال ہمیں

وجه کیا هے که "میر" منهه په ترے
نظر آتا هے کچهه ملال همیں

همیں تو نزع میں شرمندہ آکے تم نے کیا
رها هے ایک رمق جي سو کیا نثار کریں

موے ' سهتے سهتے جفا کاریاں کوئي هم سے سیکهے وفاداریاں

دن نهیں ' رات نهیں ' صبح نهیں ' شام نهیں
وقت ملنے کا مگر داخل ایام نهیں
بیقراري جو کوئي دیکهے هے سو کهتا هے
کچهه تو هے "میر" که اک دم تجهے آرام نهیں

آرزوئیں هزار رکهتے هیں تو بهی هم دل کو مار رکهتے هیں
غیر هی مورد عنایت هے هم بهی تو تم سے پیار رکهتے هیں

بت ' برهمن کوئی نا محرم نهیں الله کا
هے حرم میں شیخ ' لیکن "میر" وہ محرم نهیں

خدا جانے که دنیا میں ملیں اُس سے که عقبیٰ میں
مکاں تو "میر" صاحب شهرۂ عالم هیں یه دونوں

ہے تکلف نقاب وے رخسار
کیا چھپیں ' آفتاب ہیں دونوں
سو جگہ اُس کي آنکھیں پڑتي ہیں
جیسے مست شراب ہیں دونوں
آگے دریا تھے ' دیدۂ تر " میر "
اب جو دیکھو ! سراب ہیں دونوں

——

مدعي ' مجھ کو کھڑے صاف برا کہتے ہیں
چپکے تم سنتے ہو بیٹھے ' اِسے کیا کہتے ہیں ؟
عشق کے شہر کی بھی رسم کے ہیں کشتے ہم
درد جاں کاہ جو ہو اُس کو دوا کہتے ہیں

——

اپنا ہی ہاتھ سر پہ رہا اپنے ' یاں سدا
مشفق کوئي نہیں ہے ' کوئي مہرباں نہیں
اِس عہد کو نہ جانیے اگلا سا عہد " میر "
وہ دور اب نہیں ' وہ زمین آسماں نہیں

——

کوئی بجلی کا ٹکرا اب تلک بھی
پڑا ہوگا ہمارے آشیاں میں
پھرے ہے چھانتا ہی خاک اے " میر "
ہوس کیا ہے مزاج آسماں میں

——

اُٹھاتے ہاتھ کیوں نومید ہو کر
اگر پاتے اثر کچھ ہم دعا میں
کہے ہے ہر کوئی ' اللہ میرا
عجب نسبت ہے بندے میں ' خدا میں
بلا ' تہ‌دار بحر عشق نکلا
نہ ہم نے انتہا کی ابتدا میں
اگرچہ خشک ہیں جیسے پر کاہ
اڑے ہیں "میر" لیکن ہم ہوا میں

دیرو حرم سے تو تو ' ٹک گرم ناز نکلا
ہنگامہ ہو رہا ہے اب شیخ و برہمن میں

فہم میں میرے نہ آیا ' پردہ در ہے طفل اشک
روؤں کیا ' اے ہم‌نشیں ! میں اپنی نادانی کے تئیں ؟
جب جلے چھاتی بہت ' تب اشک افشاں ہو نہ "میر"
کیا ' جو چھڑکا اِس دھکتی آگ پر ' پانی کے تئیں ؟

کیا کہوں ؟ اول بہ‌خود تو دیر میں آتا ہوں میں
پھر جو یاد آتا ہے وہ ' چپکا سا رہ جاتا ہوں میں
اِک جگہ ' کب ٹھیرنے دے ہے یہ مجھ‌کو روزگار
کیوں تم اُکتاتے ہو اِتنا آج کل ؟ جاتا ہوں میں
ہے کمال عشق ' پر بے‌طاقتی دل کی دلیل
جلوۂ دیدار کی اب تاب کب لاتا ہوں میں

بس چلے تو راہ اُدھر کی میں نہ جاؤں ، لیک " میر "
دل مرا رہتا نہیں ہر چند سمجھاتا ہوں میں

مدت ہوئی کہ بیچ میں پیغام بھی نہیں
نامے کا اُس کی مہر سے اب نام بھی نہیں
ایام ہجر کریے بسر کس اُمید پر
ملنا اُنھوں کا صبح نہیں ، شام بھی نہیں

روؤں تو آتشِ دل شمع نمط بجھتی نہیں
مجھ کو لیجا کے ڈبو دیویں مگر پانی میں
محو کر آپ کو یوں ہستی میں اُس کی جیسے
بوند پانی کی نہیں آتی نظر پانی میں

خاک اُڑاتا اشک افشاں ، آن نکلوں میں تو پھر
دشت کو دریا کروں ، بستی کے تئیں صحرا کروں

کیا کوفتیں اُٹھائیں ہجراں کی ، درد و غم میں ؟
تڑپا ہزار نوبت ، دل ایک ایک دم میں

عشق میں جی کو صبر و تاب کہاں ؟
اِس سے آنکھیں لگیں ، تو خواب کہاں ؟

بےکلی دل ہی کی تماشا تھی
برق میں ایسے اضطراب کہاں ؟
ہستی اپنی ہے بیچ میں پردا
ہم نہ ہوویں ، تو پھر حجاب کہاں ؟
گریۂ شب سے سرخ ہیں آنکھیں
مجھ بلا نوش کو شراب کہاں ؟
عشق کا گھر ہے "میر" سے آباد
ایسے پھر خانماں‌خراب کہاں ؟

کاشکے ، دل دو تو ہوتے عشق میں
ایک رہتا ، ایک کھوتے عشق میں

جا ، ہمیں اُس گلی میں گر رہنا
ضعف و بےطاقتی بہانے ہیں
عشق کرتے ہیں اُس پری‌رو سے
"میر" صاحب بھی کیا دوانے ہیں

اضطراب و قلق و ضعف ہیں گر "میر" یہی
زندگی ہو چکی اپنی تو اِن آزاروں میں

ابکے جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے
دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں

کھلے لطافت اُس تن نازک کی "میر" کیا ؟
شاید یہ لطف ہوگا کسو جان پاک میں

خاک ہوئے ، برباد ہوئے ، پامال ہوئے ، سب محو ہوئے
اور شدائد عشق کے روکے ، کیسے ہم ہموار کریں ؟
زردیٔ رخ ، رونا ہر دم کا ، شاہد دو جب ایسے ہیں
چاہت کا ، انصاف کرو تم ، کیوں کر ہم انکار کریں ؟

ہوتا ہے گرم کیا تو ، اے آفتاب خوبی !
اک آدہ دم میں میں تو ، شبنم‌نمط ہوا ہوں

ہے عاشقی کے بیچ ، ستم دیکھنا ہی لطف
مر جانا آنکھیں موند کے یہ کچھ ہنر نہیں

نکلے ہوس ، جو اب بھی ہو وارھی قفس سے
شایستۂ پریدن دو چار پر رہے ہیں
نے غم ہے ہم کو یاں کا ، نے فکر کچھ ہے واں کا
صدقے جلوں کے ، کیا ہم بے درد سر رہے ہیں

یوں قیدیوں سے کب تئیں ہم تنگ‌تر رہیں ؟
جی چاہتا ہے ، جاکے کسو اور مر رہیں

کیا کیا لقب ھیں ' شوق کے عالم میں ' یار کے ؟
کعبہ لکھوں کہ قبلہ اُسے یا خدا لکھوں ؟

کیا کہیے ' آہ ' جي کو قیامت ہے انتظار
آتا نہ کاش وعدۂ دیدار درمیاں
بازار میں دکھائي ہے کب اُس نے جنس حسن
جو بک نہیں گئے ہیں خریدار درمیاں

تم تو اب آنے کو پھر کہہ چلے ھو کل ' لیکن
بےکل ایسا ھي رہا شب ' تو یہ بیمار کہاں ؟
گوکہ گردن تئیں یاں کوئی لہو میں بیٹھے
ھاتھہ اُٹھاتا ھے جفا سے وہ ستمگار کہاں ؟

اے ! مجھہ سے تجھہ کو سو ملے ' تجھہ سا نہ پایا ایک میں
سو سو کہیں تونے مجھے ' منھہ پر نہ لایا ایک میں
عالم کی میں نے سیر کي ' مجھہ کو جو خوش آیا سو تو
سب سے رہا محظوظ تو ' تجھہ کو نہ بھایا ایک میں

چمن میں جاکے بھرو تم گلوں سے جیب و کنار
ھم اپنے دل ھی کے ٹکڑوں سے گل بداماں ھیں
رہا ھے کون سا پردا ترے ستم کا شوخ ؟
کہ زخم سینہ ھمارے سبھی نمایاں ھیں

جور کیا کیا ، جفائیں کیا کیا ہیں؟
عاشقی میں بلائیں کیا کیا ہیں

گلہ عشق کا ، بد خلقت سے ہے
غم دل کی ، کچھ انتہا ہی نہیں
وہ کیا کچھ نہیں حسن کے شہر میں؟
نہیں ہے تو رسم وفا ہی نہیں
نہیں دیر اگر ، "میر" کعبہ تو ہے
ہمارے ، کوئی کیا خدا ہی نہیں

اندیشہ زاد رہ کا رکھیے تو ہے مناسب
چلنے کو یاں سے اکثر تیار قافلے ہیں

محبت نے کھویا کھپایا ہمیں
بہت اس نے ڈھونڈھا نہ پایا ہمیں
پھرا کرتے ہیں دھوپ میں جلتے ہم
ہوا ہے ، کہے تو کہ سایا ہمیں
گہے تر رہیں ، گاہ خوں بستہ تھیں
اِن آنکھوں نے کیا کیا دکھایا ہمیں
نہ سمجھی گئی دشمنی عشق کی
بہت ، دوستوں نے جتایا ہمیں

جلوں نے تماشا بنایا ہمیں
رہا دیکھ اپنا پرایا ہمیں
سدا، ہم تو کھوئے گئے سے رہے
کبھو آپ میں تم نے پایا ہمیں؟
شب، آنکھوں سے دریا سا بہتا رہا
اِنہیں نے کنارے لگایا ہمیں
جلیں پیش و پس جیسے شمع و پتنگ
جلا وہ بھی جس نے جلایا ہمیں

دے سخن جو ہے تو مرا چشم و دل کی اور
تم سے خدا نہ خواستہ مجھ کو گلا نہیں

کیا کہیں، آتش ہجراں سے گلے جاتے ہیں
چھاتیاں سلگیں ہیں ایسی کہ جلے جاتے ہیں

معلوم نہیں، کیا ہے لب سرخ بتاں میں
اِس آتش خاموش کا ہے شور جہاں میں
یہ دل جو شکستہ ہے سو بے لطف نہیں ہے
ٹھہرو کوئی دم آن کے، اِس ٹوٹے مکاں میں
وے یاسمن تازہ شگفتہ میں کہاں "میر"
پائے گئے لطف، اُس کے جو پانوؤں کے نشاں میں

غفلت دل سے ستم گذریں ہیں سو مت پوچھو
قافلے چلنے کو تیار ہیں، ہم خواب میں ہیں

اِس سے کیا دور؟ جو بہتے بھی ہیں اپنے اغیار
پاس، اِس طور کے بھی عشق کے آداب میں ہیں

ہم بھی اِس شہر میں اُن لوگوں سے ہیں، خانہ خراب
"میر"! گھر بار جنوں کے رہ سیلاب میں ہیں

نگاہ حسرت بت، دیر سے جانے کی مانع ہے
مزاج اپنا بہت چاہا کہ سوے کعبہ لاؤں میں

رو چکا خونِ جگر سب، اب جگر میں خوں کہاں؟
غم سے پانی ہوکے کب کا بہہ گیا، میں ہوں کہاں؟

عاشق و معشوق یاں آخر فسانے ہو گئے
جاے گریہ ہے یہاں، لیلیٰ کہاں مجنوں کہاں؟

اِس جنوں میں کہیں ہے سر پر خاک
ٹکڑے ہوکر گیا لباس کہیں

ظلم و ستم کیا؟ جور و جفا کیا؟ جو کچھ کہیے اُٹھاتا ہوں
خفت کھینچ کے جاتا ہوں؛ رہتا نہیں دل، پھر آتا ہوں

پھاڑ کے خط کو گلے میں ڈالا، شہر میں سب تشہیر کیا
سامنے ہوں قاصد کے کیوں کر؟ اُس سے میں شرماتا ہوں

بھلے فریب لطف سے اُس کے، کچھ نہ ھوا معلوم مجھے
اب جو چاہ نے بدلیں طرحیں، کڑھتا ھوں پچھتاتا ھوں

یہ تصرف عشق کا ھے سب، وگرنہ ظرف کیا ؟
ایک عالم غم سمایا خاطر ناشاد میں

رفتگاں میں جہاں کے ھم بھی ھیں
ساتھ اِس کارواں کے ھم بھی ھیں
جس چمن‌زار کا ھے تو گلِ تر
بلبل اُس گلستاں کے ھم بھی ھیں
وجہ بیگانگی نہیں معلوم
تم جہاں کے ھو، واں کے ھم بھی ھیں

رھے بہتے دریا میں گرداب سے
وطن میں بھی ھیں ھم سفر میں بھی ھیں

دل کے الجھاؤ کو کیا تجھ سے کہوں، اے ناصح
تو کسو زلف کے پھندے میں گرفتار نہیں
اُس کے کاکل کی پہیلی، کہو ؟ تم بوجھے "میر"
کیا ھے ؟ زنجیر نہیں، دام نہیں، مار نہیں

جہاں سے دیکھیے، اِک شعر شورانگیز نکلے ہے
قیامت کا سا ہنگامہ ہے ہر جا میرے دیواں میں

——

بہ حالِ سگ، پھرا کب تک کروں یوں اُس کے کوچے میں
خجالت کھینچتا ہوں "میر" آخر میں بھی انساں ہو

——

جہاں ہو تیغ بہ کف کوئی سادہ، جا لگتا
اب اپنی جان کا کچھ احتیاط مجھ کو نہیں
ہوا ہوں فرطِ اذیت سے میں تو، سن، اے "میر"
تمیز رنج و خیالِ نشاط، مجھ کو نہیں

——

بہار آئی، کھلے گل، پھول، شاید باغ صحرا میں
جھلک سی مارتی ہے کچھ سیاہی داغ صحرا میں

——

جاے ہے جی، نجات کے غم میں ایسی جنت گئی جہنم میں
بےخودی پر نہ "میر" کی جاؤ تم نے دیکھا ہے اور عالم میں

——

دیکھ، اُسے، ہو ملک سے بھی لغزش
ہم تو دل کو سنبھال لیتے ہیں

——

تڑپے ہے متصل وہ کہاں ایسی روز و شب ؟
ہے فرق ''میر'' برق و دل بےقرار میں

گھبرا کے یوں لگے ہے سینے میں دل تڑپنے
جیسے اسیر تازہ بےتاب ہو قفس میں

مرنا ہے خاک ہونا، ہو خاک اڑتے پھرنا
اِس راہ میں ابھی تو درپیش مرحلے ہیں
کس دن چمن میں، یا رب! ہوگی صبا گل افشاں ؟
کتنے شکستہ‌پر ہم، دیوار کے تلے ہیں

شرر سے، اشک ہیں اب چشم تر میں
لگی ہے آگ، اِک میرے جگر میں
نگوں عاشق و معشوق کے رنگ
جدا رہتے ہیں ہم وے ایک گھر میں
بلا ہنگامہ تھا کل اُس کے در پر
قیامت گم ہوئی اُس شور و شر میں
رہا تھا دیکھ ایدھر ''میر'' چلتے
عجب اِک نا اُمیدی تھی نظر میں

قصور اپنے ہی طول عمر کا تھا
نہ کی تقصیر اُن نے تو جفا میں

جھمکنے لگا خوں تو جائے سرشک
ابھی دیکھیں آنکھیں ہمیں کیا دکھائیں
خدا ساز تھا آزر بت تراش
ہم اپنے تئیں آدمی تو بنائیں
ہمیں بے نیازی نے بٹھلا دیا
کہاں اِتنی طاقت کہ منت اُٹھائیں

مجھ کو دماغ وصف گل و یاسمن نہیں
میں، جوں نسیم، باد فروش چمن نہیں
ہم کو خرام ناز سے مت خاک میں ملا
دل سے ہے جن کو راہ، یہ اُن کا چلن نہیں

مدت ہوئی کہ کوئی نہ آیا ادھر سے یاں
جاتی رہی جان اُسی رہگذر سے یاں
وہ آپ چل کے آوے تو شاید کہ جی رہے
ہوتی نہیں تسلیِ دل، اب خبر سے یاں

وہ تو نہیں کہ دیکھیں اُس آئینہ رو کو صبح
ہم کس اُمید پر شب غم کو سحر کریں
لاویں کہاں سے خون دل اتنا کہ "میر" ہم
جس وقت بات کرنے لگیں، چشم تر کریں

کیا راہ چلنے سے ہے اے "میر"! دل مکدر
تو ہي نہیں مسافر ' ہے عمر بھی گذو میں

——

شاید کہ جان و تن کي جدائي بھی ہے قریب
جي کو ہے اضطراب بہت اب فراق میں

——

زباں سے ہماری ہے صیاد خوش   ہمیں اب اُمید رہائی نہیں

——

جی ھی جائے ہے "میر" جو اپنا دیر کی جانب کیا کریے
یوں تو مزاج ' طرف کعبے کے ' بہتیرا ہم لائے ہیں

——

حساب پاک ہو روز شمار میں' تو عجب
گناہ اِتنے ہیں میرے کہ کچھ حساب نہیں
تلاش "میر" کی اب میکدوں میں کاھے کریں
کہ مسجدوں میں تو وہ خانماں خراب نہیں

——

وہ جو خرام ناز کرے ہے ' ٹھوکر دل کو لگتی ہے
چوٹ کے اوپر چوٹ پڑے ہے ' دل ہے میرا سنگ نہیں
ہم بھی عالم فقر میں ہیں پر ہم سے جو مانگے کوئي فقیر
ایک سوال میں دو عالم دیں ' اِتنے دل کے تنگ نہیں

شعر "میر" بھی پڑھتا ھے تو اور کسو کا لے کر نام
کیوں کر کہیے اُس ناداں کو نام سے میرے ننگ نہیں

برے حال اُس کے گلي میں ھیں "میر"
جو اٹھ جائیں واں سے تو اچھا کریں

پاؤں کو دامن محشر میں ناچاري سے ھم کھینچیں گے
لائق اپني وحشت کے اُس عرصے کا میدان نہیں

یوں ناکام رھیں گے کب تک ? جی میں ھے اِک کام کریں :
رسوا ھوکر مارے جاویں ' اُس کو بھي بدنام کریں

سنتا نہیں ھے شعر بھی وہ حرف‌ناشنو
دل ھی میں خوں ھوا کیں مري نکتہ دانیاں

کسو سے دل نہیں ملتا ھے ' یارب !
ھوا تھا کس گھڑي اُن سے جدا میں

دل ھے داغ ' جگر ٹکڑے ; رہ جاتے ھیں چپ کے سے
چھاتي سراھیے اُن لوگوں کي جو چاھت کو نباھیں ھیں

دل اُلجھے اِن بالوں میں، تو آخر سودا ہوتا ہے
کوچے کو زنجیر کے یعني زلفوں سے دو راہیں ہیں

رونا روز شمار کا مجھ کو آٹھ پہر اب رہتا ہے
یعنے میرے گناہوں کو کچھ حصر و حد و حساب نہیں

دیکھی تھیں ایک روز تري مست انکھڑیاں
انگڑائیاں هي لیتے ہیں اب تک خمار میں
شور اب چمن میں میري غزل‌خواني کا ہے "میر"
اِک عندلیب کیا ہے کہوں میں ہزار میں

عشق کے دیوانے کی سلاسل ہلتی ہے تو توڑ دیں ہم
بگڑے پیل مست کی سی زنجیروں کی جھنکاریں ہیں

کیا کیا مردم خوش‌ظاہر ہیں عالم حسن میں، نام خدا
عالم عشق خرابہ ہے، واں کوئی گھر آباد نہیں
عشق کوئی ہم‌درد کہیں مدت میں پیدا کرتا ہے
کوہ رہیں گو نالاں برسوں، لیکن اب فرہاد نہیں

چلتے ہیں ناز سے جب، ٹھوکر لگے ہے دل کو
آتیں نہیں سمجھ میں اِن دلبروں کی چالیں

میکشی صبح و شام کرتا ہوں　　فاتحہ‌مستی مدام کرتا ہوں

قطعہ

کوئی ناکام یوں رہے کب تک　　میں بھی اب ایک کام کرتا ہوں
یا تو لیتا ہوں داد دل یا اب　　کام اپنا تمام کرتا ہوں

مر گئے نا امید ہم مجبور
خواہشیں جی کی اپنے جی میں رہیں
دیر سے "مہر" اُٹھ کے کعبے گئے
کہیے کیا ؟ نکلے جا کہیں کے کہیں

اُس سے گھبرا کے جو کچھ کہنے کو آجاتا ہوں
دل کی پھر دل میں لیے چپکے چلا جاتا ہوں
مجلس یار میں تو بار نہیں پاتا ہوں
در و دیوار کو احوال سنا جاتا ہوں

میں منہ نہیں لگایا بنت‌العنب کو کاہے
تب تھا جوان صالح ، اب پیر میکدہ ہوں

رنگینیء زمانہ سے خاطر نہ جمع رکھ
سو رنگ بدلے جاتے ہیں ، یاں ایک آن میں

آئے ہیں "میر" کافر ہوکر خدا کے گھر میں
پیشانی پر ہے قشقہ زنار ہے کمر میں

طرفہ خوش‌رو، دم خوں‌ریز ادا کرتے ہیں
وار جب کرتے ہیں منھ پھیر لیا کرتے ہیں
غم و اندوہ و بےتابی، الم، بے طاقتی، حرماں
کہوں، اے ہم نشیں! تاچند غم ہاے فراواں کو

یہ کیا جانوں ہوا سینے میں کیا اِس دل کو اب، ناصح
سحر خوں‌بستہ تو دیکھا تھا میں نے اپنی مژگاں کو
صداے آہ، جیسے تیر، جی کے پار ہوتی ہے
کسو بے درد نے کھینچا کسو کے دل سے پیکاں کو

کیا جانیے، اے گوہر مقصد! تو کہاں ہے
ہم خاک میں بھی مل گئے لیکن نہ ملا تو
اِس جینے سے اب دل کو اُٹھا بیٹھیں گے ہم بھی
ہے تجھ کو قسم، ظلم سے مت ہاتھ اُٹھا تو

خط لکھ کے کوئی سادہ نہ اُس کو ملول ہو
ہم تو ہوں بدگمان، جو قاصد رسول ہو
جاویں نثار ہونے کو ہم کس بساط پر
اِک نیم جاں رکھیں ہیں، سو وہ جب قبول ہو

آہ کس تعب سے روئیے کم کم ‏ ‏ شوق حد سے زیادہ ہے ہم کو
دوستی ایک سے بھی تجھ کو نہیں ‏ ‏ اور سب سے عناد ہے ہم کو
نامرادانہ زیست کرتا تھا ‏ ‏ "میر" کا طور یاد ہے ہم کو

خدا کرے کہ نصیب اپنے ہو نہ آزادی
کدھر کے ہوجے، جو بے بال و پر رہائی ہو
اُس آفتاب سے تو فیض سب کو پہونچے ہے
یقین ہے کہ کچھ اپنی ہی نارسائی ہو
ہزار مرتبہ بہتر ہے بادشاہی سے
اگر نصیب ترے کوچے کی گدائی ہو

گر ذوق سیر ہے، تو آوارہ اِس چمن میں
مانند عندلیب گم‌کردہ‌آشیاں ہو
اُس تیغ‌زن سے کہیو، قاصد! مری طرف سے
اب تک بھی نیم‌جاں ہوں، گر قصد اِمتحاں ہو

عشق کیا کیا ہمیں دکھاتا ہے ‏ ‏ آہ تم بھی تو اِک نظر دیکھو
ہر خراش جبیں جراحت ہے ‏ ‏ ناخن شوق کا ہنر دیکھو

آرام ہوچکا مرے جسم نزار کو
رکھے خدا جہاں میں دلِ بےقرار کو

ہنستا ہی میں پھروں جو مرا کچھ ہو اختیار
پر کیا کروں میں دیدۂ بےاختیار کو

اچھی لگے ہے تجھ بن، گل گشت باغ کس کو
صحبت رکھے گلوں سے، اتنا دماغ کس کو

خاکِ حسرت‌زدگاں پر تو گزر بے وسواس
ان ستم کشتوں سے اب عرض تمنا کیا ہو

عالم ہے شوق کشتہ خلقت ہے تیری رفتہ
جانوں کی آرزو تو، آنکھوں کا مدعا تو

سجدے کا کیا مضائقہ محراب تیغ میں
پر یہ تو ہو کہ نعش پہ میری نماز ہو
اک دم تو ہم پہ تیغ کو تو بے دریغ کھینچ
تا عشق میں، ہوس میں، تنک امتیاز ہو
جوں توں کے اس کی چاہ کا پردا کیا ہے میں
اے چشم گریہ‌ناک نہ افشاے راز ہو

نالہ اگر مرا سبب شور و شر نہ ہو
پھر مر بھی جائیے، تو کسو کو خبر نہ ہو

صبح سے یاں پھر جان و دل پر، روز قیامت رہتی ہے
رات کبھو آ رہتے ہو تو یہ دن ہم کو دکھاتے ہو

ہائے اُس زخمی شمشیر محبت کا جگر
درد کو اپنے جو ناچار چھپا رکھتا ہو
گل ہو، مہتاب ہو، آئینہ ہو، خورشید ہو "میر"
اپنا محبوب وہی ہے جو ادا رکھتا ہو

سرو، گل اچھے ہیں دونوں رونق ہیں گلزار کی لیک
چاہیے رو اُس کا سا رو ہو، قامت ویسا قامت ہو
ہو جو اِرادہ رہنے کا رہ سکیے تو رہیے آپ
ہم تو چلے جاتے ہیں ہر دم کس کو قصد اقامت ہو
شور و شغب کو راتوں کے ہمسائے تمہارے کیا روویں
ایسے فتنے کتنے اُٹھیں گے "میر" جی تم جو سلامت ہو

خبطی اِتنی بھی تو لازم نہیں اِس موسم میں
پاس جوش گل و دل‌گرمیِ ایام کرو
سایۂ گل میں لب جو پہ گلابی رکھو
ہاتھ میں جام کو لو، آپ کو بدنام کرو
رات تو ساری گئی سنتے پریشاں‌گوئی
"میر" جی کوئی گھڑی تم بھی تو آرام کرو

هیں یہاں مجھ سے وفا پیشہ نہ بیداد کرو
نہ کرو ایسا کہ پھر میرے تئیں یاد کرو

دل صاف ہو، تو جلوہگہہ یار کیوں نہ ہو؟
آئینہ ہو، تو قابل دیدار کیوں نہ ہو؟
رحمت، غضب میں نسبت برق و سحاب ہے
جس کو شعور ہو، تو گنہگار کیوں نہ ہو؟
ہردم کی تازہ مرگ جدائي سے تنگ ہوں
ہونا جو کچھہ ہے، آہ، سو اِک بار کیوں نہ ہو؟

کامل ہو اِشتیاق تو اِتنا نہیں ہے دور
حشر دگر پہ وعدۂ دیدار کیوں نہ ہو؟
شاید کہ آوے پرسش احوال کو کبھو
عاشق بھلا سا ہووے، تو بیمار کیوں نہ ہو؟

مجنوں جو دشت گرد تھا، ہم شہر گرد ہیں
آوارگي ہماري بھی مذکور کیوں نہ ہو؟

ہردم وہ شوخ دست بہ شمشیر کیوں نہ ہو؟
کچھہ ہم نے کي ہے ایسي ہی تقصیر کیوں نہ ہو؟

وے جو مست بےخودی ھیں عیش کرتے ھیں مدام
میکدے میں دھر کے مشکل ھے تک ھشیار کو

زیادہ حد سے تھي تابوت '' میر '' پر کثرت
ھوا نہ وقت مساعد یہ ناز کرنے کو

حال تم " میر '' کا اے اھل وفا مت پوچھو
اُس ستم کشتہ پہ جو گذري جفا مت پوچھو
ھوش و صبر و خرد و دین و حواس و دل و تاب
اس کے آتے ھي میں کیا کیا نہ گیا ' مت پوچھو

نالۂ شب نے کیا ھے جو اثر ' مت پو چھو
ٹکڑے ٹکڑے ھوا جاتا ھے جگر ' مت پو چھو

اُس کي طرز نگاہ ' مت پوچھو   جی ھي جانے ھے ' آہ ' مت پوجھو

قطعہ

تھا کرم پر اسي کے شرب مدام   میرے اعمال ' آہ ' مت پوچھو
تم بھي ' اے مالکان روز جزا   بخش دو اب گناہ ' مت پوچھو

کہنے سے "میر" اور بھي ہوتا ہے مضطرب
سمجھاؤں کب تک اِس دل خانہ خراب کو

چاہتا ہے جي کہ ہم تم ایک جا تنہا ملیں
ناز بےجا بھي نہ ہووے، کم‌نگاہي بھي نہ ہو

واماندگی نے مارا اثنائے رہ میں ہم کو
معلوم ہے پہنچنا اب کارواں تلک تو
افسانہ غم کا لب تک آیا ہے مدتوں میں
سو جائیو نہ پیارے اِس داستاں تلک تو
اے کاش خاک ہي ہم رہتے کہ "میر" اِس میں
ہوتي ہمیں رسائی اُس آستاں تلک تو

بے طاقتی میں شب کو پوچھو نہ ضبط میرا
ہاتھوں میں دل کو رکھا، دانتوں تلے جگر کو
ہے روزگار میرا ایسا ہی یہ کہ یارو
مشکل ہے فرق کرنا تک شام سے سحر کو
نزدیک ہے کہ جاویں ہم آپ سے، اب آؤ
ملتے ہیں دوستوں سے جاتے ہوئے سفر کو

نہ اک دم صبح تک بھي آنکھ لگنے دے گا دل جلنا
یہی پھر "میر" سا سر گرم آہ سرد ہوگا تو

بدزباں ہو، جیسے خوش أسلوب ہو
کیا کہیں جو کچھ کہ ہو تم خوب ہو

سائے میں ہر پلک کي خوابیدہ ھے قیامت
اس فتنۂ زماں کو کوئي جگا تو دیکھو
اشعار "میر" پر، ھے اب ھاے واے ہر سو
کچھ سحر تو نہیں ھے لیکن ہوا تو دیکھو

یہي مشہور عالم ہیں، دو عالم
خدا جانے ملاپ اُس سے کہاں ہو
جہاں سجدے میں ہم نے غش کیا تھا
وہیں شاید کہ اُس کا آستاں ہو
نہ دل سے جا، خدا کي تجھ کو سوگند
خدائی میں اگر ایسا مکاں ہو
تم اے نازک تمنا ہو کے سب کے
تمناے دل و آرام جاں ہو

تم تو تصویر ہوئے دیکھ کے کچھ آئینہ
اِتني چپ بھي نہیں ھے خوب، کوئی بات کرو

کیا ہم سے گنہگار ہیں یہ سب جو موئے ہیں
کچھ پوچھو نہ اُس شوخ کي رنجش کے سبب کو
ہوگا کسو دیوار کے سائے کے تلے "میر"
کیا ربط محبت سے اُس آرام‌طلب کو

تک نہ چل اے نسیم باغ کہ میں
رہ گیا ہوں چراغ سا ، گل ہو
مجھ دوانے کي مت ہلا زنجیر
کہیں ایسا نہ ہو کہ پھر غل ہو
منکشف ہو رہا ہے حال "میر"
کاش تک یار کو تامل ہو

اِس تن پہ نثار کرتے لیکن
اپنی بھي نظر میں ٹھہرے جاں تو
کیا کیا نہ عزیز خوار ہوں گے
ہونے دو اُسے ابھی جواں تو
کیا اُس سے رکھیں امید بہبود
پھرتا ہے خراب آسماں تو
یہ طالع نارسا بھی جاگیں :
سوجائے تک اُس کا پاسباں بھی
مت تربت "میر" کو مٹاؤ
رہنے دو غریب کا نشاں تو

رهتے هو تم آنکھوں میں، پھرتے هو تمھیں دل میں
مدت سے اگرچہ یاں آتے هو نہ جاتے هو

چھاتي، قفس میں داغ سے هو کیوں نہ رشک باغ
جوش بہار تھا کہ هم أئے اسیر هو
کس طرح، آہ، خاک ندامت سے میں أٹھوں؟
افتادہ تر جو مجھ سے مرا دست گیر هو
حد سے زیادہ جور و ستم خوش نما نہیں
ایسا سلوک کر کہ تدارک پذیر هو
دم بھر نہ ٹھہرے دل میں نہ آنکھوں میں ایک پل
اِتنے سے قد پہ تم بھي قیامت شریر هو

ٹک وقت خاص حق میں مرے کچھ دعا کرو
تم بھی تو "میر" صاحب و قبلہ فقیر هو

نہ لکھیں یار کو محضر همارے خون ناحق کا
دکھا دیویں گے هم محشر میں اُس کے دست رنگیں کو
لئے تسبیح هاتھوں میں جو تو باتیں بناتا هے
نہیں دیکھا هے واعظ تونے اُس غارت‌گر دیں کو
گیا کوچے سے تیرے اُٹھ کے "میر" آشفتہ‌سر شاید
پڑا دیکھا تھا میں نے رہ میں اُس کے سنگ بالیں کو

کیا کیا جوان ہم نے دنیا سے جاتے دیکھے
اے عشق بےمحابا دنیا ہو اور تو ہو
ایسی کہو گے کچھ تو، ہم چپکے ہو رہیں گے
ہر بات میں کہاں تک آپس میں گفتگو ہو
مت التیام چاہے پھر دل شکستگاں سے
ممکن نہیں کہ شیشہ ٹوٹا ہوا رفو ہو

اب جو نصیب میں ہے سو دیکھ لونگا میں ہی
تم دست لطف اپنا سر سے مرے اٹھا لو
یاران رفتہ ایسے کیا دورتر گئے ہیں
ٹک کر کے تیزگامی اُس قافلے کو جالو
یوں رفتہ اور بےخود کب تک رہا کرو گے
تم اب بھی "میر صاحب" اپنے تئیں سنبھالو

سر، خاک آستاں پہ تمہاری رہا مدام
اس پر بھی یا نصیب جو تم بے وفا کہو

سختیاں، دیکھیں تو، ہم سے چند کھنچواتا ہے عشق
دل کو ہم نے بھی کیا ہے اب تو پتھر، ہو سو ہو
کہتے ہیں ٹھہرا ہے تیرا اور غیروں کا بگاڑ
ہیں شریک اے "میر" ہم بھی تیرے، بہتر، ہو سو ہو

ہر چند ساتھ جان کے ہے عشق "میر" لیک
اِس درد لاعلاج کی کچھ تو دوا کرو

ہجر بتاں میں طبع پراگندہ ہی رہے
کافر بھی اپنے یار سے یارب جدا نہ ہو
آزار کھینچنے کے مزے عاشقوں سے پوچھ
کیا جانے وہ کہ جس کا کہیں دل لگا نہ ہو
کھینچا ہے آدمی نے بہت دور آپ کو
اِس پردے میں، خیال تو کر تک، خدا نہ ہو

ملتفت ہوتا نہیں ہے گاہ تو
کس قدر مغرور ہے اللہ تو
بے خودی رہتی ہے اب اکثر مجھے
حال سے میرے نہیں آگاہ تو
اُس کے دل میں کام کرنا کام ہے
یوں فلک پر کیوں نہ جا، اے آہ، تو
"میر" تو تو عاشقی میں کھپ گیا
مت کسی کو چند روز اب چاہ تو

عنایت ازلی سے جو دل ملا مجھ کو
محل شکر ہے، آتا نہیں گلا مجھ کو
پڑا رہے کوئی مردا سا کب تلک خاموش؟
ہلا کہیں، لب جاں بخش کو، جلا مجھ کو

درستی جیب کی اِتنی نہیں ہے اے ناصح
بلے تو سینۂ صد چاک دے سلا مجھ کو

سب سر گذشت سن چکے اب چپکے ہو رہو
آخر ہوئی کہانی مری، تم بھی سو رہو
خطرہ بہت ہے "میر" رہ صعب عشق میں
ایسا نہ ہو کہیں کہ دل و دیں کو کھو رہو

ہزار موسم گل تو گئے اسیری میں
دکھائی دے ہے: موئے ہي پہ اب رہائي ہو

مستی اُن آنکھوں سے نکلي ہے اگر دیکھو خوب
خلق بدنام عبث کرتی ہے جام مل کو

یاں جرم گنتے، انگلیوں کے خط بھی مٹ گئے
واں کس طرح سے دیکھیں ہمارا حساب ہو
ہستي پر ایک دم کی تمھیں جوش اِس قدر
اِس بحر موج خیز میں تم تو حباب ہو

قتل کیے پر غصہ کیا ہے؟ لاش مری اُٹھوانے دو
جان سے بھي ہم جاتے رہے ہیں؛ تم بھي آؤ، جانے دو

کرتے هو تم نیچی نظریں ' یہ ابھي کوئي مروت هے ؟
برسوں سے پھرتے هیں جدا هم ؛ آنکھ سے آنکھ ملانے دو

اب کے بہت هے شور بہاراں ' هم کو مت زنجیر کرو
دل کی هوس کچھہ هم بھي نکالیں ' دھومیں هم کو مچانے دو

کیا جاتا هے اِس میں همارا چپ کے هم تو بیٹھے هیں
دل جو سمجھنا تھا سو سمجھا ' ناصح کو سمجھانے دو

جب کبھو ایدھر سے نکلے هے ' تو اِک حسرت کے ساتھہ
دیکھے هے خورشید اُس کے سایۂ دیوار کو

سارے بازار جہاں کا هے یہی مول ' اے " میر " :
جان کو بیچ کے بھی دل کے خریدار رهو

هجراں کی سر گذشت مري گفتني نہیں
کیا کہیے تم سے قصۂ دور و دراز کو

شب ' آنکھہ مری لگنے نہیں دیتی هے بلبل
اِس مرغ کی بےتابيء آواز تو دیکھو

کیا بلاخیز جا هے کوچۂ عشق
تم بھي یاں " میر " مول اک گھر لو

هم کو دیوانگی، شہروں هی میں خوش آتی هے
دشت میں قیس رهو، کوہ میں فرهاد رهو
"میر" مل مل کے بہت خوش هوئے تم سے، پیارے
اِس خرابے میں، مری جان! تم آباد رهو

زخموں پر اپنے، نون چھڑکتے رها کرو
دل کو مزے سے بھی تو تنک آشنا کرو

سر پہ عاشق کے نہ یہ روز سیہ لایا کرو
جی اُلجھتا هے بہت مت بال سلجھایا کرو

اُڑایا غم نے اب کے سوکھے پتوں کی روش هم کو
الٰہی سبز رکھیو باغ خوبی کے نہالوں کو

جہاں میں دیر نہیں لگتی آنکھیں مندتے "میر"
تمھیں تو چاهیے هر کام میں شتاب! کرو

آلودہ خون دل سے صد حرف منھ پر آئے
مرغ چمن نہ سمجھا انداز گفتگو کو
دل "میر" دلبروں سے چاها کرے هے کیا کیا
کچھ انتہا نہیں هے عاشق کی آرزو کو

کام گئے ہیں شوق سے ضایع صبر نہ آیا یاروں کو
باز رکھا بے تابی دل نے ہم سب غم کے ماروں کو

تھي وفا و مہر تو بابت دیار عشق کي
دیکھیں شہر حسن میں اِس جنس کا کیا بھاؤ ہو

اِن اُجڑي ہوئی بستیوں میں دل نہیں لگتا
ہے جي میں وہیں جا بسیں ویرانہ جہاں ہو

کیا فرض، ہستی کی رخصت ہے مجھ کو
کہیں اپنے رونے سے فرصت ہے مجھ کو؟

اِن پلکوں کی کاوش سے زخمی ہے جگر سارا
لے تار نگاہوں کے، نازک سا رفو کیجو

مستي و دیوانگي کا عہد ہے بازار میں
پاےکوباں دستافشاں آن کر پیدا کرو

موسمِ گل آیا ہے، یارو! کچھ میري تدبیر کرو
یعني سایۂ سرو و گل میں اب مجھ کو زنجیر کرو

پھیر دیے ہیں دل لوگوں کے، مالک نے کچھ میری طرف
تم بھی تک، اے آہ و نالہ! قلبوں میں تاثیر کرو

خلع بدن کرنے سے عاشق، خوش رہتے ہیں اِس خاطر
جان و جاناں ایک ہیں یعنی بیچ میں تن جو حجاب نہ ہو
تر داری کچھ دیدۂ تر کی "میر" نہیں کم دریا سے
جوشاں، شورکناں آ جاوے ہے، یہ شعلہ سیلاب نہ ہو

اُمید ہے کہ اُس سے قیامت کو پھر ملوں
حسن عمل کی واں بھی مکافات ہو تو ہو
منکر نہیں ہے کوئی سیادت کا "میر" کی
ذات مقدس اُن کی بھی ذات ہو تو ہو

مجھے عشق اُس پاس یوں لے گیا
کوئی جیسے لاوے گنہگار کو

کیونکے نیچے ہاتھ کے رکھا دل بےتاب کو؟
وہ جو تڑپا لے گیا آسودگیء خواب کو
چاہتا ہے جب مسبب آپھی ہوتا ہے سبب
دخل اِس عالم میں کیا ہے عالم اسباب کو
دم بہ خود رہتا ہوں اکثر سر رکھے زانو پہ "میر"
حال کہہ کر کیا کروں آزردہ اور احباب کو

بے چین بستر پر رہا ' بے خواب خاکستر پہ ہوں
صبر و سکوں جب سے گئے پایا نہیں آرام کو
" میر " اب بھلا کیا ابتدائے عشق کو روتا ہے تو
کر فکر جو پاوے بھي اِس آغاز کے انجام کو

زندگي کرتے ہیں مرنے کے لیے اہل جہاں
واقعہ " میر " ہے درپیش عجب یاروں کو

ابتدا هي میں مرگئے سب یار
عشق کی پائی انتہا نہ کبھو

فرصت بود و باش یہاں کم ہے
کام جو کچھہ کرو شتاب کرو
" میر " جی ' راز عشق ہوگا فاش
چشم ہر لحظہ مت پر آب کرو

رہے آبرو " میر " تو ہے غنیمت
کہ غارت میں دل کي ہے ایمائے ابرو

چاہت میں خوبرویوں کی کیا جانے کیا نہ ہو
بے تاب دل کا ' مرگ کہیں مدعا نہ ہو
آزاد پرشکستہ کو صد رنگ قید ہے
یا رب ' اسیر ایسا قفس سے رہا نہ ہو

ہے دامن گل‌چیں ، چمن جیب ہمارا
دنیا میں رہے دیدۂ خوں‌بار ہمیشہ

تری گل‌گشت کے خاطر بنا ہے باغ داغوں سے
پر طاؤس سینہ ہے تمامی دست گل دستہ

آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم
اب جو ہیں خاک ، انتہا ہے یہ
شکر اُس کی جفا کا ہو نہ سکا
دل سے اپنے ہمیں گلا ہے یہ
نعشیں اُٹھتی ہیں آج یاروں کی
آن بیٹھو تو خوش‌نما ہے یہ
تیغ پر ہاتھ دم بہ دم کب تک ؟
اِک لگا چک کہ مدعا ہے یہ

دل گیا ، ہوش گیا ، صبر گیا ، جی بھی گیا
شغل میں غم کے ترے ہم سے گیا کیا کیا کچھ ؟
آہ ، مت پوچھ ستم گار کہ تجھ سے تھی ہمیں
چشم لطف و کرم و مہر و وفا ، کیا کیا کچھ ؟
درد دل ، زخم جگر ، کلفت غم ، داغ فراق
آہ ! عالم سے مرے ساتھ چلا کیا کیا کچھ ؟
ایک محروم چلے "میر" ہمیں عالم سے
ورنہ عالم کو زمانے نے دیا کیا کیا کچھ ؟

جی چاہے مل کسو سے یا سب سے تو جدا رہ
پر ہو سکے تو پیارے تک دل کا آشنا رہ
ہر مشت خاک یہاں کی چاہے ہے اِک تامل
بے سوچے راہ مت چل، ہر گام پر کھڑا رہ
شاید کہ سر بلندی ہووے نصیب تیرے
جوں گرد راہ سب کے پانوں سے تو لگا رہ

مر جاؤ کوئی، پروا نہیں ہے کتنا ہے مغرور، اللہ اللہ!
پیر مغاں سے بے اعتقادی استغفراللہ، استغفراللہ!

تھی خواہش دل رکھنا حمائل گردن میں اُس کے ہرگاہ و بیگاہ
اِس پر کہ تھا وہ شہرگ سے اقرب ہرگز نہ پہنچا یہ دست کوتاہ

جلوے ہیں اُس کے شانیں ہیں اُس کی
کیا روز، کیا خور، کیا رات، کیا ماہ
ظاہر کہ باطن، اول کہ آخر
اللہ اللہ اللہ اللہ

کرے ہے جس کو ملامت جہاں وہ میں ہی ہوں
اجل رسیدہ، جفا دیدہ، اضطراب زدہ

ناحق اُلجھ پڑا ہے یہ مجھ سے طریق عشق
جاتا تھا "میر" میں تو چلا اپنی راہ راہ

کیا موافق ہو دوا' عشق کے بیمار کے ساتھ
جی ہی جاتے نظر آتے ہیں اِس آزار کے ساتھ
مرگئے' پھر بھی کھلی رہ گئیں اپنی آنکھیں
کون اِس طرح موا حسرت دیدار کے ساتھ
کس کو ہر دم ہے لہو رونے کا ہجراں میں دماغ
دل کو اک ربط سا ہے دیدۂ خوں‌بار کے ساتھ
دیکھیے کس کو شہادت سے سر افراز کریں
لاگ تو سب کو ہے اُس شوخ کی تلوار کے ساتھ

سعی اِتنی یہ ضروری ہے' اُٹھے بزم سلک
اے جگرتفتگیٔ بے اثر پروانہ
کس کلمہ کا ہے پس از مرگ یہ عذرِ جاں سوز
پانو پر شمع کے پاتے ہیں سر پروانہ

کھل گیا منہ اب تو اُس محبوب کا
کچھ سخن کی بھی نکل آوے گی راہ
یار کا وہ ناز اپنا یہ نیاز
دیکھیے ہوتا ہے کیوں کر یہ نباہ

شیخ! تو نے خوب سمجھا "میر" کو
واہ وا، اے بے حقیقت! واہ واہ

پامال ہوں کہ اِس میں ہوں خاک سے برابر
اب ہو گیا ہے سب کچھ ہموار رفتہ رفتہ
گر بت‌کدے میں جانا ایسا ہے "میر جی" کا
تو تار سبحہ ہو گا زنار، رفتہ رفتہ

سائے سے اپنے وحشت ہم کو رہی ہمیشہ
جوں آفتاب ہم بھی کیسے رہے جریدہ

وقت کڑھنے کے ہاتھ دل پر رکھ
جان جاتی رہے نہ آہ کے ساتھ
جاذبہ تو اِن آنکھوں کا دیکھا
جی کھینچے جاتے ہیں نگاہ کے ساتھ

کھینچتا ہے دلوں کو صحرا کچھ
ہے مزاجوں میں اپنے سودا کچھ
وصل اُس کا خدا نصیب کرے
"میر" دل چاہتا ہے کیا کیا کچھ؟

منھ نہ ھم جبریوں کا کھلواؤ
کھلنے کو اختیار سا ھے کچھ
ضعف پیری میں زندگانی بھی
دوش پر اپنے بار سا ھے کچھ

خالي نھیں ھے خواھش دل سے کوئي بشر
جاتے ھیں سب، جھان سے " اِک آرزو کے ساتھ
کیا اضطراب عشق سے میں حرف‌زن ھوں "میر" ؟
منھ تک جگر تو آنے لگا گفتگو کے ساتھ

هم جانتے تو عشق نہ کرتے کسو کے ساتھ
لے جاتے دل کو خاک میں اِس آرزو کے ساتھ

محتاج گل نھیں ھے گریبان غم‌کشاں
گلزار اشک خونیں سے جیب و کنار دیکھ

اب دل خزاں میں رھتا ھے جي کي رکن کے ساتھ
جانا ھي تھا ھمیں بھی بھار چمن کے ساتھ

دیکھیں عاشق کا جی بھي ھے کہ نھیں
تنگ ھے جان ناصبور سے وہ

خوش ہیں دیوانگیِ ''میر'' سے سب
کیا جنوں کر گیا شعور سے وہ

ملنا نہ ملنا ٹھہرے، تو دل بھی ٹھہرے اپنا
اقرار ہے ہمیشہ، انکار ہے ہمیشہ
آمادۂ فنا کچھ کیا ''میر'' اب ہوا ہے
جی مفت دینے کو وہ تیار ہے ہمیشہ

دل ہے میری بغل میں صدپارہ اور ہر پارہ اِس کا آوارہ

کاش اے جان الم ناک نکل جاوے تو
اب تو دیکھا نہیں جاتا یہ ستم ہم سے بھی
آہ میں غیر سے تاچند کہوں جی کی بات
عشق کا راز تو کہتے نہیں محرم سے بھی
ہمت اپنی ہی یہ تھی ''میر'' کہ جوں مرغ خیال
اک پرافشانی میں گذرے سر عالم سے بھی

دیکھ تو دل کہ جاں سے اُٹھتا ہے یہ دھواں سا، کہاں سے اُٹھتا ہے
خانۂ دل سے زینہار نہ جا کوئی، ایسے مکاں سے اُٹھتا ہے
نالہ سر کھینچتا ہے جب میرا شور اک آسماں سے اُٹھتا ہے
بیٹھنے کون دیے ہے پھر اُس کو جو ترے آستاں سے اُٹھتا ہے
یوں اُٹھے آہ اُس گلی سے ہم جیسے کوئی جہاں سے اُٹھتا ہے

کروں کیا حسرت گل کو، و گرنہ   دل پر داغ بھی اپنا چمن ہے

تاب دل، صرف جدائي ہو چکی
یعنی طاقت آزمائی ہو چکی
چھوٹتا کب ہے اسیر خوش زباں
جیتے جی اپني رہائي ہو چکی

فرصت میں یک نفس کے، کیا درد دل سنو گے؟
آئے تو تم و لیکن وقت اخیر آئے
بن جی دیے نہیں ہے امکاں یاں سے جانا
بسمل گہ جہاں میں اب ہم تو "میر" آئے

کب سے نظر لگی تھی دروازۂ حرم سے
پردہ اُٹھا تو لڑیاں آنکھیں ہماري ہم سے
سوزش گئی نہ دل کي، رونے سے روز و شب کے
جلتا ہوں، اور دریا بہتے ہیں چشم نم سے
کیا کیا تعب اٹھائے، کیا کیا عذاب دیکھے؟
تب دل ہوا ہے اِتنا خوگر ترے ستم سے
ہستي میں ہم نے آکر آسودگی نہ دیکھي
کھلتیں نہ کاش آنکھیں خواب خوش عدم سے

گئے جی سے ' چھوٹے بتوں کی جفا سے
یہی بات ہم چاہتے تھے خدا سے

دل کس قدر شکستہ ہوا تھا کہ رات "میر"
آئی جو بات لب پہ سو فریاد ہو گئی

خنجر بیداد کو کیا دیکھتے ہو دم بہ دم
چشم سے انصاف کی ' سینے ہمارے دیکھیے

دم مرگ دشوار دی جان اُن نے
مگر "میر" کو آرزو تھی کسو کی

وے دن گئے جو ضبط کی طاقت تھی ہمیں بھی
اب دیدۂ خوں بار ' نہیں جاتے سنبھالے
احوال بہت تنگ ہے ؛ اے کاش ' محبت
اب دست تلطف کو مرے سر سے اُٹھالے

سراپا آرزو ہونے نے بندہ کر دیا ہم کو
وگرنہ ہم خدا تھے ' گر دل بےمدعا ہوتے
فلک' اے کاش' ہم کو خاک ہی رکھتا کہ اس میں ہم
غبار راہ ہوتے یا کسو کی خاک پا ہوتے

سراپا میں اُس کے نظر کر کے تم
جہاں دیکھو، الله هي الله هے
تری، آہ کس سے خبر پائیے
وهی بے خبر هے جو آگاہ هے
جہاں سے تو رخت اقامت کو باندھ
یہ منزل نہیں، بےخبر! راہ هے

شرط سلیقہ هے هر اِک امر میں
عیب بھي کرنے کو هنر چاهیے
خوف قیامت کا یہی هے کہ "میر"
هم کو جیا بار دگر چاهیے

هستي اپني حباب کي سی هے
یہ نمائش سراب کی سی هے
نازکي اُس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑي اِک گلاب کی سی هے
بار بار اُس کے در پہ جاتا هوں
حالت اب اِضطراب کي سی هے
"میر" اُن نیم‌باز آنکھوں میں
ساري مستي شراب کي سی هے

راہ دم تیغ پہ ہو کیوں نہ "میر"
جی پہ رکھیں گے تو گذر جائیں گے

اب جو اِک حسرت جوانی ہے
عمر رفتہ کی یہ نشانی ہے
گریہ ہر وقت کا نہیں بے ہیچ
دل میں کوئی غم نہانی ہے
خاک تھی موج زن جہاں میں، اور
ہم کو دھوکا یہ تھا کہ پانی ہے
ہم قفس‌زاد قید ہیں ورنہ
تا چمن ایک پرفشانی ہے
اُس کی شمشیر تیز سے، ہمدم
مر رہیں گے، جو زندگانی ہے
یاں ہوئے "میر" تم برابر خاک
واں وہی ناز و سر گرانی ہے

اُس کے ایفائے عہد تک نہ جیے
عمر نے ہم سے بےوفائی کی
وصل کے دن کی آرزو ہی رہی
شب نہ آخر ہوئی جدائی کی
اِسی تقریب اُس گلی میں رہے:
منتیں ہیں شکستہ‌پائی کی

دل میں اُس شوخ کے نہ کي تاثیر
آہ نے ! آہ ، نارسائي کي
کاسۂ چشم لے کے جوں نرگس
ہم نے دیدار کی گدائي کي

دل کي معموري کي مت کر فکر ، فرصت چاھیے
ایسے ویرانے کے اب بسنے کو مدت چاھیے
عشق میں وصل و جدائي سے نہیں کچھ گفتگو
قرب و بعد اِس جا برابر ھے ، محبت چاھیے
نازکي کو عشق میں کیا دخل ھے ، اے بوالھوس
یاں صعوبت کھینچنے کو جي میں طاقت چاھیے

بے یار ، شہر دل کا ، ویران ہو رھا ھے
دکھلائی دے جہاں تک میدان ہو رھا ھے

آہ میری زبان پر آئي یہ بلا آسمان پر آئي
آتش رنگ گل سے کیا کہیے ؟ برق تھي آشیان پر آوی

گر دل کي بےقراري ہوتي یہی جو اب ھے
تو ، ھم ستم رسیدہ کاھےکو جینے پاتے
وے دن گئے کہ اُتھ کر جاتے تھے اُس گلی میں
اب سعي چاھیے ھے بالیں سے سر اُتھاتے

شاید کہ خون دل کا پہونچا ہے وقت آخر
تھم جاتے ہیں کچھ آنسو راتوں کو آتے آتے

مری خاک تفتہ پر، اے ابر تر!
قسم ہے تجھے تک برس زور سے
ترے دل جلے کو رکھا جس گھڑی
دھواں سا اُٹھا کچھ لب گور سے
جو ہو "میر" بھی اُس گلی میں، صبا!
بہت پوچھیو تو مری اور سے

بات شکوے کی ہم نے گاہ نہ کی
بلکہ دی جان اور آہ نہ کی
جس سے تھی چشم ہم کو کیا کیا "میر"
اِس طرف اُس نے اِک نگاہ نہ کی

سر، دے کے "میر" ہم نے فراغت کی عشق میں
ذمے ہمارے بوجھ تھا بارے ادا ہوئے

رنج کھینچے تھے، داغ کھائے تھے
دل نے صدمے بڑے، اُٹھائے تھے
پاس ناموس عشق تھا، ورنہ
کتنے آنسو پلک تک آئے تھے!

وهی سمجھا نہ، ورنہ ہم نے تو
زخم چھاتي کے سب دکھائے تھے
فرصت زندگي سے مت پوچھو
سانس بھي ہم نہ لینے پائے تھے
" میر " صاحب رولا گئے سب کو
کل وے تشریف یاں بھي لائے تھے

کہاں ہیں ادمي عالم میں پیدا
خدائی صدقے کي انسان پر سے

وقت خوش دیکھا نہ اک دم سے زیادہ ، دھر میں
خندۂ صبح چمن پر شکل شبنم روئے

ابر و بہار و بادہ سبھوں میں ہے اتفاق
ساقي ! جو تو بھي مل چلے تو واہ واہ ہے

دن رات مري چھاتی ، جلتی ہے محبت میں
کیا اور نہ تھي جاگھہ یہ آگ جو یاں دابی
ہمیں آمد " میر " کل بھا گئی
طرح اس میں مجنوں کی سب پا گئي
ہوئي سامنے یوں تو ایک ایک کے
ہمیں سے وہ کچھہ آنکھ شرما گئی

کوئی رہنے والی ہے جان عزیز
گئی گر نہ امروز، فردا گئی

جوش دل، آئے بہم دیدۂ گریاں ہوئے
کتنے اک اشک ہوئے جمع کہ طوفاں ہوئے
سبزہ و لالہ و گل، ابر و ہوا ہے، مے، ہے
ساقی! ہم توبہ کے کرنے سے پشیماں ہوئے

خبر نہ تھی تجھے کیا؟ میرے دل کی طاقت کی
نگاہ چشم اُدھر تونے کی، قیامت کی
سوال میں نے جو انجام زندگی سے کیا
قد خمیدہ نے سوئے زمیں اشارت کی

پژمردہ بہت ہے گل و گلزار ہمارا
شرمندۂ یک گوشۂ دستار نہ ہووے
مانگے ہے دعا خلق تجھے دیکھ کے ظالم
یارب! کسو کو اس سے سروکار نہ ہووے

صحرائے محبت ہے، قدم دیکھ کے رکھ "میر"!
یہ سیر سر کوچہ و بازار نہ ہووے

برقع کو اُٹھا چھرے سے وہ بت اگر آوے
اس زندگي کرنے کو کھاں سے جگر آوے
کیا جانیں وہ مرغان گرفتار قفس کو
جن تک کہ بہ صد ناز نسیم سحر آوے

بالیں پہ میري آکر ٹک دیکھ شوق دیدار
سارے بدن کا جي اب آنکھوں میں آرھا ھے

بہ تنگ ھوں میں ترے اختلاط سے پیري !
قسم ھے اپني مجھے اس گئی جوانی کی

ھوا ھے دن تو جدائي کا سو تعب سے شام
شب فراق کس اُمید پر سحر کرئے

اب کر کے فراموش تو ناشاد کرو گے
پر ھم جو نہ ھوں گے تو بہت یاد کرو گے

سیر گلزار مبارک ھو صبا کو ھم تو
ایک پرواز نہ کي تھي کہ گرفتار ھوئے
اس ستم گار کے کوچے کے ھوا داروں میں
نام فردوس کا ھم لے کے گنھہ گار ھوئے

وعدۂ حشر تو موہوم نہ سمجھے ہم آہ
کس توقع پر ترے طالب دیدار ہوئے

باغ کو تجھ بن اپنے بھائیں آتش دي ہے بہاراں نے
ہر غنچہ اخگر ہے ہم کو ہر گل اک انگارا ہے

لائی تری گلي تک آوارگي ہماري
ذلت کی اپنی اب ہم عزت کیا کرینگے

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے
اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے
نہیں آتے کسو کی آنکھوں میں
ہو کے عاشق بہت حقیر ہوئے

جب کہ پہلو سے یار اُٹھتا ہے درد بے اختیار اُٹھتا ہے
اب تلک بھی مزار مجنوں سے ناتواں اک غبا اٹھتا ہے
ہے بگولہ' غبار کس کا ؟ " میر " ! کہ جو ہو بےقرار' اٹھتا ہے

پا برہنہ' خاک سر میں' مو پریشاں' سینہ چاک
حال میرا دیکھنے آ ! تیرے ہي دل‌خواہ ہے

لاعلاجي هے جو رهتي هے مجهے آوارگي
کيجئے کيا "مير" صاحب بندگي بےچارگي
کيسی کيسی صحبتيں آنکهوں کے آگے سے گئيں
ديکهتے هی ديکهتے کيا هو گيا يکبارگي

عشق کے داغ کا عبث هے علاج کوئي اب يه نشان جاتا هے

مر هی جاويں‌گے بهت هجر ميں ناشاد رهے
بهول تو هم کو گئے هو' يه تمهيں ياد رهے
هم سے ديوانے رهيں شهر ميں' سبحان الله!
دشت ميں قيس رهے' کوه ميں فرهاد رهے

باهم سلوک تها تو اوٹهاتے تهے نرم گرم
کا هے کو "مير"! کوئی دبے جب بگڑ گئی

کيسے هيں وے که جيتے هيں صد سال' هم تو "مير"
اس چاردن کي زيست ميں بيزار هو گئے

"مير"! اب بهار آئي' صحرا ميں چل' جنون کر
کوئی بھي فصل گل ميں' نادان! گهر رهے هے

اے حب جاہ والو! جو آج تاجور ہے
کل اس کو دیکھو تم، نے تاج ہے، نہ سر ہے
شمع اخیر شب ہوں، سن! سر گذشت میری
پھر صبح ہونے تک تو، قصہ ہی مختصر ہے

ہر دم قدم کو اپنے رکھ احتیاط سے یاں
یہ کارگاہ ساری، دوکان شیشہ گر ہے
اہل زمانہ رہتے یک طور پر نہیں ہیں
ہر آن، مرتبہ سے اپنے، انہیں سفر ہے
وے دن گئے کہ آنسو روتے تھے "میر" اب تو
آنکھوں میں لخت دل یا پارۂ جگر ہے

کچھ موج ہوا پیچاں، اے "میر"! نظر آئی
شاید کہ بہار آئی، زنجیر نظر آئی
دلی کے نہ تھے کوچے، اوراق مصور تھے
جو شکل نظر آئی، تصویر نظر آئی

پیری، میں کیا؟ جوانی کے موسم کو روئیے
اب صبح ہونے آئی ہے، اک دم تو سوئیے
رخسارے اس کے، ہائے رے جب دیکھتے ہیں ہم
آتا ہے جی میں آنکھوں کو ان میں گڑوئیے

پیار کرنے کا جو خوباں، هم په رکھتے هیں گناہ
اُن سے بھی تو پوچھئے تم اتنے کیوں پیارے هوئے؟
لیتے کروٹ، هل گئے جو کان کے موتی ترے
شرم سے، سر در گریباں صبح کے تارے هوئے

—

کرے؟ کیا که دل بھي تو مجبور هے
زمیں سخت هے آسماں دور هے
تمنائے دل کے لئے جان دي
سلیقه همارا تو مشهور هے
نه هو کس طرح؟ فکر انجام کار
بھروسا هے جس پر، سو مغرور هے
دل اپنا نهایت هے نازک مزاج
گرا، گر یه شیشه تو پھر چور هے
بهت سعي کرنے سے مر رهئے ''میر''
بس اپنا تو اتنا هی مقدور هے

—

سجده کرنے میں سر کٹے هے جهاں
سو ترا آستان هے پیارے
چھوڑ جاتے هیں دل کو تیرے پاس
یه همارا نشان هے پیارے
''میر'' عمداً بھی کوئي مرتا هے
جان هے تو جهان هے پیارے

—

آگے بھی تجھ سے تھا یاں ' تصویر کا سا عالم
بے دردی فلک نے وے نقش سب مٹائے
اعجاز عشق ہی سے جیتے رہے وگرنہ
کیا حوصلہ کہ جس میں آزار یہ سمائے

آبشار انے لگے آنسو کی پلکوں سے تو " میر "
کب تلک ' یہ آب‌چادر منھ پہ تانا کیجئے

شوق تھا جو یار کے کوچے ' ہمیں لایا تھا "میر"
پانوں میں طاقت کہاں اتنی کہ اب گھر جائیے

غالب کہ یہ دل خستہ شب ہجر میں مرجائے
یہ رات نہیں وہ جو کہانی میں گذر جائے
نہ بت کدہ ہے منزل مقصود ' نہ کعبہ
جو کوئی تلاشی ہو ترا ' آہ کدھر جائے
یا قوت کوئی ان کو کہے ہے کوئی اگل برگ
ٹک ہونٹھ ہلا تو بھی کہ ایک بات ٹھہر جائے

ہو گئی ' شہر شہر رسوائی   اے مری موت تو بھلی آئی

تو ہے بے چارہ گدا " میر " ترا کیا مذکور
مل گئے خاک میں یاں ' صاحب افسر کتنے

چشم بد دور، چشم تر اے "میر" آنکھیں طوفان کو دکھاتي ھے

طاقت نہیں ھے دل میں، نے جي بہ جا رھا ھے
کیا ناز کر رھے ھو، اب ھم میں کیا رھا ھے

تڑپنا بھي دیکھا نہ بسمل کا اپنے
میں کشتہ ھوں انداز قاتل کا اپنے
بنائیں رکھیں میں نے عالم میں کیا کیا
ھوں بندہ، خیالات باطل کا اپنے

پژمردہ اس قدر ھیں کہ ھے شبہ ھم کو "میر"
تن میں ھمارے جان کبھي تھی بھي یا نہ تھي

بیمار رھے ھیں اس کي آنکھیں
دیکھو کسو رکي نظر نہ ھووے
رکھ، دیکھ کے راہ عشق میں پاؤں
یاں "میر" کسو کا سر نہ ھووے

کچھ آبلے دئے تھے رہ آورد عشق نے
سو رفتہ رفتہ خار مغیلاں تلک گئے؟

جن جن کو تھا، یہ عشق کا آزار، مر گئے
اکثر ہمارے ساتھ کے بیمار مر گئے
بے کارواں وفا ہے کوئی پوچھتا نہیں
گویا متاعِ دل کے خریدار مر گئے

چھن گیا سینہ بھی کلیجا بھی یار کے تیر! جان لے جا بھی

ترا آنا ہي اب مرکوز ہے ہم کو دم آخر
یہ جی صدقے کیا تھا پھر نہ آوے تن میں یا آوے

بھرا ہے دل مرا جام لبالب کي طرح ساقي
گلے لگ خوب روؤں میں جو میناے شراب آوے
لپیٹا ہے دل سوزاں کو اپنے "میر" نے خط میں
الهي! نامہ بر کو اس کے لے جانے کی تاب آوے

کہاں تلک شب و روز آہ دردِ دل کہئیے
ہر ایک بات کي آخر کچھ اِنتہا بھي ہے
ہوس تو دل میں ہمارے جگہ کرے لیکن
کہیں ہجوم سے اندوہ غم کي جا بھي ہے
گذار شہرِ وفا میں سمجھ کے کر مجنوں
کہ اس دیار میں "میر" شکستہ پا بھي ہے

تپکا کرے ھے آنکھہ سے لوھو ھي روز و شب
چھرے پہ ''میر'' چشم ھے یا کوئي گھاؤ ھے

جو سوچئےتو وہ مطلوب ھم ھی نکلے ''میر''
خراب پھرتے تھے جس کي طلب میں مدت سے

اے چرخ! نہ تو روز سیہ ''میر'' پہ لانا
بے چارہ وہ اک نعرہ زن نیم شبی ھے

دو سونپ دود دل کو، میرا کوئی نشاں ھے
ھوں میں چراغ کشتہ باد سحر کہاں ھے
روشن ھے جل کے مرنا پروانے کا و لیکن
اے شمع! کچھہ تو کہہ تو، تیرے بھی تو زباں ھے
بھڑکے ھے آتش گل اے ابر تر ترحم
گوشے میں گلستاں کے میرا بھي آشیاں ھے

لبریز جس کے حسن سے مسجد ھے اور دیر
ایسا بتوں کے بیچ، وہ اللہ کون ھے

بے طاقتي نے دل کی، آخر کو مار رکھا
آفت ھمارے جی کی آئي ھمارے گھر سے

دل‌کش بہ‌منزل آخر دیکھا تو راہ نکلی
سب یار جا چکے تھے آئے جو ہم سفر سے
آوارہ ''میر'' شاید واں خاک ہو گیا ہے
اک گرد اوٹھ چلے ہے گاہ اس کی رہ گذر سے

فتراک سے نہ باندھے، دیکھے نہ تو تڑپنا
کس آرزو پہ کوئی تیرا شکار ہووے

رہی نہ پختگی عالم میں دور خامی ہے
ہزار حیف کمینوں کا چرخ حامی ہے

ناصح کو خبر کیا ہے لذت سے غم دل کی
ہے حق بہ طرف اس کے چکھے تو مزا جانے
لے جائے ''میر'' اس کے دروازے کی مٹی بھی
اس درد محبت کی جو کوئی دوا جانے

ہنستے ہو، روتے دیکھ کر غم سے — چھیڑ رکھی ہے تم نے کیا ہم سے
تم جو دل‌خواہ خلق ہو، ہم کو — دشمنی ہے تمام عالم سے
مفت یوں ہاتھ سے نہ کھو ہم کو — کہیں پیدا بھی ہوتے ہیں ہم سے

نالۂ عجز نقص الفت ہے — رنج و محنت کمال راحت ہے
تا دم مرگ، غم خوشی کا نہیں — دل آزردہ گر سلامت ہے

رونا آتا ہے دم بہ دم شاید　　کسو حسرت کی دل سے رخصت ہے
فتنے رہتے ہیں اس کے سائے میں　　قد و قامت ترا قیامت ہے

قطعہ

تجھ کو مسجد ہے ، مجھ کو مےخانہ
واعظا اپنی اپنی قسمت ہے

قطعہ

تربت "میر" پر ہیں اہل سخن　　ہر طرف حرف ہے حکایت ہے
تو بھی تقریب فاتحہ سے چل　　بہ خدا واجب الزیارت ہے

"میر" میں جیتوں میں آوں گا اسی دن ، جس دن
دل نہ تڑپے گا مرا ، چشم نہ بھر آوے گی

ہر چند ضبط کرئے ، چھپتا ہے عشق کوئی
گذرے ہے دل پہ جو کچھ ، چہرے ہی سے عیاں ہے
از خویش رفتہ اس بن رہتا ہے "میر" اکثر
کرتے ہو بات کس سے وہ آپ میں کہاں ہے

اس دل جلے کی تاب کے لانے کو عشق ہے
فانوس کی سی شمع جو پردے میں جل سکے
کس کو ہے آرزوے رفاقت فراق میں
ایسا تو ہو کہ کوئی گھڑی جی سنبھل سکے

ہم ساری ساری رات رہے گریہ ناک لیک
مانند شمع داغ جگر کا نہ دھو سکے

آتش کے شعلہ سر سے ہمارے گذر گئے
بس اے تپ فراق کہ گرمی میں مر گئے

یہ راہ و رسم دل شدگاں گفتنی نہیں
جانے دے "میر" صاحب و قبلہ جدھر گئے

دن کو نہیں ہے چین، نہ ہے خواب، شب مجھے
مرنا پڑا ضرور ترے غم میں اب مجھے
طوفاں بجائے اشک ٹپکتے تھے چشم سے
اے ابر تر دماغ تھا رونے کا جب مجھے
پوچھا تھا راہ جاتے کہیں ان نے "میر" کو
آتا ہے اس کی بات کا اب تک عجب مجھے

لوٹے ہے خاک و خون میں غیروں کے ساتھ "میر"
ایسے تو نیم کشتہ کو ان میں نہ سانئے

مرے اس رک کے مر جانے سے وہ غافل ہے کیا جانے
گذرنا جان سے آساں، بہت مشکل ہے کیا جانے

کیا کروں شرح خستہ جانی کی
میں نے مر مر کے زندگانی کی
حال بد، گفتنی نہیں میرا
تم نے پوچھا تو مہربانی کی
جس سے کھوئی تھی نیند "میر" نے کل
ابتدا پھر وہی کہانی کی

کچھ تو کہہ وصل کی پھر رات چلی جاتی ہے
دن گذر جائیں ہیں پر بات چلی جاتی ہے

روز آنے پہ نہیں نسبت عشقی موقوف
عمر بھر ایک ملاقات چلی جاتی ہے
ایک ہم ہی سے تفاوت ہے سلوکوں میں "میر"
یوں تو اوروں کی مدارات چلی جاتی ہے

پہونچا تو ہو گا سمع مبارک میں حال "میر"
اس پر بھی جی میں آوے تو دل کو لگائیے

کتنے دل سوختہ ہم جمع ہیں اے غیرت شمع
کر قدم رنجہ کہ مجلس ہے یہ پروانوں کی

میکدے سے تو ابھی آیا ہے مسجد میں "میر"
ہو نہ لغزش کہیں، مجلس ہے یہ بیگانوں کی

نہیں وسواس جی گنوانے کے ہائے رے ذوق دل لگانے کے
میرے تغیر حال پر مت جا اتفاقات ہیں زمانے کے
دم آخر ہي کیا نہ آتا تھا اور بھي وقت تھے بہانے کے

تک آنکھ بھي کھولي نہ زخود رفتہ نے اس کے
ہر چند کیا شور قیامت نے سرہانے

میں پاشکستہ جا نہ سکا قافلے تلک
آتی اگرچہ دیر صدائے جرس رہی
جوں صبح اِس چمن میں نہ ہم کھل کے ہنس سکے
فرصت رہی جو "میر" بھي سو اک نفس رہي

تجھ بن آئے ہیں تنگ جینے سے مرنے کا اِنتظار رہتا ہے

آج کل بےقرار ہیں ہم بھی بیٹھ جا! چلنے ہار ہیں ہم بھي
منع گریہ نہ کر تو اے ناصح اس میں بےاختیار ہیں ہم بھي

غفلت میں گئی آہ مری ساري جوانی
اے عمر گذشتہ میں تیري قدر نہ جانی

مدت سے هیں اک مشت پر، آوارہ چمن میں
نکلے هے یہ کس کی هوس بال فشانی

مر گیا کوهکن اسی غم میں   آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل ہے

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رهو هم دعا کر چلے
جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے هم
سو اس عہد کو اب وفا کر چلے
شفا اپنی تقدیر هي میں نہ تھی
کہ مقدور تک تو دوا کر چلے
وہ کیا چیز هے آہ جس کے لئے
هر اک چیز سے دل اُتھا کر چلے
کوئي نا اُمیدانہ کرتے نگاہ
سو تم هم سے منھہ بھی چھپا کر چلے
جبیں سجدہ کرتے هی کرتے گئی
حق بندگی هم ادا کر چلے
پرستش کي یاں تک کہ اے بت تجھے
نظر میں سبھوں کے خدا کر چلے

نہ دیکھا غم دوستاں شکر هے
همیں داغ اپنا دکھا کر چلے

کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے "میر"
جہاں میں تم آتے تھے کیا کر چلے

اپنے تو ہونٹھ بھی نہ ہلے اس کے روبرو
رنجش کی وجہ "میر" وہ کیا بات ہو گئی

بغیر دل کے یہ قیمت ہے سارے عالم کی
کسو سے کام نہیں رکھتی جنس آدم کی
کوئی ہو محرم شوخی ترا تو میں پوچھوں
کہ بزم عیش جہاں کیا سمجھ کے برہم کی
ہمیں تو باغ کی تکلیف سے معاف رکھو
کہ سیر و گشت نہیں رسم اہل ماتم کی
قفس میں "میر" نہیں جوش داغ سینے پر
ہوس نکالی ہے ہم نے بھی گل کے موسم کی

اب چھیڑ یہ رکھی ہے کہ عاشق ہے تو کہیں
القصہ خوش گذرتی ہے اُس بدگمان سے

چاک پر چاک ہوا جوں جوں سلایا ہم نے
اس گریباں ہی سے اب ہاتھ اُٹھایا ہم نے

سی، چاک دل کہ چشم سے ناصح لہو تھمے
ہوتا ہے کیا ہمارا گریباں سیئے ہوئے
کافر ہوئے بتوں کی محبت میں "مہر" جی
مسجد میں آج آئے تھے قشقہ دیے ہوئے

قسم سے، یہ راہ میں نے نکالی نجات کی
سجدہ اس آستاں کا کیا پھر وفات کی
ہم تو ہی اِس زمانے میں حیرت سے چپ نہیں
اب بات جا چکی ہے سبھی کائنات کی

کیوں کر بجھاؤ آتش سوزان عشق کی
اب تو یہ آگ دل سے جگر کو بھی جا لگی
کشتہ کا اس کے زخم نہ ظاہر ہوا کہ "مہر"
کس جائے اُس شہید کے تیغ جفا لگی

اخیر الفت یہی نہیں ہے کہ جل کے آخر ہوئے پتنگے
ہوا جو یاں کی یہ ہے تو یارو غبار ہوکر اُڑا کرو گے
ہم محبت سے "مہر" صاحب بہ تنگ ہوں میں فقیر ہو تم
جو وقت ہوگا کبھو مساعد تو میرے حق میں دعا کرو گے

گرنے سے داغ سینہ، تازہ ہوئے ہیں سارے
یہ کشت خشک تو نے اے چشم پھر ہری کی

ہے یہ اندھیر ' شہر میں خورشید
دن کو لے کر چراغ نکلے ہے

اس شہر دل کو تو بھی جو دیکھے تو اب کہے
کیا جانئے کہ بستي یہ کب کي خراب ہے

کیا کیا بیٹھے بگڑ بگڑ تم ' پر ہم تم سے بنائے گئے
چپکے باتیں اوٹھائے گئے ' سر گاڑے وہیں آے گئے
اللہ رے یہ دیدہ درائي ' ہوں نہ مکدر کیوں کر ہم
آنکھیں ہم سے ملائے گئے ' پھر خاک میں ہم کو ملائے گئے
ٹکرے ٹکرے کرنے کی بھي حد ایک آخر ہوتي ہے
کشتے اس کی تیغ ستم کے گور تئیں کب لائے گئے
مرنے سے کیا "میر" جی صاحب ہم کچھ خوش تھے کیا کرئے
جي سے ہاتھ اٹھائے گئے پر اُسے دل نہ اُٹھائے گئے

اِدھر سے ابر اوٹھ کر جو گیا ہے
ہماری خاک پر بھي رو گیا ہے
مصائب اور تھے ' پر دل کا جانا
عجب اک سانحہ سا ہو گیا ہے
سرہانے " میر " کے کوئی نہ بولو
ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

عمر بھر ہم رہے شرابي سے
دل پر خوں کی اک گلابي سے
برقع اٹھتے ہي چاند سا نکلا
داغ ہوں اس کی بےحجابي سے
کام آے عشق میں بہت پر "میر"
ہم ہي فارغ ہوئے شتابي سے .

گر دل ہے یہي مضطرب الحال تو اے "میر"
ہم زیر زمیں بھي ' بہت آرام کریں گے

نکل آتے ہو گھر سے چاند سے یہ کیا طرح پکڑي
پہونچتا ہوں کبھو در پر ترے سو اس خرابي سے

آتے کبھو جو واں سے تو یاں رہتے تھے اداس
آخر کو "میر" اس کي گلے ہی میں جا رہے

ہر صبح اٹھ کے تجھ سے' مانگوں ہوں میں تجھي کو
تیرے سواے میرا کچھ مدعا نہیں ہے

ناتواني سے اگر مجھ میں نہیں ہے جی تو کیا
عشق جو چاہے تو مردے سے بھي اپنا کام لے

پلکوں سے رفو ان نے کیا خاکِ دلِ "میر"
کس زخم کو کس نازکی کے ساتھ سیا ہے

لطف اس کے بدن کا کچھ نہ پوچھو
کیا جانیے ? جان ہے کہ تن ہے

کس کو خبر ہے کشتی تباہوں کے حال کی
تختہ مگر کنارے کوئی بہہ کے جا لگے

اسیر زلف کرے تھدئی کمند کرے
پسند اس کي ہے وہ جس طرح پسند کرے
ہمیشہ چشم ہے غمناک ' هاتھ دل پر ہے
خدا کسو کو نہ ہم سا بھي درد مند کرے

شوق ہم کو کھپائے جاتا ہے　　جان کو کوئي کھائے جاتا ہے

جائے غیرت ہے خاک دان جہاں　　تو کہاں منھہ اُٹھائے جاتا ہے
دیکھ سیلاب اس بیاباں کا　　کیا ہی سر کو جھکائے جاتا ہے

کعبے میں جاں بہلب تھے ہم دورئي بتاں سے
آے ہیں پھر کے یارو ! اب کے خدا کے یاں سے
کیا خوبي اس کے منھہ کی اے غنچے نقل کر لي
تو تو نہ بول ظالم بو آتي ہے دہاں سے
اتنی بھي بدمزاجي ہر لحظہ "میر" تم کو
الجھاؤ ہے زمیں سے جھگڑا ہے آسماں سے

کي اس طبیب جاں نے تجویز مرگ عشق
آزار کي مناسب تدبیر کیا نکالي

دل بند ہے ہمارا موج ہوائے گل سے
اب کے جنوں میں ہم نے زنجیر کیا نکالی

تاثیر ہے دعا کو فقیروں کی "مہر" جی
تک آپ بھی ہمارے لئے ہاتھ اُٹھائیے

ہم آپ سے گئے سو الٰہی کہاں گئے
مدت ہوئی کہ اپنا ہمیں اِنتظار ہے
بس وعدۂ وصال سے کم دیجے مجھے فریب
آگے ہی مجھ کو تیرا بہت اِعتبار ہے
کب تک ستم کبھو تو دلاسا بھی دیجئے
بالفرض "مہر" ایسا ہی تقصیر وار ہے

شاید اب ٹکڑوں نے دل کے قصد آنکھوں کا کیا
کچھ سبب تو ہے جو آنسو آتے آتے تھم گئے
ربط صاحب خانہ سے مطلق بہم پہونچا نہ "میر"
مدتوں سے ہم حرم میں تھے پہ نا محرم گئے

کرتا ہے کب سلوک وہ اہل نیاز سے
گفتار اس کی کبر سے ' رفتار ناز سے
خاموش رہ سکے نہ تو بڑھ کر بھی کچھ نہ پوچھ
سر شمع کا کٹے ہے زبان دراز سے

جي رشک سے گئے جو اُدھر کو صبا چلی
کیا کہئے آج صبح عجب کچھ ہوا چلي

کوئی آب زندگی پیتا ہے یہ زہراب چھوڑ
خضر کو ہنستے ہیں سب مجروح خنجر کے ترے

کار دل اس مہہ تمام سے ہے
کاہش اک روز مجھ کو شام سے ہے
کوئي تجھ سا بھی کاش تجھ کوملے
مدعا ہم کو انتقام سے ہے

کوئی بھي "میر" سے دل‌ریش سے یوں دور پھرتا ہے
تک اس درویش سے مل چل کہ تجھ کو کچھ دعا دے دے

ہشیار کہ ہے راہ محبت کی خطرناک
مارے گئے ہیں لوگ بہت بے خبري سے

کچھ کرو فکر مجھ دوانے کي
دھوم ہے پھر بہار آنے کي
تیز یونہیں نہ تھي سب آتش شوق
تھی خبر گرم اس کے آنے کی

قطعہ

جو ھے سو پائمال غم ھے "میر" چال بے ڈول ھے زمانے کی

اب تو ھم ھو چکتے ھیں تک تیرے ابرو خم ھوتے
کیا کیا رنج اٹھاتے تھے، جب جی میں طاقت رکھتے تھے

دین و مذھب عاشقوں کا قابل پرسش نہیں
یے ادھر سجدہ کریں ابرو جدھر اس کے لیے

طپش سے رنگ اڑ جاوے قلق سے جان گھبرا وے
دیا ھے دل الٰھي ھم کو یا کوئی ؟

دلوں کو کھتے ھیں ھوتي ھے راہ آپس میں
طریق عشق بھي عالم سے کچھ نرالا ھے
ھزار بار گھڑی بھر میں "میر" مرتے ھیں
انھوں نے زندگي کا ڈھب نیا نکالا ھے

دل دھر کے ھے جاتے کچھ بتخانے سے کعبے کو
اس راہ میں پیش آوے کیا ھم کو خدا جانے

چھاتی جلا کرے ہے' سوز دروں بلا ہے
ایک آگ سی لگی ہے' کیا جانئے کہ کیا ہے

ہمارا تو ہے اصل مدعا تو — خدا جانے ترا کیا مدعا
تماشا کردنی ہے داغ سینہ — یہ پھول اس تختے میں تازہ کھلا
کب اس بے گانہ خو کو سمجھے عالم — اگرچہ یار عالم آشنا
نہ عالم میں ہے نے عالم سے باہر — یہ سب عالم سے عالم ہی جدا
لگا میں گرد سر پھرنے تو بولا — تمھارا "مہر" صاحب سر پھرا

افراط اشتیاق میں سمجھے نہ اپنا حال
دیکھے ہیں سوچ کر کے تو اب ہم بھی ہوچکے

شور بازار میں ہے یوسف کا
وہ بھی آنکلے تو تماشا ہے
تک گریباں میں سر کو ڈال کے دیکھ
دل بھی دامن وسیع صحرا ہے

کیا کف دست ایک میداں تھا بیاباں عشق کا
جان سے جب اس میں گزرے تب ہمیں راحت ہوئی

ہم "مہر" تیرا مرنا کیا چاہتے تھے لیکن
رہتا ہے ہوے بن کب؟ جو کچھ کہ ہوا چاہے

هم طور عشق سے تو واقف نہیں ہیں لیکن
سینے میں جیسے کوئی دل کو ملا کرے ہے
کیا کہیئے داغ ہے دل ' ٹکڑے جگر ہے سارا
جانے وہی جو کوئی ظالم وفا کرے ہے

گرم آکے ایک دن وہ ' سینہ سے لگ گیا تھا
تب سے ہماری چھاتی ہر شب جلا کرے ہے
کیا جانے کیا تمنا رکھتے ہیں یار سے ہم
اندوہ ایک جی کو اکثر رہا کرے ہے
ایک آفت زماں ہے یہ '' میر '' عشق پیشہ
پردے میں سارے مطلب اپنے ' ادا کرے ہے

جاناں کی رہ سے آنکھیں ' جس تس کی لگ رہی ہیں
رفتہ ہیں لوگ سارے یاں پاؤں کے نشاں کے
خمیازہ کش رہے ہے اے '' میر '' شوق سے تو
سینے کے زخم کے ' کہہ ! کیوں کر رہیں گے ٹانکے

جفا اس کی نہ پہونچی انتہا کو دریغا عمر نے کی بے وفائی

کیا جانیئے کہ عشق میں خوں ہوگیا کہ داغ
چھاتی میں اب تو دل کی جگہ ایک درد ہے

هم نہ کہتے تھے رہے گا ہم میں کہا یاں سے گئے
سو ھي بات آئي ' اُٹھے اس پاس سے ' جاں سے
جي تو اس کی زلف میں' دل کاکل پیچاں میں "میر"
جا بھي نکلے اس لئے تو ہم پریشاں سے

ھائے کس خوبی سے آوارہ رہا ھے مجنوں
ہم بھي دیوانے ھیں اس طور کے دیوانے کے
آہ ! کیا سہل گذر جاتے ھیں جی سے عاشق
ڈھب کوئي سیکھ لے اِن لوگوں سے مرجانے کے
کاھے کو آنکھ چھپاتے ھو یہي ھے گر چال
ایک دو دن میں نہیں ہم بھی نظر آنے کے

کبھو " میر " اس طرف آکر جو چھاتي کوٹ جاتا ھے
خدا شاھد ھے اپنا تو کلیجہ ٹوٹ جاتا ھے

مستی میں جا و بے جا مدنظر کہاں ھے
بے خود ھیں اس کی آنکھیں ان کو خبر کہاں ھے
اٹھنے کي ایک ھوس ھے ھم کو قفس سے ورنہ
شایستۂ پریدن' بازو میں پر کہاں ھے

یاران دیر و کعبہ' دونوں بلا رھے ھیں
اب دیکھیں "میر" اپنا جانا کدھر بنے ھے

دیکھنا تمہارے پاؤں کا کھوتا ہے سر سے ہوش
یہ چال ہے تو اپنی کسے پھر خبر رہے

—

وے دن گئے کہ پھروں کرتے نہ ذکر اس کا
اب نام یار اپنے لب پر گھڑی گھڑی ہے
آتش سی پھک رہی ہے سارے بدن میں میرے
دل میں عجب طرح کی چنگاری آپڑی ہے

—

دیکھنے ہی کے ہے قابل یار کی ترکیب "میر"
واہ وا رے چشم‌وابرو، قد و قامت ہائے رے

—

رشتہ کیا ٹھہرے گا یہ جیسے کہ مونازک ہے
چاک دل پلکوں سے مت سی کہ رفو نازک ہے

—

چھاتی کے داغ یکسر آنکھوں سے کھل رہے ہیں
دیکھیں ابھی محبت کیا کیا ہمیں دکھاوے

—

آسماں شاید ورے کچھہ آگیا
رات سے کیا کیا رکا جاتا ہے جی

—

کیا جانئے کہ چھاتی جلے ہے کہ داغ دل
اک آگ سی لگی ہے کہیں، کچھہ دھواں سا ہے

—

مزاجوں میں یاس آگئی ہے ہمارے
نہ مرنے کا غم ہے ' نہ جینے کی شادی
نہ ہو عشق کا شور تا "مہر" ہرگز
چلے بس تو شہروں میں کرے منادی

باؤلے سے جب تلک بکتے تھے سب ' کرتے تھے پیار
عقل کی باتیں کہاں' کیا ہم سے نادانی ہوئی

جنوں کا عبث میرے مذکور ہے
جوانی دوانی ہے ' مشہور ہے
گدا ' شاہ دونوں ہیں دل باختہ
عجب عشق بازی کا دستور ہے
نیاز اپنا جس مرتبے میں ہے یاں
اسی مرتبے میں وہ مغرور ہے
گیا شاید اس شمع رو کا خیال
کہ اب "مہر" کے منھ پہ کچھ نور ہے

بے خودی یہ ہے تو ہم آپ میں اب آچکے
کیا تمہیں یاں سے چلے جاتے ہو ہم بھی جا چکے

کی سیر ہم نے سینۂ یکسر فگار کی
اس تختے نے بھی اب کے قیامت بہار کی

آنکھیں غبار لائیں مری، انتظار میں
دیکھوں تو گرد کب اُٹھے اس رہ گزار کی
مقدور تک تو ضبط کروں ہوں پہ کیا کروں
منھ سے نکل ہی جاتی ہے اک بات پیار کی
کیا جانوں چشم ترسے اُدھر دل پہ کیا ہوا
کس کو خبر ہے "میر" سمندر کے پار کی

اب حوصلہ کرے ہے ہمارا بھی تنگیاں یاں
جانے بھی دو بتوں کے تئیں کیا خدا ہیں یہ

تھا ملک جن کے زیر نگیں صاف مٹ گئے
تم اس خیال میں ہو کہ نام و نشاں رہے
اک قافلے سے گرد ہماری نہ تک اُٹھی
حیرت ہے "میر" اپنے تئیں ہم کہاں رہے

رہتے رہتے منتظر، آنکھوں میں جی آیا ندان
دم غنیمت جان اب مہلت کوئی دم اور ہے
جی تو جانے کا ہمیں اندوہ ہی ہے ایک "میر"
حشر کو اُٹھنا پڑے گا پھر یہ اک غم اور ہے

الٰہی کہاں منھ چھپایا ہے تو نے
ہمیں کھو دیا ہے تری جستجو نے

جو خواهش نه هوتي تو کاهش نه هوتی
همیں جي سے مارا تری آرزو نے
مداوا نه کرتا تھا مشفق همارا
جراحت جگر کے لگے دکھلنے دونے
تري چال تیز هي تری بات روکھي
تجھے "میر" سمجھا هے یاں کم کسو نے

جی گیا اس کے تیر کے همراہ تھيا تواضع ضرور مہماں کي
پھوڑ ڈالیں گے سر هی اس در پر منت اٹھتی نہیں هے درباں کي
آدمی سے ملک کو کیا نسبت شان ارفع هے "میر" انساں کي

یه رات هجر کی یاں تک تو دکھ دکھاتي هے
که صبح شکل مري سب کو بھول جاتي هے

کوفت سے جان لب په آئی هے هم نے کیا چوٹ دل په کھائي هے
لکھتے رقعه، لکھے گئے دفتر شوق نے بات کیا بڑھائي هے
یاں هوے خاک سے برابر هم واں وهی ناز خود نمائي هے

سجده کوئی کرے تو در یار پر کرے
هے جاے پاک شرط عبادت کے واسطے

قصد ہے کعبہ کا لیکن سوچ ہے
کیا ہے منہ جو اس کے در پر جائیے

گردش میں جو ہیں "میر" مہہ و مہر ستارے
دن رات ہمیں رہتی ہے یہ چشم نمائی

خوبی سے نداں اس کی سب صورتیں یاں بگڑیں
وہ زلف بنی دیکھی سب بن گئے سودائی

آبِ حسرت آنکھوں میں اس کی تو میدانہ پھرتا تھا
"میر" نے شاید خواہش دل کی آج کوئی پھر رخصت کی

بتانِ دیر سے ایسی نہیں لاگ
خدا ہی ہو تو کعبہ "میر" جاوے

نہ بک شیخ اتنا بھی واہی تباہی
کہاں رحمت حق کہاں بے گناہی

پتا پتا، بوٹا بوٹا، حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے، باغ تو سارا جانے ہے

آنا ادھر اس بت کا، کہا میری کشش سے ہے
ہو موم جو پتھر تو، تائید خدا کی ہے
دامانِ دراز اس کا جو صبح نہیں کھلتا
اے "مہر" یہ کوتاہی سب دست دعا کی ہے

شکایت کروں ہوں تو ہونے لگے ہے
مری سر گذشت اب ہوئی ہے کہانی

عالم عالم عشق و جنوں، ہے دنیا دنیا تہمت ہے
دریا دریا روتا ہوں میں، صحرا صحرا وحشت ہے

آنسو ہو کر خون جگر کا، بے تابانہ آیا تھا
شاید رات شکیبائی کی جلد بہت کچھ رخصت تھی

دل بھی بھرا رہتا ہے میرا، جی بھی رندھا کچھ جاتا ہے
کیا جانوں میں روؤں کا کیا؟ دریا چڑھتا آتا ہے
عشق و محبت کیا جانوں میں؟ لیکن اتنا جانوں ہوں
اندر ہی اندر سینے میں میرے، دل کو کوئی کھاتا ہے
عاشق اپنا جان لیا ہے اُن نے شاید "مہر" ہمیں
دیکھ بھری مجلس میں اپنی، ہم ہی سے شرماتا ہے

گردش دلوں کی کم نہ ہوئی کچھ کرے ہوئے
روزے رکھے غریبوں نے تو دن بھرے ہوئے

بیمار امیدوار ہے، بستر پہ اپنے ہم
دروازے ہی کے اور تکے ہیں پڑے ہوئے

گلستاں کے ہیں دونوں پلے بھرے
بہار اِس طرف، اُس طرف ابر ہے

آنکھوں کی کچھ حیا تھی، سو موند لیں ادھر سے
پھر [illegible] جو رہ گیا تھا وہ بھی اُٹھا دیا ہے

سر کسو سے فرو نہیں آتا
حیف بندے ہوئے خدا نہ ہوئے
کھیسا کھیسا قفس سے سر سارا
موسم گل میں ہم رہا نہ ہوئے
میں نہ گردن کٹائی جب تک "مہر"
عشق کے مجھ سے حق ادا نہ ہوئے

دیکھئے کیا ہو سانجھ تلک احوال ہمارا ابتر ہے
دل اپنا تو بجھا سا دیا ہے جان چراغ مضطر ہے
تاب و توان کا حال وہی ہے، آج تلک ہم جیتے ہیں
تم پوچھو تو اور کہیں کیا؟ نسبت کل کے بہتر ہے

تسبیحیں ٹوٹیں ، خرقے ، مصلے ، پھٹے جلے
کیا جانے خانقاہ میں ، کیا "مہر" کہ گئے

جی کے لگنے کی "مہر" کچھ کہ بھی
ہے وہی بات جس میں ہو تہ بھی

شائستہ غم و ستم یار ہم ہوئے
عاشق کہاں ہوئے کہ گنہگار ہم ہوئے
جی کھینچ گیا اسیر قفس کی فغاں کے اور
تھی چوٹ اپنے دل کو گرفتار ہم ہوئے
ہوتا نہیں ہے بے خبری کا مآل خوب
افسوس ہے کہ دیر خبردار ہم ہوئے

تعارف کیا رہا اہل چمن سے — ہوئی اک عمر میں اپنی رہائی
کہاں کا بے ستون فرہاد کیسا — یہ تھی سب عشق کی زور آزمائی
جفا اُٹھتی ، وفا جو عمر کرتی — سو کی اس رفتگی نے بے وفائی
پھر آنا کعبے سے اپنا نہ ہوگا — اب اس کے گھر کی ہم نے راہ پائی

ان دونوں صورتوں میں ، مشکل اب نباہ کی ہے
یا صبر ہم کو آوے یا رحم اُس کو آوے
کچھ زخم کھل چلے کچھ داغ کھل رہے ہیں
اب کی بہار دیکھیں کیا کیا شگوفے لاوے

بہار آئی نکالو مت مجھے اب کے گلستاں سے
مرا دامن بھے تو باندھ دو گل کے گریباں سے
خدا جانے کہ دل کس خانہ آباداں کو دے بیٹھے
کھڑے تھے ''میر'' صاحب گھر کے دروازے پہ حیراں سے

موسم گل تلک رہے گا کون	چبھتے ہي دل کو خار خار رہے
وصل یا ہجر کچھ ٹھہر جاوے	دل کو اپنے اگر قرار رہے
دل لگے پر رہا نہیں جاتا	رہے اپنا جو اختیار رہے

یوں جلوں کرتے جو یاں سے ہم گئے
تو میاں مجنوں بیاباں سے گئے

پلکوں کي اس کي جنبش جاتي نہیں نظر سے
کانٹے سے اپنے دل میں رہتے ہیں کچھ کھٹکتے
ہوتا تھا گاہ گاہے محسوس درد آگے
اب دل ' جگر ' ہمارے پھوڑے سے ہیں ٹپکتے

غم مرگ سے ' دل جگر ریش ہے
عجب مرحلہ ہم کو درپیش ہے
ہمیں کہا جو ہے '' میر '' بے ہوش سا
خدا جانے یہ کیا ہے ؟ درویش ہے

گوش ھر اک کا اسی کی اور ھے
کیا قیامت ؟ قیامت شور ھے

آشنا ھو اس سے ھم ، مر مر گئے آیندہ "مہر"
جیتے رھئے تو کسو سے اب نہ یاری کیجئے

آینہ دار اسی کے ، پاتے ھیں شش جہت کو
دیکھیں تو منھ دکھاوے ، وہ کم جاں کدھر سے
جب گوش زدھو اس کے تب بے دماغ ھو وہ
بس ھوچکی توقع اب نالۂ سحر سے

چاھیے کس سے تیری داد ستم
کاش انصاف اپنے دل میں کرے

چلے ھم ، اگر تم کو اکراہ ھے فقیروں کی اللہ اللہ ھے

خواھش بہت جو ھو تو کاھش ھے جان و دل کی
کچھ کم کر ان دنوں میں ، اے "مہر" چاہ کو بھی

بے تابی ، جو دل ھر گھڑی اظہار کرے ھے
اب دیکھوں مجھے کس کا گرفتار کرے ھے

کچھ میں بھي عجب جنس ھوں بازار جہاں میں
سوناز مجھے لیئے خریدار کرے ھے
کیوں کر نہ ھو تم "مہر" کے آزار کے درپے
یہ جرم ھے اس کا کہ تمھیں پیار کرے ھے .

دشمنوں کے رو بہ رو دشنام ھے
یہ بھی کوئي لطف بے هنگام ھے
عشق کی ھے راہ کیا مشکل گزر
سر کا جانا جس میں هراگ گام ھے
روز و شب پھرتا ھوں اس کوچہ کے گرد
کیا کہوں ? کیا گردش ایام ھے

اس کا غضب سے نامہ نہ لکھنا تو سہل ھے
لوگوں کے پوچھنے کا کوئي کیا جواب دے

بہ رنگ طائر نو پر ' ھوئے آوارہ هم اوتھ کر
کہ پھر پائي نہ هم نے راہ اپنے آشیانے کي

تیرے بیمار کی بالیں پہ جاکر' هم بہت روے
بلا حسرت کے ساتھ اس کي نگاہ واپسي دیکھی

بے طاقتي دل سے میری جان ھے لب پر
تم ٹھہرو کوئی دم' تو مرا جي بھی ٹھہر جائے

جاتا ہے جدھر منزل مقصود نہیں وہ
آوارہ جو ہو عشق کا، بےچارہ کدھر جائے
اس زلف کا ہر بال رگ جان ہے اپنی
یاں جی بھی بکھرتا ہے صبا وہ جو بکھر جائے

بتوں کے جرم الفت پر، ہمیں زجرو ملامت ہے
مسلماں بھی خدا لگتی نہیں کہتے قیامت ہے
پئے دارو، پڑے پھرتے تھے کل تک "مہر" کوچوں میں
اُنہیں کو، مسجد جامع کی دیکھی آج خدمت ہے

خدا کرے مرے دل کو تک اک قرار آوے
کہ زندگی تو کروں جب تلک کہ یار آوے
ہمیں تو ایک گھڑی، گُل بغیر دوبھر ہے
خداھی جانے کہ اب کب تلک بہار آوے
اُٹھے بھی گرد رہ اِس کی کہیں، تو لطف ھی کیا
جب اِنتظار میں آنکھوں ھی پر غبار آوے
تمہارے جوروں سے اب حال جائے عبرت ہے
کسی سے کہئے تو اس کو نہ اِعتبار آوے

دل کی بیماری سے طاقت طاق ہے
زندگانی اب تو کرنا شاق ہے
دم شماری سی ہے رنج قلب سے
اب حساب زندگی بےباق ہے

مست پڑا وہ دیر کے ٹکڑوں پہ "میر"
اٹھ کے کعبہ چل ، خدا رزاق ھے

بات کیا آدمي کي بن آئي   آسماں نے زمین نپوائی

دست افشاں، پائے کوباں، شوق میں
صومعے سے "میر" بھی باہر گئے

واعظ ناکس کی باتوں پر ، کوئي جاتا ھے "میر"
آؤ میخانے چلو ، تم کس کے کہنے پر گئے

خستہ ھوا اپنا کوئي پھر بھي گلے سے لگاتے ھیں
وحش . ایک تمھیں کو دیکھي اپنے سینہ فگاروں سے

کچھ نہیں اور دیکھے ھیں کیا کیا
خواب کا سا ھے یاں کا عالم بھی
کھپ ھی جاتا ھے آدمي اے "میر"
آفت جاں ھے عشق کا غم بھي

باغ میں سیر ، کبھو ہم بھي کیا کرتے تھے
روش آب رواں پھلے پھرا کرتے تھے

اب تو بے تابیٔ دل نے ہمیں بٹھلا ہی دیا
آگے رنج و تعب عشق اٹھا کرتے تھے

کیسا کیسا عجز ہے اپنا، کیسے خاک میں ملتے ہیں
کیا کیا ناز و ادا اس کو ہے، کیا کیا بے پروائی ہے

کیا ابر رحمت اب کے برستا ہے لطف سے
طاعت گزیں جو ہو سو گنہگار ہو کوئی
یکساں ہوئے ہیں خاک سے پامال ہوکے ہم
کیا اور اس کی راہ میں ہموار ہو کوئی

معشوقوں کی گرمی بھی، اے "مہر" قیامت ہے
چھاتی میں گلے لگ کر تک آگ لگاویں گے

لہو، میری آنکھوں میں آتا نہیں
جگر کے مگر زخم سب بھر گئے

ہمیں ہے عشق میں جینے کا کچھ خیال نہیں
وگرنہ سب کے تئیں جان اپنی پیاری ہے

یوں تو ایک قطرۂ خون ہے لیکن   قہر ہے دل، جو اضطراب کرے
"مہر" اٹھ بت کدے سے کعبے گیا   کیا کرے جو خدا خراب کرے

عشق کیا ہے جب سے ہم نے ، دل کو کوئی ملتا ہے
اشک کی سرخی، زردیء چہرہ، کیا کیا رنگ بدلتا ہے

ہماری جان لبوں پر ہے، سوے گوش گئی
کہ اس کے آنے کی سن گن، کچھ اب بھی یاں پاوے

اس رفتہ کی جاں بخشی تک آتے ہوے اس کے
رکھتے ہی قدم مجھ میں پھر جاں گئی، آئی

کیا ہوتا جو پاس اپنے اے "مہر" کبھو وہ آجاتے
عاشق تھے ، درویش تھے آخر ، بے کس بھی تھے، تنہا تھے

راہ جاناں سے ہے گزر مشکل   جان ہی سے کوئی مگر گزرے

درد دل طول سے کہے عاشق   روبہ رو، اس کے جو کہا بھی جائے

اس دشت سے غبار ہمارا نہ تک اٹھے
ہم خانماں خراب نہ جانا کدھر رہے

رہنا گلی میں جھکے جی ، اس کی نہ ہوسکا
ناچار ہوکے واں جو گئے اب، سو مر رہے

بدنامی کیا عشق کی کہئے، رسوائی سی رسوائی ہے
صحرا صحرا وحشت بھی تھی، دنیا دنیا تہمت تھی

کہنا جو کچھ جس سے ہوگا سامنے "میر" کہا ہوگا
بات نہ دل میں پھر گئی ہوگی، منہ پر میرے آئی ہوئی

حسرتیں اس کی سر پٹکتی ہیں
مرگ فرہاد، کیا کیا تو نے

مہلت نہ آئینے کا اس کو، نہ ہے گھر کا
کیا جانئے اب روے دل یار کدھر ہے
اے شمع! اقامت کدہ اس بزم کو مت جان
روشن ہے ترے چہرے سے تو گرم سفر ہے
اُس عاشق دیوانہ کی مت پوچھ معیشت
دنداں بہ جگر، دست بہ دل، داغ بہ سر ہے

گیا ہی دامن‌گیر تھی، یا رب! خاک بسمل گاہ وفا
اس ظالم کے تیغ تلے سے ایک گیا تو دو آے

جوں ابر، بے کسانہ روتے اٹھے ہیں گھر سے
برسے ہے عشق اپنے دیوار اور در سے
شاید کہ وصل اس کا ہووے تو جی بھی ٹھہرے
ہوتی نہیں ہے اب تو تسکین دل، خبر سے

گلشن سے لے قفس تک، آواز ایک سی ہے
کیا طائر گلستاں ہیں نالہ کش اثر سے
یہ عاشقی ہے ایسی، جیؤ گے یار کب تک
ترک وفا کرو ہو مرنے کے "میر" ڈر سے

برسوں ہم درویش رہے، پردے میں دنیا داری کے
ناموس اس کے، کیوں کہ رہے، یہ پردا جن نے اٹھایا ہے

چلتے ہوئے تسلی کو کچھ یار کہہ گئے
اس قافلے میں ہم بھی تھے، افسوس رہ گئے

کیسی سعی و کوشش سے، ہم کعبہ گئے بت‌خانے سے
اُس گھر میں کوئی بھی نہ تھا، شرمندہ ہوئے ہم جانے سے

اپنی نیاز تم سے اب تک بتاں رہی ہے
تم ہو خدائے باطل، ہم بندے ہیں تمھارے
ٹھہرے ہیں ہم تو مجرم ٹک پیار کرکے تم کو
تم سے بھی کوئی پوچھے تم کیوں ہوئے پیارے
چپکا چلا گیا میں آزردہ ہو چمن سے
کس کو دماغ اتنا بلبل کو جو پکارے

کیا رات دن کٹے ہیں ہجراں کے، بےخودی میں
سدھ اپنی "میر" اس بن، دو دو پہر نہ آئی

اتفاق ان کا مار ڈالے ہے   ناز و انداز کو جدا کرئیے ۔

دل میں گرہ لگی رہی پرواز باغ کی
موسم گلوں کا جب تئیں تھا، ہم اسیر تھے

مر گئے عشق میں نازک بدنوں کے آخر
جاں کا بھی دینا محبت کی گلھ گاری ہے

وائے وہ طائر بے بال و ہوس ناک جسے
شوقِ گل گشت گلستاں میں گرفتاری ہے
آنکھ، مستی میں کسو پر نہیں پڑتی اس کی
یہ بھی اس سادۂ پرکار کی ہشیاری ہے
واں سے جز ناز و تبختر نہیں کچھ یاں سے "میر"
عجز ہے دوستی ہے، عشق ہے، غم خواری ہے

بندے کا دل بجا ہے، جاتا ہوں شاد ہر جا
جب سے سنا ہے میں نے، کیا غم ہے جو خدا ہے

مقصود کو دیکھیں پہونچے کب تک
گردش میں تو آسماں بہت ہے
اکثر پوچھے ہے جیتے ہیں "میر"
اب تو کچھ مہرباں بہت ہے

آشوب ہجر ہستی، کیا جانئے ہے کب سے
موج و حباب اُٹھ کر لگ جاتے ہیں کنارے
کوئی تو تھا طرف پر آواز دی نہ ہم کو
ہم بےقرار ہو کر چاروں طرف پکارے

عشق ہمارا درپے جاں ہے کیسی خصومت کرتا ہے
چین نہیں دیتا ہے ظالم، جب تک عاشق مرتا ہے
شاید لمبے بال اس مہ کے بکھر گئے تھے باد چلے
دل تو پریشاں تھا ہي میرا، رات سے جی بھی بکھرتا ہے

نالہ جب گرم کار ہوتا ہے   دل، کلیجے، کے پار ہوتا ہے
جبر ہے، قہر ہے، قیامت ہے   دل جو بے اختیار ہوتا ہے

"میر" اتنی ساجت جو بندوں سے تو کرتا ہے
دنیا میں مگر تیرا اللہ نہیں کوئی

یاد زلف یار، جی مارے ہے "میر"
سانپ کے کاٹے کی سی یہ لہر ہے

موسم گل میں توبہ کی، واعظ کے میں کہنے سے
اب جو رنگ بہار کے دیکھے، شرمندہ ہیں ندامت ہے

نہ تو جذب رسا، نہ بخت رسا — کیوں کر کہئے کہ واں رسائی ہے
میں نہ آتا تھا باغ میں اس بن — مجھ کو بلبل پکار لائی ہے
عشق دریا ہے ایک لنگر دار — تہ کسو نے نہ اس کی پائی ہے
بے ستوں کوہکن نے کیا توڑا — عشق کی زور آزمائی ہے

تیرے بندے ہم ہیں، خدا جانتا ہے
خدا جانے تو ہم کو کیا جانتا ہے
نہیں عشق کا درد لذت سے خالی
جسے ذوق ہے وہ مزا جانتا ہے
بلا شور انگیز ہے چال اس کی
اسی طرز کو خوش نما جانتا ہے
مرے دل میں رہتا ہے تو ہی، تبھی تو
جو کچھ دل کا ہے مدعا، جانتا ہے

بدی میں بھی کچھ خوبی ہو وے گی تب تو
برا کرنے کو وہ بھلا جانتا ہے

نہیں اتحاد تن و جان سے واقف
ہمیں یار سے جو جدا جانتا ہے

اس گلی سے جو اُٹھ گئے بے صبر "میر" گویا کہ وے جہاں سے گئے

عشق میں ہم نے جان کنی کی ہے
کیا محبت نے دشمنی کی ہے

قافلہ لٹ گیا جو آنسو کا
عشق نے "میر" رہزنی کی ہے

وصف اس کا باغ میں کرنا نہ تھا
گل ہمارا اب گریباں گیر ہے

دل غم سے خوں ہوا تو بس اب زندگی ہوئی
جان امید وار سے شرمندگی ہوئی

بال و پر بھی گئے بہار کے ساتھ
اب توقع نہیں رہائی کی
جور اس سنگدل کے سب نہ کھنچے
عمر نے سخت بے وفائی کی
نسبت اس آستاں سے کچھ نہ ہوئی
برسوں تک ہم نے جبہہ سائی کی

"مہر" کی بندگی میں جاں بازی
سہہ سی ہو گئی خدائی کی

ہم آپ سے جو گئے ہیں گئے ہیں مدت سے
الہیٰ اپنا ہمیں کب تک اِنتظار رہے
نہ کرنے گریۂ بے اِختیار ہر گز "مہر"
جو عشق کرنے میں دل پر کچھ اِختیار رہے

جس آنکھ سے دیا تھا اُن نے فریب دل کو
اُس آنکھ کو جو دیکھو اب آشنا نہیں ہے

وہ اب ہوا ہے اتنا کہ جور و جفا کرے
افسوس ہے جو عمر نہ میری وفا کرے
مستی شراب کی سی ہے یہ آمد شباب
ایسا نہ ہو کہ تم کو جوانی نشا کرے

پھرتے ہیں "مہر" خوار کوئی پوچھتا نہیں
اس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی

گل نے بہت کیا کہ چمن سے نہ جائیے
گل‌گشت کو جو آئیے آنکھوں پہ آئیے
میں بے دماغ کرکے تغافل چلا گیا
وہ دل کہاں کہ ناز کسو کے اٹھائیے

صحبت عجب طرح کی پڑي اتفاق هائے
کهو بیٹھئے جو آپ کو تو اس کو پائیے

دل میں مسودے تھے بہت، پر حضور یار
نکلا نہ ایک حرف بھی میری زبان سے

پھرا کرتے هیں خوار گلیوں میں هم
کہاں تک یہ بے اعتباری رهے

یارب رکھیں گے پنبہ و مرهم کہاں کہاں
سوز دروں سے هائے بدن داغ داغ هے

گھر کو اس کے خراب هی دیکھا جس کے یہ چشم و دل مشیر هوئے

آؤ کبھو تو پاس همارے بھي ناز سے
کرنا سلوک خوب هے اهل نیاز سے
کرتا هے چھید چھید همارا جگر تمام
وہ دیکھنا ترا مژۂ نیم باز سے

اب کی دل، ان سے بچ گیا تو گیا چور جاتے رهے کہ اندھیاري
کیوں نہ ابر بہار پر هو رنگ برسوں دیکھی هے میري خوں‌باري

دوستی نے تو ہماری جاں‌گدازی خوب کی
آہ اس دشمن نے یہ عاشق نوازی خوب کی

اس سخن رس سے اگر شب کی ملاقات رہے
بات رہ جائے نہ یہ دن رہیں، نے رات رہے

سہرے کہاں تک پڑیں، آنسوؤں کے چہرے پر
گریہ گلے کا ہار دیکھے کب تک رہے
اس سے تو عہد و قرار کچھ بھی نہیں درمیاں
دل ہے مرا بے قرار دیکھئے کب تک رہے
آنکھیں تو پتھرا گئیں تکتے ہوئے اس کی راہ
شام و سحر انتظار دیکھے کب تک رہے
گیسو و رخسار یار آنکھوں ہی میں پھرتے ہیں
"میر" یہ لیل و نہار دیکھئے کب تک رہے

بہت نا مہرباں رہتا ہے یعنی
ہمارے حال پر کچھ مہرباں ہے
ہمیں جس جا پہ کل غش آگیا تھا
وہیں شاید کہ اس کا آستاں ہے
اسی کا دم بھرا کرتے رہیں گے
بدن میں اپنے جب تک نیم جاں ہے

غنچہ ہے سر پہ داغ سودا کا
دیکھیں کب تک یہ گل بہار کرے

پڑتا ہے پھول برق سے گلزار کی طرف
دھڑکے ہے جی قفس میں غم آشیان سے
آنکھوں میں آکے دل سے نہ ٹھہرا تو ایک دم
جاتا ہے کوئی دید کے ایسے مکان سے

فردیات

کیا کہیئے عشق، حسن کی آپ ہی طرف ہوا
دل نام قطرہ خون یہ، ناحق تلف ہوا

مۂ گل گوں کے بو سے بس کہ مے خانہ مہکتا تھا
لب ساغر پہ منھ رکھ رکھ کے ہر شیشہ بھبکتا تھا

جبکہ تابوت مرا جائے شہادت سے اُٹھا
شعلۂ آہ، دل گرم محبت سے اُٹھا

گرچہ امید اسیری پہ یہ ناشاد آیا
دام صیاد کا ہوتے ہی خدا یاد آیا

یک پارہ جیب کا بھی ' بجا میں نہیں سیا
وحشت میں جو سیا سو کہیں کا کہیں سیا

خاک سے ''میر'' کیوں نہ یکساں ہو
مجھ پہ تو آسمان ٹوٹتا ہے

وصل کی جب سے گئی ہے چھوڑ دلداری مجھے
ہجر کی کرنی پڑی ہے نازبرداری مجھے
میں گریباں پھاڑتا ہوں وہ سلا دیتا ہے ''میر''
خوش نہیں آتی نصیحت گر کی غم خواری

حیران اُس بھبھوکے سے سب دوش ہوگئے
شمع و چراغ بزم میں خاموش ہوگئے

نسبت مہ ہے دور اِس گل سے
وہ شگفتہ ہے ' یہ گرفتہ ہے

اُن نے دیکھا جو اٹھ کے سوتے سے   اڑگئے آیئنے کے توتے سے

دیکھتا ہوں تو کام میرا '' میر ''   اول عشق ہی میں آخر ہے

بس نہ لگ چل نسیم مجھ سے کہ میں
رہ گیا ہوں چراغ سا بجھ کر

چلی جاتي ہے جاں ھی بس ، بھلا تدبیر کیا کرئیے
مداوے سے مرض گزرا ، کہو اب '' میر '' کیا کرئیے

عاشق کي مناجات

مرا زخم یارب نمایاں رہے
پس ازمرگ صد سال خنداں رہے

رہے دشمنی جیب سے چاک کو
صبا دوست رکھے مری خاک کو

مژہ اشک خونیں سے سازش کرے
غم دل بھی مجھ پر نوازش کرے

جگر سے طپیدن موافق رہے
مرا درد دل مجھ پہ عاشق رہے

جو نالہ ھو شب گیر کا روشناس
وہ آتھوں پہر رہی رہے میرے پاس

مژہ گرم افسوس و نم ناک ھو
کہ سیلاب آتش پہ خاشاک ھو

کریں نیزہ بازی یہ آہ سحر
کہ خورشید کي پھوٹ جاوے سپر

خموشي سے مجھ کو رہے گفتگو
اُڑے پر لگا کر مرا رنگِ رو

نہ مرهم سے افسردہ هو داغ دل
شگفتہ رہے یہ گلِ باغِ دل

سدا چشم حیرت سے نسبت رہے
مجھے دیکھ رهنے کی فرصت رہے

اگر ضعف تک کسب طاقت کرے
مری ناتوانی قیامت کرے
مری بےکسی ناز بردار ہو
مروں میں تو مرنے کو تیار ہوں
بیاباں میں آشفتہ حالی کروں
کہیں تو دل پر کو خالی کروں
کریں دونو عالم ملامت مجھے
ڈبو دیوے اشک ندامت مجھے
مرا ہاتھ ہو چاک کا دستیار
کہ تا جیب و دامن ہو قرب و جوار
جنوں میرے سر پر سلامت رہے
بیاباں میں مجھ سے قیامت رہے
بھٹکنے سے مجھ کو نہ ہو وارہی
بھلاوے خضر کو مری گمرہی
جو ہو گرم رہ پاے پر آبلہ
تو ہوجاے سرد آتش قافلہ

محبت

محبت نے ظلمت سے کاڑھا ہے نور
نہ ہوتی محبت نہ ہوتا ظہور
محبت مسبب محبت سبب
محبت سے آتے ہیں کار عجب
محبت بن اس جا نہ آیا کوئی
محبت سے خالی نہ پایا کوئی

محبت ھی اِس کار خانے میں ھے
محبت سے سب کچھ زمانے میں ھے

محبت سے سب کو ھوا ھے فراغ
محبت نے کیا کیا دکھائے ھیں داغ

محبت اثر کار پرداز ھو
دلوں کے تئیں سوز سے ساز ھو

محبت ھے آب رخ کار دل
محبت ھے گرمئی بازار دل

محبت عجب خوب خوں ریز ھے
محبت بلائے دل آویز ھے

محبت کی آتش سے اخگر ھے دل
محبت نہ ھووے تو پتھر ھے دل

محبت لگاتی ھے پانی میں آگ
محبت سے ھے تیغ و گردن میں لاگ

محبت سے ھے اِنتظام جہاں
محبت سے گردش میں ھے آسماں

محبت سے پروانہ آتش بہ جاں
محبت سے بلبل ھے گرم فغاں

اِسی آگ سے شمع کو ھے گداز
اِسی کے لئے گُل ھے سرگرم ناز

محبت سے لے تحت سے تابہ فوق
زمین آسماں سب ھیں لبریز شوق

اس آتش سے گرمی ھے خورشید میں
یھی ذرے کی جانِ نومید میں

اسی سے دل ساد ہے داغدار
کتاں کا جگر ہے سراسر فگار
اسی سے قیامت ہے، ہر چار اور
اسی فتنہ گر کا ہے عالم میں شور

عشق

عشق ہے تازہ کار تازہ خیال
ہر جگہہ اس کی اک نئی ہے چال
دل میں جاکر کہیں تو درد ہوا
کہیں سینے میں آہ سرد ہوا
کہیں آنکھوں سے خون ہوکے بہا
کہیں سر میں جنون ہوکے رہا
کہیں رونا ہوا ندامت کا
کہیں ہنسنا ہوا جراحت کا
گہ نمک اس کو داغ نے پایا
گہ پتنگا چراغ کا پایا
واں طپیدن ہوا جگر کے بیچ
یاں تبسم ہے زخم تر کے بیچ
کہیں آنسوں کی یہ سرایت ہے
کہیں یہ خون چکاں شکایت ہے
تھا کسی دل میں نالۂ جانکاہ
ہے کسو لب پہ ناتواں اک آہ
تھا کسو کی پلک کی نم ناکی
ہے کسو خاطروں کی غم ناکی

کہیں باعث ہے دل کی تنگی کا
کہیں موجب شکستہ رنگی کا
کہیں اندوہ جان آگہ تھا
سوزش سینہ ایک جاگہ تھا
کہیں عشاق کی نیاز ہوا
کہیں اندوہ جاں گداز ہوا
ہے کہیں دل جگر کی بے تابی
تھا کسو مضطرب کی بے خوابی
کسو چہرے کا رنگ زرد ہوا
کسو محمل کے آگے گرد ہوا
طور پر جاکے شعلہ پیشہ رہا
بے ستوں میں شرارتیشہ رہا
کہیں لے بست کو لگائی آگ
کہیں تیغ و جگو میں رکھی لاگ
کبھو افغان مرغ گلشن تھا
کبھو قمری کا طوق گردن تھا
کسو مسلخ میں جا نظارہ ہوا
کوئی دل ہوکے پارہ پارہ ہوا
ایک عالم میں درد مندی کی
ایک محفل میں جاسپندی کی
ایک دل سے اٹھے ہے ہوکر دود
ایک لب پر سخن ہے خوں آلود
اک زمانے میں دل کی خواہش تھا
اک سمے میں جگر کی کاھش تھا

کہیں بیٹھے ہے جی میں ہوکر چاہ
کہیں رہتا ہے قتل تک ہمراہ
خار خار دل غریباں ہے
انتظار بلا نصیباں ہے
کہیں شیون ہے اہل ماتم کا
کہیں نوحہ ہے جان پر غم کا
آرزو تھا اُمیدواروں کی
درد مندی جگر فگاروں کی
نمک زخم سینہ ریشاں ہے
نگہ ناز مہر کیشاں ہے
حسرت آلودہ آہ تھا یہ کہیں
شوق کی اک نگاہ تھا یہ کہیں

عاشق اور معشوق

(عاشق)

ضبط کروں میں کب تک آہ اب
چل اے خامے بسم اللہ اب
کر تک دل کا راز نہانی
ثبت جریدہ میری زبانی
یعنی "میر" ایک خستہ غم تھا
سر تاپا اندوہ و الم تھا
آنکھ لڑی اُس کی اک جاگہ
بے خود ہوگئی جان آگہ
صبر نے چاہی دل سے رخصت
تاب نے ڈھونڈی اِک دم فرصت
تاب و توان و شکیب و تحمل
رخصت اُس سے ہوگئے بالکل
سینہ فگاری سامنے آئی
بے تابی نے طاقت پائی
خون جگر ہو بہنے لاگا
پلکوں ہی پر رہنے لاگا

خواب و خورش کا نام نہ آیا — ایک گھڑی آرام نہ آیا
چاک جگر سے محبت ٹپکی — آنسو کی جاگہ حسرت ٹپکی
سوز سے چھاتی، تابہ گویا — اور پلک خونابہ گویا
آہ سے اس کی مشکل جینا — درد فقط تھا، سارا سینا
دل میں تمنا، داغ جگر میں — شیون لب پر یاس نظر میں
رو و جبیں پہ خراش ناخن — داغوں سے خوں کے قامت گلبن
زخم مہلک دل تک پہنچا — کوئی نہ اس گھائل تک پہنچا
سونہ گیا یک دم وہ بے کل — بخت نہ جاگے اس کے اک پل
کام رہا ناکامی ہی سے — تسکیں بے آرامی ہی سے
نے طاقت نے یار اس کو — ضعف دلی نے مارا اس کو
نالۂ دل میں حزینی اس کے — خاطر میں غمگینی اس کے
رنگ اڑے چہرے کا ہردم — تھا گویا گل آخر موسم
دیدۂ تر کے، دریا قائل — ساحل خشک لبی کے سائل
خاک بسر آشفتہ سری سے — شور قیامت نوحہ گری سے
سرتا پا آشفتہ دماغی — داغ جنوں دے جس کو چراغی
وادی پر جب اپنی آوے — صحرا صحرا خاک اڑاوے
کلفت دل جب خاک فشاں ہو — اشک کی جاگہ ریگ رواں ہو
سر پر اس کے سنگ ہمیشہ — جی پر عرصہ تنگ ہمیشہ
گرد کی تہ اس کا پیراہن — دامن صحرا جس کا دامن
بار دامن، تار گریباں — دامن قرب، جوار گریباں
پامالی میں مثل جادہ — نقش قدم سا خاک افتادہ
جن نے دیکھا اس کو اک دم — اس نے کہا یہ بھولوں کے سب غم
چلدے یہ ناشاد رہے گا — پھر مدت تک یاد رہے گا

لوهو ٹپکے آہ سحر سے　　نالہ گتھواں لخت جگر سے
درد دل سے کچھ نہ کہے وہ　　ہر اک کا منہ دیکھ رہے وہ
نے کعبہ نے دیر کے قابل　　مذہب اُس کا سیر کے قابل
کیا کہیے اب کیسا کچھ تھا　　القصہ وہ ایسا کچھ تھا

(معشوق)

وہ کیسا تھا جس پر عاشق　　جي سے تھا یہ عاشق صادق
دیدۂ گل میں جاگھ اُس کی　　نکہت گل گرد رہ اُس کي
چشم برہ سارا چمن اُس کا　　نقش قدم تھا یا سمن اُس کا
گل آشفتہ اُس کے رو کا　　سنبل اک زنجیري مو کا
دیکھ اُس رخ کی نور افشاني　　شمع مجلس پاني پانی
دور چشم ہے اس کا جب سے　　فتنا اک سوتا نہیں تب سے
رخ لب سے ' جاں بخش عالم　　بلکہ سراپا جان مجسم
کوئي مرے انداز حیا پر　　چشم اُس کي تھی پشت پا پر
دونوں لب اُس کے لعل بدخشاں　　دست حنائي پنجۂ مرجاں
جس دم برقع منہ سے اُٹھا تا　　خورشید اُس دم ڈوبا جاتا
پار دلوں میں خدنگ مژہ کا　　کاوش کم کم ننگ مژہ کا
بھوں کی کشش سے' دوانہ عالم　　تیر نگہ کا نشانہ عالم
تیغ و تبر تھي ابرو اُس کی　　آتش سرکش تھي خو اُس کی
سائے سے اُس کے سرو بنایا　　خاک رہ سے تدرو بنایا
چشم کرشمہ جان تغافل　　شایاں اُس کے شان تغافل
کیا جانے وہ حال کسو کا　　پتھر دل اُس آئینہ رو کا
بتاتے هي ابرو کا اشارہ　　غمزے نے اک خنجر مارا
جب وہ خرام ناز کرے ہے　　جي کو جور نیاز کرے ہے

رخصت دے گر عشوہ گري کو   ایک هي جلوہ بس هے پری کو
هسنے میں وہ صفائی دنداں   برق خرمن عالم امکاں
اشک سحر کو صفائے تن پر   خون صراحي اُس گردن پر
شکل چیں میں، یہ ناز کہاں هے   صورت هے انداز کہاں هے
جب وہ شکل نظر آتی تهي   کلفت دل کي نکل جاتی تهي
بار نزاکت کیونکہ اتھاوے   شاخ گل سا لهکا جاوے
مہ فلک قرباني اُس کا   یوسف اِک زندانی اُس کا
اور جو خوباں پاویں اُس کو   یک دیگر دکهلاویں اُس کو
کیا کوئي شوخی اُس کي بتاوے   کچھ ٹھہرے تو کہنے میں آوے
کیا هے اُس کے آب و گل میں   آرزو اس کي سب کے دل میں
سب کو میل اُس بت کي ادا کا   بندہ کون رہا هے خدا کا
دیکھے نہ عاشق زار کو اپنے   پوچھے نہ بیمار کو اپنے
عاشق ظلم و جور و جفا کا   دشمن جانی اهل وفا کا
کوچہ، رشک فضائے کعبہ   واں پہنچے نہ دعائے کعبہ

قاتل حسن

مژہ، بخت عاشق کی بر گشتگي
نگہ، ایک عالم کي سر گشتگی
قد و قامت اُس کا کروں کیا بیاں
قیامت کا ٹکڑا هوا تها عیاں
شکن اُس کی کاکل کے دام بلا
هر اک حلقہ زلف، کام بلا

اگر ابرو اُس کي جھمک جاتی تھی
مہ نو کي گردن ڈھلک جاتي تھی
ھلمں اُس کے ابرو جدھر کر کے ناز
کرے اُس طرف ایک عالم نماز
کماں اُس کے ابرو کي عاشق کمیں
خدنگ اس کی مژگاں کے سب دل نشیں
نہ آنکھوں کی مستي کي اُس کو خبر
خرابي نہ عاشق کي مد نظر
شہید اُس کي چشمک کے دل خستگاں
نشانے نگاھوں کے دل بستگاں
پری منفعل رنگ رخسار سے
خجل کبک انداز رفتار سے
خضر تشنہ اُس کے ھي دیدار کا
مسیحا شہید اُس کے بیمار کا
ترحم کو پاؤں تلے وہ ملے
ستم اُس کے کوچے سے بچ کر چلے
جو آمد ھو اُس کي نصیب چمن
کرے ترک گل عندلیب چمن
گلي اُس کی فردوس کا تھی شرف
بھشت، اک گنھگار سي اک طرف
زمیں اُس کي یک دست گلزار تھي
نسیم چمن واں گرفتار تھي

گلی اُس کي وہ قتل گاہ عجیب
شہادت جہاں خضر کو ہو نصیب
صبا گر اُڑا وے تلک واں کي خاک
تو نکلیں زمیں سے دل چاک چاک

بوسیدہ مکان

کیا لکھوں " میر " اپنے گھر کا حال
اِس خرابی میں میں ہوا پا مال
گھر کہ تاریک و تیرہ زنداں ہے
سخت دل تنگ یوسف جاں ہے
کوچۂ موج سے بھی آنگن تنگ
کوٹھری کے حباب کے سے ڈھنگ
چار دیواري سو جگہ سے خم
تر تنگ ہو تو سوکھتے ہیں ہم
لوني لگ لگ کے جھڑتی ہے ماٹی
آہ کیا عمر بے مزہ کاٹی
کیا تھے ملبہ، سقف چھلني تمام
چھت سے آنکھیں لگی رہے ہیں مدام
اس چکھ کا علاج کیا کر لے
واکھ سے کب تلک گڑھے بھریئے
جا نہیں بیٹھنے کو گھر کے بیچ
ہے چکھ سے تمام ایواں کیچ
ایک حجرہ جو گھر میں ہے واثق
سو شکستہ تر ازدل عاشق

کہیں سوراخ ہے کہیں ہے چاک
کہیں جھڑ جھڑ کے ڈھیر سی ہے خاک
کہیں گھوسوں نے کھود ڈالا ہے
کہیں چوہے نے سر نکالا ہے
کہیں گھر ہے کسو چھچھوندر کا
شور ہر کونے میں ہے مچھر کا
کہیں لکڑی کے لٹکے ہیں جالے
کہیں جھینگر کے بے مزہ نالے
کونے ٹوٹے ہیں، طاق پھوٹے ہیں
پتھر اپنی جگہ سے چھوٹے ہیں
اینٹ چونا کہیں سے گرتا ہے
جی اِسی حجرے ہی میں پھرتا ہے
آگے اِس حجرے کے ہے اک ایواں
وہی اِس تنگ خلق کا ہے مکاں
کڑی تختے سبھی دھوئیں سے سیاہ
اُس کی چھت کی طرف ہمیشہ نگاہ
کوئی تختہ کہیں سے ٹوٹا ہے
کوئی داسا کہیں سے چھوٹا ہے
دب کے مرنا ہمیشہ مد نظر
گھر کہاں - صاف موت کا ہے گھر
مٹی تودہ جو ڈالے چھت پر ہم
تھے جو شہتیر، جوں کماں ہیں خم
اینٹ مٹی کا در کے آگے ڈھیر
گرتی جاتی ہے ہولے ہولے منڈیر

کیونکہ ساون کٹے کا اب کي بار
تھر تھرا وے بھنبیری سي دیوار
ہو کے مضطر لگے ہیں کہنے سب
آ بھنبیری کہ ساون آیا اب
تھتري یاں جو کوئي آتي ہے
جان محزوں نکل ہي جاتي ہے
ایک چھپر ہے شہرہ دلی کا
جیسے روضہ ہو شیخ چلي کا
بانس کي جا دئے تھے سرکنڈے
سو وہ میہوں میں سب ہوے تھنڈے
گل کے بندھن ہوئے ہیں ڈھیلے سب
پا کہے رہنے لگے ہیں گیلے سب
میلنہ! میں کیوں نہ بھیگئے یکسر
پھوس بھی تو نہیں ہے چھپر پر
واں یہ ٹپکا تو یاں سرک بیٹھا
یاں جو بھیگا تو واں تنک بیٹھا
ٹپکے دو چار جا تو بند کروں
پیچ کوئي لڑاؤں فند کروں
یاں تر جھانکے ہزار میں تنہا
کچھہ نہیں آج مجھہ سے ہو سکتا
بسکہ بدرنگ ٹپکے ہے پانی
کپڑے رہتے ہیں میرے افشانی
کوئی جانے کہ ہولي کھیلا ہوں
کوئي سمجھے ہے یہ کہ خیلا ہوں

پوچھ مت زندگانی کیسی ہے
ایسے چھپر کي ایسی تیسی ہے
کیا کہوں جو جفا چکش سے سہی
چار پائي ہمیشه سر په رهي
بوریا پھیل کر بچھا نه کبھو
کونے هی میں کھڑا رہا یکسو
جلس اعلیٰ کوئی کھٹولا کھاٹ
پائے پٹي رہے ہیں جن کے پھاٹ
کھٹملوں سے سیاه هے سو بھي
چین پڑتا نہیں هے شب کو بھي
شب' بچھونا جو میں بچھاتا هوں
سر په روز سیاه لاتا هوں
کیڑا ایک ایک پھر مکوڑا ہے
سانجھ سے کھانے هي کو دوڑا ہے
گرچه بہتوں کو میں مسل مارا
پر مجھے کھٹملوں نے مل مارا
هاتھ تکیے په' گھه بچھونے پر
کبھو چادر کے کونے کونے پر
سلسلایا جو پائینتی کي اور
وهیں مسلا' کرایڑیوں کا زور
توشک ان رگڑوں هي میں سب پھاٹي
ایڑیاں یوں رگڑتے هی کاٹی
اک هتیلي میں ایک گھاٹی میں
سیکڑوں ایک چار پائي میں

ہاتھ کو چین ہو تو کچھ کھئے
کب تلک یوں ٹٹولتے رہئے

دو طرف سے ہے کتوں کا رستا
کاش جنگل میں جا کے میں بستا

ہو گھڑی دو گھڑی تو دتکاروں
ایک دو کتے ہوں تو میں ماروں

چار آتے ہیں چار جاتے ہیں
چار عف عف سے مغز کھاتے ہیں

کس سے کہتا پھروں یہ صحبت نغز
کتوں کا سا کہاں سے لاؤں مغز

واسوخت

یاد ایام کہ خوبی سے خبر تجھ کو نہ تھی
سرمہ و آئینے کی اور نظر تجھ کو نہ تھی
فکر آراستگی شام و سحر تجھ کو نہ تھی
زلف آشفتہ کی سدھ دو دو پہر تجھ کو نہ تھی
نا بلد شانے سے تھا کوچہ گیسو تیرا
آئینہ کا ہے کو تھا حیرتئی رو تیرا

آ گئی حسن سے اپنے تجھے زنہار نہ تھی
اپنی مستی سے تری آنکھ خبردار نہ تھی
پاؤں بے‌ڈول نہ پڑتا تھا یہ رفتار نہ تھی
ہر دم اس طور کمر میں ترے تلوار نہ تھی
خون یوں کاہے کو کوچے میں ترے ہوتے تھے
دل زدے کب تری دیوار تلے روتے تھے

شانہ اب ہاتھ میں ہے زلف بنا کرتی ہے
مسی دانتوں میں کئی بار لگا کرتی ہے
پاس سرمے کی سلائی بھی رہا کرتی ہے
آنکھ رعنائی پہ اپنی ہی پڑا کرتی ہے
جان آنکھوں میں کسی کی ہو نظر تم کو نہیں
غش کرے کوئی ستم دیدہ خبر تم کو نہیں

پھشکو ہم سے کوئی تیرا طلبگار نہ تھا
ایک بھی نرگس بیمار کا بیمار نہ تھا
جنس اچھی تھی تری، لیک خریدار نہ تھا
ہم سوا کوئی ترا رونق بازار نہ تھا
کتنے سودائی جو تھے دل نہ لگا سکتے تھے
آنکھیں یوں موندکے وے جی نہ جلا سکتے تھے

یا تو ہم ہی تھے پر اب ہم سے نہیں کچھ یاری
مفت برباد گئی عزت و حرمت ساری
بار خاطر رہے اب ہم کو بھی ہے بیزاری
یعنی اس شہر سے اٹھ جانے کی ہے تیاری
رتبۂ غیر نہیں آنکھوں سے دیکھا جاتا
طاقت اب یہ دل بے تاب نہیں تک لاتا

کوئی نا دیدہ محتسب سادہ نکالیں گے ہم
سادہ یا مرتکب بادہ نکالیں گے ہم
ہوس و آغوش کا آمادہ نکالیں گے ہم
بلد خود رائی سے آزاد لگا لیں گے ہم
اس کو آغوش تمنا میں اب اپنی لیں گے
اس سے داد دل ناکام سب اپنی لیں گے

چھرے کو اُس کے کر آراستہ دل‌خواہ کریں
آرسي اُس کو دکھا حسن سے آہ کریں
راہ خوبی کی بتا کر اُسے گمراہ کریں
تو سهي ضد سے تري ایسا هی شتاہ کریں
کہ تجھے سدھ نہ رھے خوبي و رعنائي کي
دھجیاں لے ترے اِس جامۂ زیبائی کي
دست افشاں هو تو عزت بھي تري هاتھہ سے جاے
چشم مکحول کو دکھلاے تو تو آنکھہ چھپاے
مار تھوکر چلے دامن کو تو تو سر نہ هلائے
جس طرف اس کا گزر هو وے تو اودھر کو نہ جاے
چھیڑے گالي دے اشارت کرے چشمک مارے
عشوہ و غمزہ و انداز بھلا دے سارے
زندگاني هو تجھے هاتھہ سے اُس کے دشوار
کوئي دن تو بھي پھرے جان سے اپني بیزار
پھونچیں هر آن میں اُس سے تجھے سو سو آزار
طنز و تعریض و کناے کي رھے اک بوچھار
جا کے تک سامنے اُس کے تو بہت تر آوے
عرق شرم میں ڈوبا هوا سب گھر آوے
دل واسوختہ کو اپنے لیے جاتے هیں
غصے سے خون جگر اپنا پیئے جاتے هیں
اپني جا غیروں کو ناچار دے جاتے هیں
اب کے یوں جاتے نهیں عهد کیے جاتے هیں
آوے گا تو بھی منانے کو نہ آویں گے هم
جان سے جاویں گے پیساں سے نہ جاویں گے هم

رباعیاں

دامن غربت کا اب لیا ہے میں نے
دل مرگ سے آشنا کیا ہے میں نے
تھا چشمۂ آب زندگانی ' نزدیک
پر خاک سے اس کو بھر دیا ہے میں نے

اب وقت عزیز کو تو یوں کھوؤ گے
یہ رسوچ کے غفلت کے تئیں روؤ گے
کیا خواب گراں یہ مہل روز و شب ہے
جاگو تک " مہر " ! پھر بہت سوؤ گے

اندوہ کچھ عشق کے ' سارے دل میں
اب درد ' لگا رہنے ہمارے دل میں
کچھ حال نہیں رہا ہے دل میں اپنے
کیا جانئے وہ کیا ہے تمہارے دل میں

راضی تک آپ کو رضا پر رکھئے
مائل دل کو تنک قضا پر رکھئے
بندوں سے تو کچھ کام نہ نکلا اے " مہر "
سب کچھ موقوف اب خدا پر رکھئے

ہم سے تو بتوں کی وہ حیا کی باتیں
وہ طرز ادا کلام اس ادا کی باتیں

دیکھیں قراں میں فال غیروں کے لئے
کیا ان سے کہیں یہ ہیں خدا کی باتیں

دل، غم سے ہوا گداز سارا اللہ
غیرت نے ہمیں عشق کی مارا اللہ
ہے نسبتِ خاص تجھ سے ہراک کے تئیں
کہتے ہیں چنانچہ سب ہمارا اللہ

سودا

محمد رفیع نام، اُن کے آبا و اجداد کابل کے مرزاؤں میں تھے، سپہ‌گری پیشہ تھا اُن کے والد مرزا محمد شفیع تجارت کے سلسلے سے هندوستان آئے، اور یہیں قیام کر لیا -

مرزا رفیع 'سودا' سنہ ۱۱۲۵ ھ میں بہ‌مقام دھلي پیدا ہوے اور وهیں پرورش اور تعلیم پائی، طبیعت کا رجحان ابتدا سے شاعري کی طرف تھا، کچھ دن سلیمان قلي 'وداد' سے اصلاح لی پھر شاہ حاتم کے حلقہ بگوش ھو گئے -

'سودا' کي طبیعت میں خداداد جوہر پہلے سے موجود تھا، کثرت مشق اس پر مستزاد، تھوڑے ھي دنوں میں اُن کي شاعري کي شہرت ھو گئي اور اُستاد کی زندگی ھی میں اُن کي اُستادی کا ڈنکا بجنے لگا -

رفتہ رفتہ 'سودا' کي شہرت، شاہ عالم بادشاہ کے دربار تک پہونچی، تقدیر کي یاوري بھی ساتھ تھی بادشاہ نے مشورۂ سخن کے لئے اُن کو منتخب کیا - ایک مدت تک دھلي میں فراغت سے بسر کرتے رھے - جب شاہ عالم کی قسمت کا ستارہ ڈوب گیا تو مرزا سودا' بھی دھلی کو خیر باد کہہ کر فرخ‌آباد پہنچے - وھاں کے نواب احمد خاں غالب جنگ کے دیوان مہربان خاں، شاعر اور مردم شناس تھے - اُنھوں نے مرزا کو ھاتھوں ھاتھ لیا -

سنہ ۱۱۸۵ ھ میں نواب احمد خاں کی وفات پر مرزا فیض آباد چلے گئے - وہاں نواب شجاع الدولہ نے معقول تنخواہ مقرر کر دی اور قدر منزلت کے ساتھ رکھا -

شجاع الدولہ کے اِنتقال کے بعد مرزا سودا ، نواب آصف الدولہ کے ساتھ لکھنؤ پہنچے اور فراغت سے زندگی بسر کرنے لگے -

آبائی سپہگری ، خاندانی میرزائیت ، ذاتی کمال اور شاہی قدر دانی اِن سب چیزوں نے مل کر مرزا کو بد دماغ بنا دیا تھا ، اس لئے ذرا ذرا سی بات پر ناخوش ہو جاتے تھے اور جس سے ناخوش ہوتے اُس کی ہجو کہہ کر دھجیاں اُڑا دیتے تھے -

مرزا جب قصیدہ پیش کرتے ہیں تو شکوہ الفاظ کے ڈنکے بجا دیتے ہیں - غزل سناتے ہیں تو دلوں میں چٹکیاں لیتے ہیں - مرثیہ پڑھتے ہیں تو سامعین کو خون کے آنسو رلاتے ہیں - ہجو کرتے ہیں تو حریفوں پر ہستی تنگ کر دیتے ہیں - اُردو شاعری اس جامعیت کا کوئی دوسرا شاعر پیش نہیں کر سکتی - بہر حال مرزا سودا ، اُن مسلم الثبوت اساتذہ میں ہیں جن پر فن شاعری کو ہمیشہ ناز رہے گا -

مرزا کی ہمہ گیری نے کسی صنف سخن کو نہیں چھوڑا ، قصیدے - غزلیں - مثنویاں - رباعیاں - قطعے - مستزاد - تاریخیں - پہیلیاں - ترجیع بند - مخمس ، مرثیے ، ہجویں ، سب کچھ کہیں اور خوب کہیں -

مرزا سودا ، نے تنبیہ الغافلین کے نام سے فارسی میں ایک رسالہ لکھا ہے اُس میں اُن اِعتراضات کا جواب دیا ہے جو مرزا فاخر

' مخزن ' نے فارسی شعرا پر کئے تھے ' یہ رسالہ اور مرزا کا فارسی کلام اُن کی ادبی تحقیق - صحت ذوق اور فارسی زبان پر غیر معمولی عبور کی نا قابل اِنکار دلیلیں ھیں -

مرزا سودا " کے تمام معاصر اور تمام تذکرہ نویس اُن کے اِعتراف کمال میں ' یک زبان ھیں - ' میر ' اُن کو " سر آمد شعرائے ھند " کہتے ھیں - حکیم قدرت اللہ خاں اُن کو " دریاے بیکراں " قرار دیتے ھیں -

طبقات الشعر کے مصنف کا قول ھے " در فنون انواع سخن‌سنجی طاق و بہ جمیع کمالات سخن وری شہرہ آفاق " -

میر حسن کہتے ھیں " تاحال مثل او درھندوستان کسے برنخاستہ " نواب مصطفیٰ خاں " شیفتہ " کہتے ھیں " قصیدہ اش بہ از غزل و غزلش بہ از قصیدہ " شیخ علی " حزیں " کی خود داری اور خود پرستی کسی کو خاطر میں نہ لاتی تھی مگر ان کو بھی " سودا " کے کمال کا اقرار کرنا ھی پڑا -

" سودا " کی غزل میں " میر کا درد اور " درد " کا تصوف تو نہیں ھے مگر خیالات کی بلندی- بیان کی قدرت - کلام کا زور - جذبات کا جوش کسی سے کم نہیں - ان کے اشعار تمام جذبات کو متحرک کرتے ھیں -

سودا کو چھوڑ کر اُردو شاعری کی ابتدا سے لے کر آج تک کوئی شاعر ایسا نہیں گزرا جس کے قصیدے اساتذۂ ایران کے قصائد کی شان رکھتے اس صنف سخن میں " سودا " کا پایہ سب سے بلند ھے -

" میر " ایک غمگین " غیور ' خود دار " پریشان حال نازک مزاج شخص تھے اُن کا دل درد اور گداز سے پھوڑا نظر آتا ھے وہ جو کچھ کہتے ھیں

اس طرح کہتے ھیں کہ سننے والا آب‌دیدہ ھو جاتا ھے بہ خلاف " میر " کے " سودا " ایک فارغ‌البال ' عیش میں زندگی بسر کئے ھوئے - خوش طبع، ظریف ' خودبیں اور زود رنج آدمی تھے - جس طرح ''میر'' کی طبیعت غزل گوئی کے لئے مناسب تھی اُسی طرح " سودا " فطرتاً قصیدے اور ھجو کے لے موزوں تھے -

" سودا ' نے ستر سال کی عمر میں سنہ ۱۸۹۵ ھ میں وفات پائی اور لکھنؤ میں آغابا قر کے امام باڑے میں دفن ھوے شیخ مصحفی نے تاریخ کھی : —

سودا کجا و آن سخن دل‌فریب او

اِنتخاب

مقدور نہیں اس کی تجلی کے بیاں کا
جوں شمع سراپا ہو اگر حرف زباں کا
پردے کو یقیں کے جو در دل سے اٹھاوے
کھلتا ہے ابھی پل میں طلسمات جہاں کا
اس گلشن ہستی میں عجب دید ہے لیکن
جب چشم کھلی گل کی تو موسم ہے خزاں کا
دکھلائیے لے جا کے تجھے مصر کا بازار
لیکن نہیں خواہاں کوئی واں جنس گراں کا

ہر سنگ میں شرار ہے تیرے ظہور کا
موسیٰ نہیں کہ سیر کروں کوہ طور کا
توڑوں میں آئینہ کہ ہم آغوش عکس ہے
ہووے نہ مجھ کو پاس جو تیرے حضور کا
بے کس کوئی مرے تو جلے اس پہ دل مرا
گویا ہے یہ چراغ غریباں کی گور کا
ہم تو قفس میں آن کے خاموش ہو رہے
اے ہم‌صفیر! فائدہ ناحق کے شور کا

کعبہ جاوے، پوچھتا کب ہے چلن آگاہ کا
اٹھ گیا جیدھر قدم، رتبہ ہے بیت‌اللہ کا

عشق کی بھی منزلت، کچھ کم خدائی سی نہیں
ایک سا احوال یاں بھی ہے گداؤ شاہ کا

دین و دل و قرار و صبر، عشق میں تیرے کھو چکے
جیتے جو اب کے ہم بچے نام نہ لیں گے چاہ کا

نہ پہونچا میرے اشک گرم سے آسیب مژگاں کو
بہا خاشاک کے سایہ تلے سیلاب آتش کا

کمال کفر ہے اے شیخ ایسا کچھ کہ اُس بت نے
پرستش سے مری پیدا کیا جلوہ خدائی کا
عجب قسمت ہماری ہے کہ جس کی شمع الفت سے
چراغ دل کیا روشن سو ہے داغ آشنائی کا

گلا کہوں میں اگر تیری بے وفائی کا
لہو میں غرق سفینہ ہو آشنائی کا
زبان ہے شکر میں قاصر شکستہ پائی کے
کہ جن نے دل سے مٹایا خلش رہائی کا

دکھاؤں گا تجھے زاهد اس آفت جاں کو
خلل دماغ مہر تیرے هے پارسائي کا

تجھ سا دانا هزار حیف کہ تو یہ نہ سمجھا کہ وہ نہ سمجھے گا

دامن صبا نہ چھو سکے جس شہسوار کا
پہونچے کب اُس کو هاتھ همارے غبار کا
موج نسیم آج هے آلودہ گرد سے
دل خاک هوگیا هے کسي بے قرار کا

عاشقو اس شیخ دین و کفر سے کیا کام هے
دل نہیں وابستہ اپنا سبحہ و زنار کا

ٹوٹے تیری نگہ سے اگر دل حباب کا
پاني بھي پھر پئیں تو مزا هے شراب کا
دوزخ مجھے قبول هے اے منکر و نکیر
لیکن نہیں دماغ سوال و جواب کا
تھا کس کے دل کو کشمکش عشق کا دماغ
یارب برا هو دیدۂ خانہ خراب کا
قطرہ گرا تھا جو کہ مرے اشک گرم سے
دریا میں هے هنوز پھپھولا حباب کا

آفتاب صبح محشر داغ پر دل کے مرے
حکم رکھتا ہے طبیبو! مرہم کافور کا

تو ہی اے رات سن اب سوز تک اس چھاتی کا
پنبہ و داغ میں ہے ربط دیا باتی کا

مجھ صید ناتواں کے احوال کو نہ پوچھو
محروم ذبح سے ہوں، مردود ہوں قفس کا

قفس کے پاس نہ جاکرکے نام لو گل کا
ضرور کیا ہے کہ ناحق ہو خون بلبل کا
کبھو گذر نہ کیا خاک پر مری، ظالم!
میں ابتدا ہی سے کشتہ ہوں اس تغافل کا
خبر شتاب لے "سودا" کے حال کی پیارے
نہیں ہے وقت مری جان، یہ تامل کا

لطف، اے اشک کہ جوں شمع گھلا جاتا ہوں
رحم اے آہ شرر بار کہ جل جاؤں گا
چھیڑ مت باد بہاری کہ میں جوں نکہت گل
پھاڑ کر کپڑے ابھی گھر سے نکل جاؤں گا

هو یہ دیوانہ مرید اس زلف چھٹ کس پیر کا
سلسلہ بہتر ہے " سودا " کے لئے زنجیر کا
توڑ کر بت خانہ کو مسجد بنا کے تونے شیخ
برھمن کے دل کي بھی کچھ فکر ہے تعمیر کا

نہ دو ترجیح اے خوباں کسی کو مجھ پہ غربت میں
زیادہ مجھ سے کوئي بے کس و نا کام کیا ہوگا
رھا کرنے کو لیں ہم منت صیاد ھی ظالم
بس اتنا ھی نہ' مر رھئے گا زیر دام' کیا ہوگا
ہو جس کي چشم گردش سے یہ بے ہوشی دو عالم کي
بھلا دیکھو تو پھر وہ ساقی گل فام کیا ہو گا
مجھے مت دیر سے تکلیف کر کعبہ کی اے زاھد
جو میرا کفر ایسا ہے تو پھر اسلام کیا ہو گا

نہ کھینچ اے شانہ ان زلفوں کو یاں " سودا " کا دل اٹکا
اسیر ناتواں ہے یہ' نہ دے زنجیر کا جھٹکا

اے دیدہ' خانماں تو ھمارا ڈبو سکا
لیکن غبار یار کے دل سے نہ دھو سکا
" سودا " قمار عشق میں شیریں سے کوہ کن
بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا

کس منھہ سے پھر تو آپ کو کہتا ھے عشق باز
اے روسیاہ ! تجھہ سے تو یہ بھي نہ ھو سکا

دل مت ٹپک نظر سے کہ پایا نہ جاے گا
جوں اشک پھر زمیں سے اُتھایا نہ جائے گا

پہونچیں گے اس چمن میں نہ ہم داد کو کبھي
جوں گل یہ چاک جیب سلایا نہ جائے گا
عمامہ کو اُتار کے پڑھیو نماز شیخ
سجدے سے ورنہ سر کو اُتھایا نہ جاے گا
دامان داغ تیغ ' جو دھویا تو کیا ہوا
عالم کے دل سے داغ متایا نہ جائے گا

کریں شمار بہم دل کے یار داغوں کا
تو آ کہ سیر کریں آج اپنے باغوں کا

غنچہ کو دل کے یاں ھے دم سرد سے شگفت
شرمندہ اس چمن میں نہیں میں نسیم کا
تھہرا نہ گلیوں سے تري کوئی بوالھوس
اک میں ھی رہ گیا ھوں دعا گو قدیم کا

ساقی پہونچ کہ تجھ بن یوں جسم و جاں ہے میرا
لب ریز خوں پیالہ اور ہاتھ مر تعش کا
کیا جانے کس طرح کا وہ سنگ دل ہے ورنہ
یہاں رشتۂ محبت ہے کوہ کی کشش کا

جوش طوفان دیدۂ غمناک سے کیا کیا ہوا
دیکھ لے دنیا میں مشت خاک سے کیا کیا ہوا
پر تجلي، شہرۂ آفاق جلوہ حسن کا
عشق بازوں کی نگاہ پاک سے کیا کیا ہوا
جوشش دریاے خوں، ہنگامۂ شور و فغاں
دیدۂ تر، سینۂ صد چاک سے کیا کیا ہوا
دور ساغر تھا ابھي یا ہے ابھي چشم پرآب
دیکھو "سودا" گردش افلاک سے کیا کیا ہوا

کہوں کیا ؟ انقلاب اس وقت میں یارو زمانے کا
نہ آنکھوں میں تھما اشک اور نہ سینے میں جگر ٹھہرا
عبث تو گھر بناتا ہے مري آنکھوں میں اے پیارے
کسی نے آج تک دیکھا نہیں پانی پہ گھر ٹھہرا
کہیں یہ بھی ستم دیکھا ہے یارو آشنائي میں
سمجھتے تھے جسے ہم نفع، سو جي کا ضرر ٹھہرا

قتل سے میرے، عبث قاتل پھرا   اُس نے منھ پھیرا، ہمارا دل پھرا

ایک شب آ، کوئی دل سوز نہ رویا اس پر
شمع تک گور ہماری سے جلی دور سدا
دوستو سنتے ہو "سودا" کا خدا حافظ ہے
عشق کے ہاتھ سے رہتا ہے یہ رنجور سدا

پھرے ہے شیخ یہ کہتا کہ میں دنیا سے منھ موڑا
الٰہی ان نے اب داڑھی سوا کس چیز کو چھوڑا
صبا سے ہر سحر مجھ کو لہو کی باس آتی ہے
چمن میں آہ گلچیں نے یہ کس بلبل کا دل توڑا

جو گذرے مجھ پہ مت اس سے کہو، ہوا سو ہوا
بلا کشان محبت پہ، جو ہوا سو ہوا
مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر
مرے لہو کو تو دامن سے دھو، ہوا سو ہوا
پہونچ چکا ہے سر زخم دل تلک یارو
کوئی رفو کوئی مرہم کرو، ہوا سو ہوا
یہ کون حال ہے احوال دل پہ اے آنکھو
نہ پھوٹ پھوٹ کے اتنا بہو، ہوا سو ہوا
دیا اُسے دل و دیں اب یہ جان ہے "سودا"
پھر آگے دیکھیے جو ہو سو ہو، ہوا سو ہوا

اب تلک اشک کا طوفاں نہ ہوا تھا سو ہوا
مجھ سے اے دیدۂ گریاں نہ ہوا تھا سو ہوا

خون دل' چشم سے بہتا تھا مرے دامن تک
موج زن تابہ‌گریباں نہ ہوا تھا سو ہوا

ہنر ہے گرچہ فن شاعری آفاق میں "سودا"
اگر نادان کو پہونچے' تو اس میں عیب ہو پیدا

تجھ قید سے دل ہوکر آزاد بہت رویا
لذت کو اسیری کی کر یاد بہت رویا

سو شک چشم نہ تھا میں کہ اے فلک تونے
نظر سے خلق کے گرتے' نہ مجھ کو تھام لیا
معاش اہل چمن' جائے اشک ہے "سودا"
کہ زندگی کا انھوں نے مزا تمام کیا

تاثیر عشق نے" مزۂ درد کھو دیا
ان نے نداں دیکھ مرا حال' رو دیا
بوسہ کے ذائقہ کو نہیں شہدو سم میں فرق
ہم پی گئے اسے' ہمیں قسمت نے جو دیا
"سودا" ہے بے خلش یہ زخود رفتگی کی راہ
کانٹا نہ پا میں ان کے فلک نے چبھو دیا

کرتا ہوں سیر، جب سے باغ جہاں بنایا
کیا جانے گل خدا نے تجھ سا کہاں بنایا
جتنے ہیں خوبرو یاں، سب دل ستاں ہیں لیکن
اللہ نے تجھی کو اک جان ستاں بنایا
دیر و حرم کو دیکھا ، اللہ رے فضولی
یہ کیا ضرور تھا، جب دل کا مکاں بنایا

قومت پکار اس کو اے باغباں کہ ہم نے
نزدیک آتش گل، آپ آشیاں بنایا

اس کا تو گلہ کیا ہے کہ بستان جہاں میں
مجھ تک، قدح بادۂ گل فام نہ آیا

کچھ کبر سے خاطر میں نہ لایا ہمیں کوئی
رتبہ کسی خاطر میں ہمارا نہ سمایا
رونے سے کیا حال دل اس شوخ پہ روشن
"سودا" نے دیا عشق کا پانی سے جلایا

سمجھے تھا میں، خطر راہ محبت ناصح
مری تقصیر نہیں دل نے مجھے بہکایا
خوں کے ہر قطرے سے کہتا تھا یہی لخت جگر
تو مژہ تک بھی نہ پہونچے گا کہ میں یہ آیا

اکھوں سے اشک جتنا آتا تھا ، رشک سے نہ آیا
زخم جگر نے یارو پانی مگر چووایا

قسم نہ کھائیے ملنے کی غیر سے ہرگز
کہا یہ تم نے میاں ہم کو اعتبار آیا
بہ رنگ آئینہ ہم اور سینہ صاف ہوئے
جو اپنے دل پہ کسی شکل سے غبار آیا
ممانعت نے کیا تیرے شہرۂ آفاق
وگرنہ میں ترے کوچہ سے لاکھ بار آتا
خبر لے وادي میں ''سودا'' کي، یوں سنا ہے آج
کہ ایک شوخ کسي بے گنہ کو مار آیا

اکسیر ہے تو کیا ہے وہ مشت خاک ''سودا''
خاطر پہ جب کسی کے اس سے ملال آیا

آدم کا جسم جب کہ عناصر سے مل بنا
کچھ آگ بچ رہي تھی سو عاشق کا دل بنا
سرگرم نالہ ان دنوں میں بھی ہوں عندلیب
مت آشیاں چمن میں مرے متصل بنا
اپنا ہنر دکھاویں گے ہم تجھ کو شیشہ گر
ٹوٹا ہوا کسی کا اگر ہم سے دل بنا

جس طرح چاهتا ہے، دنیا میں زندگی کر
لیکن تو یاد رکھیو، عاشق کبھی نہ هونا

کہتے تھے هم نہ دیکھ سکیں روز هجر کو
پھر جو خدا دکھاوے سو ناچار دیکھنا

اگر سمجھو تو خاکستر صبا کے هاتھ بھیجوں میں
نہیں گویا زبان شعلہ، دوں کس کو پیام اپنا

اے زخم جگر سودۂ الماس سے خو کر
کتنا وہ مزہ تھا جو نمک دان میں دیکھا

دیکھا ہے تجھ کو دریچہ ترے جن نے ایک بار
پھر جب تلک جیا پس دیوار هی رها

عشق تھا، یا کیا تھا، جس سے دل اٹکتا هی رها
ذرا سا سینے میں میرے کچھ کھٹکتا هی رها
تاب کس کو ہے کہ تیرے درسے آگے جا سکے
جو ترے کوچے میں آیا سر پٹکتا هی رها

مشہور ہے یہ بات کہ جی ہے تو ہے جہاں
آپ هی اٹھے جہاں سے، تو گویا جہاں اٹھا

بوئے وفا و رنگ محبت، نہیں ہے یاں
یارب تو اس چمن سے مرا آشیاں اُٹھا

چہرے پہ یہ نقاب دیکھا
پردے میں تھا آفتاب دیکھا
کچھ ہو وے، تو ہو، عدم میں راحت
ہستی میں تو ہم عذاب دیکھا

اعمال سے میں اپنے بہت بے خبر چلا
آیا تھا آہ کس لیے اور کیا میں کر چلا

میں دشمن جاں ڈھونڈ کر اپنا جو نکالا
سو حضرت دل سلمہ‌اللہ تعالا
اتنا ہے تو یوسف سے مشابہ کہ عدم کے
پردے میں چھپا اس کے تئیں تجھ کو نکالا

گرد ہستی نے دل کو دی ہے شکست آئینہ اِس غبار سے ٹوٹا

تلاش خضر، بہر منزل مقصد، نہ کر "سودا"
کوئی خود رفتگی سے راہ بر بہتر نہیں ہوتا

صحبت تجھے رقیب سے، میں اپنے گھر میں داغ
کیدھر پتنگ، شمع کہاں، انجمن کجا؟

اِس مرغ ناتواں کی، صیاد کچھ خبر ہے
جو چھوٹ کر قفس سے، گل‌زار تک نہ پہونچا

"سودا" پھر آج تیری آنکھیں بھر آئیاں ہیں
عالم کے ڈوبنے میں، کل کچھ بھی رہ گیا تھا

اختلاط اہل آبادی سے دل آیا ہے تنگ
اے خوشا وقتے کہ تنہا ہم تھے اور ویرانہ تھا
اس چمن میں جب تلک ہم نشۂ مستی میں تھے
عمر کا اپنے پر، از خون جگر پیمانہ تھا

کس گلی دیکھ کے میں اس کو پکارا نہ کیا
مر کے تک دیکھنے کا ننگ گوارا نہ کیا
کسی کا دین کیا حق نے، کسی کی دنیا
سب کا سب کچھ کیا، پر تجھ کو ہمارا نہ کیا

غیروں کو دیکھ بیٹھے ہوئے، بزم میں تری
جب کچھ نہ بس چلا تو میں ناچار اُٹھ گیا

نے رستم اب جہان میں نے سام : رہ گیا
مردوں کا آسماں کے تلے نام رہ گیا
ہوں تو چراغ راہ ہنر ' زیر آسماں
لیکن خموش ہوکے ' سر شام رہ گیا

لذت دی نہ اسیری نے ' صیاد کی بے پروائی سے
تڑپ تڑپ کر مفت دیا جی' ٹکڑے ٹکڑے دام کیا
شمع رخوں سے روشن ہو گھر ایسے اپنے کہاں نصیب
صبح ازل سے قسمت نے خاموش چراغ شام کیا
فخر نہیں اے شیخ مجھے کچھ' دین میں تیرے آنکلا
راہب نے جب منھ نہ لگایا' تب میں قبول اسلام کیا
ادب دیا ہے ہاتھ سے اپنے کبھی بھلا میخانے کو
کیسے ہی ہم مست چلے پر سجدہ ہر اک گام کیا

حشر میں بھی نہ اُٹھوں بسکہ اذیت پہنچی
زندگانی نے دوعالم سے مجھے سیر کیا

قابو میں ہوں میں تیرے' گو اب جیا تو پھر کیا
خنجر تلے کسونے تک دم لیا تو پھر کیا
کر قطع ہاتھ، پہلے پھر فکر کر' رفو کا
ناصح جو یہ گریباں تونے سیا تو پھر کیا

وهم غلط کارنے دل خوش کیا   کس پہ نہ جانے وہ نظر کر گیا

نفع کو پہونچا میں تجھے دے کے دل   جان کا اپنی میں ضرر کر گیا
دیکھیے واماندگي اب کیا دکھائے   قافلہ یاروں کا سفر کر گیا
کیونکہ کوئی کھائے ترا ، اب فریب   حال مرا سب کو خبر کر گیا

بہتا کچھ اپنی چشم کا ، دستور ہوگیا
دي تھي خدانے آنکھ ، پہ ناسور ہوگیا

آنکھوں کی رہبری نے کہوں کیا کہ دل کے ساتھ
کوچے کي اُس کے راہ بتانے نے کیا کیا
"سودا" ہے بے طرح کا نشہ جام عشق میں
دیکھا کہ اس کو منہ کے لگانے نے کیا کیا

کی سیر ملک ملک کی، "سودا" نے بھی ، ولے
اے شیخ میکدے کي ہے آب و ہوا عجب

گرچہ ہوں زیر فلک ، نالۂ شب گیر نصیب
پر اُسے کیا کروں ؟ یارو نہیں تاثیر نصیب
کیمیا خاک در شاہ نجف ہے "سودا"
حق تعالیٰ کرے اس طرح کی اکسیر نصیب

مجھ اشک میں جوں ابر، اثر ہوے گا یارب
قطرہ کبھی میرا بھي گھر ہوئےگا یارب
گذرے ھے شب و روز اِسي فکر میں مجھ کو
کیا جانیے اس وقت کدھر ہوے گا یارب
کہتے یہی کتنی ھے مجھے، ھجر کی ھر شب
اب پھر بھی کبھی وقت سحر ہوے گا یا رب

کیوں اسیري پر مري، صیاد کو تھا اضطراب
کیا قفس آباد ہوگئے، کون سے گلشن خراب
بہہ گئے پانی ہو، سب اعضا مري آنکھوں کي راہ
پیرهن میں، ایک دم باقی ھے مانند حباب

پروانہ اور شمع کي صحبت نہ مجھ سے پوچھ
اپني نہ کہہ سکا تو کہوں کیا پرائي بات

ھندو ھیں بت‌پرست، مسلماں خدا پرست
پوجوں میں اُس کسی کو، جو ہو آشنا پرست

زمانے کو بھلا "سودا" کوئی کس طرح پہچانے
کہ اس ظالم کي، کچھ سے کچھ ھے، هراک آن میں صورت

آتش ہے تری گرمیِ بازار محبت
کیا لے گا بجز داغ خریدار محبت
کرتے ہیں اسیر قفس و دام بھی فریاد
لے سکتے نہیں سانس گرفتار محبت

یاد کس کو، رحم جی میں کب؟ دماغ و دل کہاں
یاں نہ آنے گا مرے صاحب، بہانا ہے عبث
بوسہ کیا مانگے ہے اس بت سے، بایں ریش سفید
زاہدا نزدیک آتش، پنبہ لانا ہے عبث

رہتے تھے ہم تو شاد نہایت عدم کے بیچ
اس زندگی نے لاکے پھنسایا ہے غم کے بیچ

ناصح تو نہیں چاشنیِ درد سے آگاہ
بے عشق بتاں، جینے کی لذت دیا تجھے

ہوتی ہے ایک طرح سے ہر کام کی جزا
اعمال عشق کے ہیں مکافات بے طرح
بلبل کو اس چمن میں سمجھ کر تنک آشیاں
صیاد لگ رہا ہے تری گھات بے طرح

دیکھتا ہوں میں تری بزم میں ہرایک کا منھ
طلب رحم کی نظروں سے ، گنہ گار کی طرح

لہرائی ہے نسیم سحر ، کیا ہے ساقیا ؟
گویا ہے موج بادۂ جام بلور صبح

زاہد اب کی مغ نے مے ، اس بو کی کھینچی ہے کہ آج
گوئے می خانے سے گذرا محتسب ، پڑھتا درود

ہوئی ہے عمر کہ ہم لگ رہے ہیں دامن سے
جھٹک نہ دیجیو پیارے ، غبار کے مانند

مجھ ساتھ تری دوستی ، جب ہوگئی آخر
دنیا کی مرے دل سے طلب ، ہوگئی آخر

شوکت نے ہمیں حسن کی ، کہنے نہ دیا کچھ
بات اُن کے سو بار بہ لب ، ہوگئی آخر

دل و دیں بیچتے ہیں ہم تو ، اک بوسے کی قیمت پر
اگر تو اس میں اپنا نفع جانے ، آ کے سودا کر

کر خانۂ گردوں پہ نظر ' چشم فنا سے
ہے مثل حباب' اس کي بھي تعمیر ہوا پر

نا صحا اس عشق سے ہوتا ہے لذت یاب ' دل
جس میں حرمت کم ہو' رسوائي و خواري بیشتر

دل نا آشنائے نالہ سے ' صدرۂ جرس بہتر
نہ ہو مژگاں جو خوں آغشتہ' ان سے خار و خس بہتر
وفا ' نے گل میں ' نے چشم مروت باغباں میں ہے
نکل بلبل ! کہ ہے اس باغ سے کنج قفس بہتر

کعبہ و دیر سے کیا کام ہے ہم کو اے دوست
ہے ہمیں کون سي جاگہ ترے در سے بہتر
آشیاں سے نہ اڑے ' پہونچے نہ ہم دام تلک
ہم تو بے بال و پری سمجھے ہیں ' پر سے بہتر

طاقت اک آن تحمل کي نہیں ' اور دوست
صبر فرمائیے ہے مقدور بشر سے باہر
جنس نا کارہ کے خواں ہیں' خریدیں مجھ کو
یہ وہ '' سودا '' ہے کہ ہے نفع و ضرر سے باہر

کام آیا نہ کچھ، اپنا تن زار آخر کار
سمجھے اکسیر تھے ' نکلا یہ غبار آخر کار

اب خدا حافظ ہے "سودا" کا ' مجھے آتا ہے رحم
ایک تو تھا ہي دوانہ ' تس پہ آتی ہے بہار

پنبۂ داغ میں سینہ کے مرے ہے ' جو سوز
یارب اس سوز کو ' رکھیو تو جہنم سے دور

نالاں جو باغباں سے ہے بلبل ' چمن کے بیچ
دیکھی نہیں ہے ان نے ' جفاے قفس هنوز

شبنم کرے ہے دامن گل' شست و شو هنوز
بلبل کے خون کا نہ گیا ' رنگ و بو هنوز
همرہ صبا کے خاک بھی میري ہے در بہ‌در
جاتي نہیں ہے مجھ سے تري جستجو' هنوز
غنچوں سے رنگ و بو کي تمنا نکل چکی
تڑپے ہے خوں میں دل کے' مري آرزو هنوز
"سودا" کا حال تونے نہ دیکھا کہ کیا ہوا
آئینہ لے کے آپ کو دیکھے ہے تو ' هنوز

زخم دل پر ھے مرے، تیغ جنوں کا ناصح
تو گریبان کا ناداں ' سئے ھے چاک هنوز

یار کے حسن سے بے خبر اغیار هنوز
نہیں اس شعلہ سے آگہ ' یہ خس و خار هنوز
بال و پر ھونے نہ پائے تھے نمودار هنوز
تب سے هم کنج قفس میں ھیں گرفتار هنوز
ھونگے پامال نہ کر هم کو رھا اے صیداد
مشق پرواز نہیں تا سر دیوار هنوز
تیری دوری سے عجب حال ھے اب "سودا" کا
میں تو دیکھا نہیں ایسا کوئی بیمار هنوز

پائے نہ جھانکنے بھی کبھو ' هم در چمن
رکھتے ھیں دل میں یہ رخنۂ دیوار کی ھوس
قدرت نہ هم کو آہ کی ' نے طاقت فغاں
نکلے سو کیوں کہ ' اپنے دل زار کی ھوس
"سودا" یہ جنس دل کے تئیں ' دے چکے هم اک
رکھتے نہیں ھیں کوئی خریدار کی ھوس

نے چمن ' روز فصل ' نہ شب هجر ' کی قراز
کیا جانے کیا ھے اپنے دل زار کی ھوس

ساقي گئي بہار، رهی دل میں یہ هوس
تو منتوں سے جام دے، اور میں کہوں کہ بس

کچھ اس چمن میں آ کے نہ دیکھا میں جوں حباب
آب رواں کو سیر کیا سو بھي یک نفس

هم گرم تکاپو هیں، تری راہ طلب میں
یاں آبلۂ پا هے، سر خار کو آتش

یا نالے کو کر منع تو، یا گریہ کو ناصح
دو چیز نہ عاشق سے هو یک بار، فراموش

آشیاں کو مت اجاڑو کر کے فریاد و خروش
باغباں ظالم ابھی سویا هے، اے بلبل خموش

روسیاهي سوا نہیں حاصل نام سے مت کر اے نگیں اخلاص
مثل نقش قدم یہ رکھتي هے تیرے در سے مري جبیں اخلاص

سینے میں دل جو هے، تو تیري یاد کے لئے
جز دید کیا هے دیدۂ خوں‌بار سے غرض

آنکھیں بہ‌رنگ نقش قدم هو گئیں سفید
اس سے زیادہ خاک کروں انتظار خط

فضل حق جس کے طرف ہو تو اُسے بخشے ہے
دور ساغر کی طرح گردش ایام نشاط
دل جلھوں کا ہے اسیری کے مزے سے آگاہ
ہے قفس بیچ اُسے عیش تہہ دام نشاط

کھاتے جو ہو قسم کہ تجھے چاھتا ہوں میں
مشفق غلط ' ملاذ غلط ' مہرباں غلط
ساقي نہ ہو تو سیر چمن کا ہے کیا مزا
جانا بغیر بادہ سوے بوستاں غلط

دونوں سے ہم نے اثر دل میں نہ پایا اُس کے
نالہ شب ہے عبث ' آہ سحر گاہ غلط
بزم آراستہ کی جس کے لئے اے "سودا"
آج آنے کی خبر اس کي ہے افواہ غلط

یوں ہی طریق عشق میں ہو راست پا غلط
اجر جفا درست ہے مزد وفا غلط
واشد ہے دل مرے کو دم سرد سے ترے
اس غنچہ کو شگفتہ کرے گر صبا غلط

عبث ہیں منتظر اس شوخ کي مری آنکھیں
سوائے آئینہ کس کو ہے انتظار سے خط

سنا کسی سے تو نام بہشت پر تجھ کو
گل بہشت کی پہونچي نہیں ہے بو واعظ

تو میرے غم سے نہ رویا اور میري خاک پر
شام سے تا صبح اپنی چشم تر رکھتي ہے شمع

گو اب نہ مجھ غریب کے بالیں تک آے شمع
دل بے کسي کا مجھ پہ جلے ہے بجاے شمع

دل سوز عاشقاں کوئی "سودا" سا اب نہیں
پروانہ جل مرے تو وہ ہو شمع وار داغ

ہے خواہش گلزار تو سینے کو مرے دیکھ
تختہ سے چمن کے ہیں فزوں اس پہ بھرے داغ
"سودا" نظر آتا ہے بہار آنے کا آثار
ہوتے چلے ہیں پھر مرے سینے کے ہرے داغ

پہونچا کے تري زلف کی بو غیر کو پیارے
کرتی ہے مجھے موج نسیم سحری داغ
ہوتا ہوں خجل مفت میں پروانہ کے آگے
جب شمع کو کرتي ہے تری جلوہ گري داغ

مائل تھا بسکہ دل مرا بیداد کی طرف
خون بھہ چلا بدن سے تو جلاد کی طرف
سامان نالہ سب ہے مھیا پر اے اثر
میں دیکھتا ہوں تیری بھی امداد کی طرف
خوں کر رہا ہے جوش، رگ جان میں تري
" سودا " نہ دیکھہ نشتر فصاد کي طرف

بچ کر وہ میخانہ سے اے شیخ نکلتا
ہر رند ہے واں جبۂ و دستار کا عاشق
کیا قدر رکھے جنس دل اس شخص کي "سودا"
جس کا ہو، فروشندہ خریدار کا عاشق

ترک مجھہ سے کیوں کہ ہو عشق بتاں، اے اہل دیں
سمجھوں ہوں تار نفس کو اپنے میں زنار عشق
اس چمن میں طرح بلبل کے وہ نالاں کیوں نہ ہو
روز و شب کھتکا کرے سینہ میں جس کے خار عشق

پروانہ رات شمع سے کہتا تھا راز عشق
مجھہ ناتواں نے کیا کیا اُٹھایا ہے، ناز عشق

بس نہ تھا اک داغ اے دل پھر تو اس سے لگ چلا
اس دبي آتش کو ڈرتا ہوں نہ سلگائے فراق

زندگی کیوں نہ ہووے مجھ پر شاق
یار بے التفات دل مشتاق
ہم نہیں اس کی بے وفائی کا
کرے ترک وفا نہ ہم سے فراق

شمع اس عارض کی، سب کہتے ہیں پہونچی نور تک
ہم سے جو پوچھے کوئی ہے صرف شمع طور تک
کون سے عارف کو یاں دعوی خدائی کا نہیں
یہ ترانہ ختم لیکن ہوچکا منصور تک
خوبی مے خانہ و ساقی نہیں اس کے نصیب
پہونچے گو زاہد عبادت سے قصور و حور تک

رہے اس فصل ہم، اے بلبل و گل ناتواں یاں تک
کہ نالہ لب تلک پہونچا نہ چاک جیب داماں تک

ٹک دیکھ لیں چمن کو چلو لالہ زار تک
کیا جانے پھر جئیں نہ جئیں ہم بہار تک
ساقی سمجھ کے دیجیو جام شراب عشق
آخر کو کام پہونچے گا اس کا خمار تک

رخصت جو در تلک بھی مجھے دے نہ باغباں
جھانکا کروں میں رخنۂ دیوار کب تلک

یک نفس گرد چمن ہم نہ ہوے بال افشاں
آشیانے سے نہ اٹھے رات ، گئے دام تلک

اس چمن کی سیر میں لے جا بسر تو اس طرح
چاھئیے ہو وے نہ تیرا خار دامن گیر ایک

رونے کو میرے ، تا بہ کجا دل سے ائے اشک
نکلے ہے خون چشم سے اب تو بہ جائے اشک
آنکھوں سے ایک دم نہیں ہوتا مرے جدا
" سودا " میں کیا بیان کروں اب وفائے اشک

کرتی ہے مرے دل میں تری جلوہ گری رنگ
اس شیشہ میں ہرآن دکھاتی ہے پری رنگ

ابھی جھپکی ہے تک اے شور قیامت ! یہ پلک
صبح کا وقت ہے ظالم نہ خلل خواب میں ڈال

شاید کہ سیل اشک نے اس کو بہا دیا
سینے میں اب تو خاک بتایا سراغ دل

نہ دیکھا ہم نے کچھہ اپنے سوا وہ جس کو دل چاھے
جو طالب ھوں کسي کے تو کوئي مطلوب دیکھیں ہم

قاتل کے دل سے آہ نہ نکلي ھوس تمام
ذرا بھی ہم تڑپنے نہ پائے کہ بس تمام
آتش کو رنگ گل کی صبا تونے پھونک دي
جلوائے اشیاں کے مرے خار و خس تمام
''سودا'' ھوئی ھے شام کو زلفوں میں اس کي راہ
اس دست نارسا کو ھے کیا دسترس تمام

نہ غرض کفر سے رکھتی ھیں نہ اسلام سے کام
مدعا ساقی سے اپنے ھمیں اور جام سے کام
دل نالاں کو مرے کس کے ھے آرام سے کام
کوئي بے چین رھو اپنے اُسے کام سے کام

کیا مچائی اس نے میرے دل کے کاشانے میں دھوم
شور ھے جس کے لئے کعبے میں بتخانے میں دھوم
زلف کو کھولا تو کر اس دل کي شورش کا علاج
سخت دیوانے نے کی زنجیر کھل جانے میں دھوم

تھرا جو ستم ھے اس کو تو جان اپنی سي تو خوب کرگئے ہم
جوں شمع لبوں پہ آرھا جی تھا تن سو گداز کر گئے ہم

ہوگی نہ کسي کو یہ خبر بھی اس بزم سے آ کدھر گئے ہم

ہے صفاے بادہ و درد تہ پیمانہ ہم
نور چشم مجلس و سوز دل پروانہ ہم
فیض سے مستی کے دیکھا ہم نے گھر اللہ کا
جا رہے مسجد میں شب گم کردۂ کاشانہ ہم
ماندگي گر محنت دنیا کی خواب آور ہو یاں
شور محشر کو بھي ''سودا'' سمجھیں اک افسانہ ہم

دوستی کا غیر کے کیا ذکر اس دل میں کہ دوست
آشنائی میں ترے ہیں آپ سے بیگانہ ہم

دیکھیں تو کس کي چشم سے گرتے ہیں لخت دل
تو اس طرح سے رو سکے اے ابر تر کہ ہم
بیٹھا نہ کوئی چھاؤں نہ پایا کسی نے پھل
بے برگ و بر نہیں کوئي ایسا شجر کہ ہم
قاصد کے ساتھ چلتے ہیں یوں کہہ کے میرے اشک
دیکھیں تو پہلے پہونچے ہے واں نامہ برکہ ہم

خانہ پرورد چمن ہیں آخر اے صیاد ہم
اتني رخصت دے کہ ہو لیں گل سے تک آزاد ہم

خندۂ گل بے نمک، فریاد بلبل بے اثر
اس چمن سے کہہ تو جاکر کیا کریں گے یاد ہم
خاکساروں سے موافق کب ہے دنیا کی ہوا
راہ میں تیری پھرے جوں نقش پا برباد ہم
ذبح تو کرتا ہے تک فرصت گلے لگنے کی دے
عید قرباں ہے تجھے دے لیں مبارک باد ہم

اے گل! صبا کی طرح پھرے اس چمن میں ہم
پائی نہ بو وفا کی ترے پیرہن میں ہم

بھلا گل تو تو ہنستا ہے ہماری بے ثباتی پر
بتا روتی ہے کس کی ہستی موہوم پر شبنم
مجھے وضع جہاں اس رشک سے محفوظ رکھنا ہے
بہار آخر ہے اک پل میں، کہاں پھر گل، کدھر شبنم؟

پیتا ہوں یاد دوست میں ہر صبح و شام جام
بے یاد دوست مجھ کو ہے پینا حرام جام
"سودا" تھا وقت نزع کے کلمے کا منتظر
جنبش لبوں کی دیکھی تو کرتا تھا جام جام

مجھے عاشق نہ بوجھ ایذا جفا کا کب میں حاصل ہوں
لگا لوہو شہیدوں میں ترے کاہے کو داخل ہوں

مجھے یارو دماغ اب کب ہے گلگشت دوعالم کا
قدم رکھنے میں باہر گوشۂ خاطر سے کاہل ہوں

برہ کي آگ سے کیوں کر گریزاں ہوں میں اے ناصح
ازل سے ہم ہیں شعلے کي طرح پابند' آتش میں

ہمارے درد کی تدبیر ایسی ہو نہیں سکتي
تاسف ھي مرا کرتے ہیں یہ غم خوار آپس میں

قیس کی آوارگی ہے دل میں سمجھوں تو کہوں
ورنہ لیلیٰ ہے ہراک محمل میں سمجھوں تو کہوں

دیکھا جو باغ دہر تو مانند صبح و گل
کم فرصتي ملاپ کي باہم بہت ہے یاں

عاشق ترے' ہم نے کیئے معلوم بہت ہیں
ظالم توہی دنیا میں ہے مظلوم بہت ہیں

ہوئے غبار نہ "سودا" جو چھوٹتے دامن یار
پر اب کی ہوکے حنا پاؤں سے لپٹ جاویں

بہار آزردہ ہوا رات جو مےنوشی میں
کیا ہوا ہم سے خدا جانئے بےہوشی میں
بھولنا ہم کو نہیں شرط مروت کہ ہمیں
یاد تیری ہے دوعالم کی فراموشی میں

اشک گل‌رنگ سے ہوں غم میں تیرے باغ و بہار
نالہ بلبل ہے، چمن نقش و نگار دامن

بلبل تصویر ہوں جوں نقش دیوار چمن
نے قفس کے کام کا ہرگز نہ درکار چمن
کیا گلا صیاد سے ہم کو یوں ہی گذری ہے عمر
اب اسیر دام ہیں تب تھے گرفتار چمن
نوک سے کانٹوں کے ٹپکے ہے لہو اے باغباں
کس دل آزردہ کے دامن کش ہیں نا چار چمن
لذت دل گرتے خزاں میں، جاے برگ اے عندلیب
ہم اگر ہوتے تری جاگہ گرفتار چمن

زہد کو چاہئے ہے زور تو عصیاں کو زر
میں بھی یوں ہی بسر اوقات کروں یا نہ کروں
دل سے لب تک سخن آتے ہوئے ''سودا'' سوبار
مصلحت یار سے ہے بات کروں یا نہ کروں

غم میں تسکین دل زار' کروں یا نہ کروں
نالہ جاکر پس دیوار' کروں یا نہ کروں

سن لے اک بات مري تو کہ رمق ھے باقي
پھر سخن تجھہ سے ستمگار کروں یا نہ کروں

نا صحا اُتھہ مری بالیں سے کہ دم رکتا ھے
نالے دل کھول کے دو چار کروں یا نہ کروں

سخت مشکل ھے کہ ھر بات کنا یہ سمجھو
ھے زباں میرے بھی' گفتار کروں یا نہ کروں

خواب شیریں میں وہ اور دل ھي مرا مائل شرق
جي دھڑکتا ھے کہ بیدار کروں یا نہ کروں

حال باطن کا نمایاں ھے مرے ظاھر سے
میں زباں اپنی سے اظہار کروں یا نہ کروں

کوچۂ یار کو میں رشک چمن اے "سودا"
جاکے با دیدۂ خوں بار کروں یا نہ کروں

چمن کا لطف سیر اور رونق محفل ھے شیشے میں
پھونچ ساقی کہ اپنی دوستوں کا دل ھے شیشے میں

تڑپتی ھے یہ خون دل میں ظالم ! آرزو میری
کھوں کیا تجھہ سے میں گویا وہ اک بسمل ھے شیشے میں

آشنا مفت نہیں دل سے خیال رخ یار
اتری ھے لاکھہ فسوں سے یہ پری شیشے میں

خانۂ دل کہ ہو خوں ہونے کا آئیں جس میں
ہے وہ اک بیت کہ سو معنے ہیں رنگیں جس میں
ہجر اور وصل سے کچھ کام نہیں ہے مجھ کو
بات وہ کیجئے کہ تک دل کو ہو تسکیں جس میں
کار فرما جو ہمیں پوچھے تو کیا دیں گے جواب
وہ کیا کام ، نہ دنیا ہوئي نے دیں جس میں

گدا دست اہل کرم دیکھتے ہیں
ہم اپنا ہی دم اور قدم دیکھتے ہیں
نہ دیکھا جو کچھ جام میں جم نے اپنے
سو اک قطرۂ مے میں ہم دیکھتے ہیں
غرض کفر سے کچھ نہ دیں سے ہے مطلب
تماشائے دیر و حرم دیکھتے ہیں
مٹا جاے ہے حرف حرف آنسوں سے
جو نامہ اُسے کر رقم دیکھتے ہیں

لخت جگر آنکھوں سے ، ہر آن نکلتے ہیں
یہ دل سے محبت کے ارماں نکلتے ہیں

سنتا نہیں کسی کا کوئی درد دل کہیں
اب تجھ سوا میں جا کے خدا یا کہاں کہوں

اپنی توبہ زاہدا! جز حرف رندانہ نہیں
خم ہو تو یاں احتیاج جام و پیمانہ نہیں
صبح دیکھا تھا جو کچھ وہ کم نہیں ہے خواب سے
ذکر اس کا شام ہو تو بیش از افسانہ نہیں

سنگ سے بیت‌الحرم کی شیخ اٹھائی ہے بنا
آئینہ دل کا مجھے اس گھر میں بٹھلانا نہیں
نا صحا بالیں سے میری' اٹھ خدا کے واسطے
جان کھانی اس کو کہتے ہیں یہ سمجھانا نہیں

کوسوں کا نہیں ' فرق وجود اور عدم میں
قصہ ہے تمام آمد و شد کا دو قدم میں
ہم ساقیٔ قسمت سے بہر شکل ہیں راضی
یاں فرق نہیں ذائقہ شربت و سم میں

غیر کے پاس یہ اپنا ہی گماں ہے کہ نہیں
جلوہ گر ' یار مرا ورنہ کہاں کہ نہیں
پاس ناموس مجھے عشق کا ہے اے بلبل
ورنہ یاں کون سا انداز فغاں ہے کہ نہیں
دل کے ٹکڑوں کو بغل بیچ لئے پھرتا ہوں
کچھ علاج ان کا بھی' اے شیشۂ گراں ہے کہ نہیں

سر گوشی پر مری ہے تو آشفتہ کیوں ہوا
میں درد دل کہا ہے یہ، کچھ اور تو نہیں

دلا! میں پیتے ہی پھٹے پیوں گا عشق کی مے
یہ جام زہر ہے پیارے کچھ انگبیں تو نہیں

تلہا کہیں بٹھا کے تجھے آج ایک بات
دل چاہتا ہے کہیئے مری جان، پر نہیں

نہ تلطف نہ محبت نہ مروت نہ وفا
سادگی دیکھ کہ اس پر بھی لگا جاتا ہوں

نے بلبل چمن نہ گل نو دمیدہ ہوں
میں موسم بہار میں، شاخ بریدہ ہوں
گریاں بہ شکل شیشہ و خنداں بہ‌طرز جام
اس میکدہ کے بیچ عبث آفریدہ ہوں

پیارے نہ برا مانو تو اک بات کہوں میں
ہو لطف کی اُمید تو یہ جور سہوں میں
یہ تو نہیں کہتا ہوں کہ سچ مچ کرو انصاف
جھوٹی بھی تسلی ہو تو جیتا تو رہوں میں

لخت دل، کس دن نہیں گرتے مرے دامن کے بیچ
تر نہیں ہوتی لہو میں کون سی شب، آستیں

جن نے سجدہ کیا نہ آدم کو
شیخ کا پوجتا ہے بایاں پاؤں

بے اختیار منہہ سے نکلے ہے نام تیرا
کرتا ہوں جس کسی کو پکارے خطاب، تجھ بن
مل جا جو چاہتا ہے "سودا" کی زندگانی
کچھہ بے طرح سے اس کو ہے اِضطراب، تجھہ بن

گتھی نکلی ہیں لخت دل سے تار اشک کی لڑیاں
یہ انکھیاں کہوں مرے جی کے گلے کے ہار ہو پڑیاں

فرہاد و قیس ووں گئے "سودا" کا ہے یہ حال
کیا کیا کیا ہے عشق نے خانہ خرابیاں

نہ اشک آنکھوں سے بہتے ہیں نہ دل سے اٹھتی ہیں آہیں
سبب کیا ؟ کاروان درد کی مسدود ہیں راہیں

تونے "سودا" کے تئیں قتل کیا، کہتے ہیں
یہ اگر سچ ہے تو ظالم ! اسے کیا کہتے ہیں ؟

نہ اپنا سوز ہم تجھ سے بیاں جوں شمع کرتے ہیں
جو دل خالی کیا چاہیں تو آہ سرد بھرتے ہیں
جگر ان کا ہے جو تجھ کو صنم کہہ یاد کرتے ہیں
میاں! ہم تو مسلماں ہیں، خدا بھی کہتے ڈرتے ہیں
گلی میں اس کی مت جا بوالہوس آمان کہتا ہوں
قدم پڑتا نہیں اس کو میں واں سر سے گذرتے ہیں
نہ چارہ کرسکے کچھ موج دریا کی روانی کا
کہیں وارستگاں زنجیر جکڑے سے ٹھہرتے ہیں

بس خشت کو اٹھا کر دیکھیں وہ چشم دل سے
صورت کو اپنے اس میں موجود جانتے ہیں
کیا شکر؟ کیا شکایت؟ اپنی ہے شکل یکساں
دونوں سے آپ ہی کو مقصود جانتے ہیں
ہم سر نوائیں کس کے آگے کہ بعد آسا
اپنے قدم کو اپنا مسجود جانتے ہیں

قدرت اوروں کو ہے سر گرم سخن ہونے کی
نہیں پھرنے کا دم سرد کے مقدور ہمیں
کام ہے چشم کا نظارہ نہ بہنا شب و روز
آنکھ خالق نے رقیبوں کو دی ' ناسور ہمیں
کوئی سمجھے ہے ترے گھر میں کہ ہم آئیں ہیں کیوں
ہوکے مانع تو نہ کر خلق میں مشہور ہمیں

ان خوش قدوں کی چال کا انداز، کیا لکھوں
ٹھوکر لگے ہے دل کے تئیں جس خرام میں

جب میں گیا اس کے تو اسے گھر میں نہ پایا
آیا وہ اگر میرے تو در خود نہ رہا میں
کیفیت چشم اس کی، تجھے یاد ہے "سودا"
ساغر کو میرے ہاتھ سے لیجو کہ چلا میں

"سودا" خدا کے واسطے کر قصہ مختصر
اپنی تو نیند اڑگئی تیرے فسانے میں

سجدہ کیا صنم کو میں دل کے کنشت میں
کہہ اس خدا سے شیخ! جو ہے سنگ و خشت میں
گذرا ہے آب چشم میرے سر سے بارہا
لیکن نہ وہ مٹا جو کہ تھا سر نوشت میں
"سودا" کو شمع بزم، جو کہئے تو تھا بجا
ہے اشک و آہ سوختن اس کی سرشت میں

خلش کروں نہ کسی سے اگرچہ خار ہوں میں
جلے نہ مجھ سے دل خس جو شعلہ بار ہوں میں

جسم کا معلوم رهنا ' گر یهي هے سیل اشک
بیٹھ هي جاوے گي یه دیوار دن دو چار میں

امید هوگئي کچھ گوشهٔگیر سي' دل میں
رها کرے هے تمنا' اسیر سی' دل میں
خدا کے واسطے خاموش ناصح بے درد
لگے هے بات تري مجھ کو تیر سی' دل میں

دل کو یه آرزو هے ' صبا کوئے یار میں
همراه تیرے پهونچئے مل کر غبار میں
میں وه درخت خشک هوں اس باغ میں صبا
جس کو کسو نے سبز نه دیکھا بہار میں

دلا اب سر کو اپنے' پھوڑ مت سنگ ملامت سے
یهی هوتا هے ناداں عشق کا انجام دنیا میں
نه کر "سودا" تو شکوه هم سے' دل کی بےقراري کا
محبت کس کو دیتي هے میاں آرام دنیا میں

کفر سے اب تو مرا دل هے نهایت بیزار
درمیاں کیا کروں اے شیخ که هے پائے بتاں

جي تک تو دے کے لوں جو هو کارگر کهیں
اے آہ کیا کروں نهیں بکتا اثر کهیں
هوتی نهیں هے صبح نه آتی هے مجهکو نیند
جس کو پکارتا هوں سو کهتا هے مر کهیں
ساقی هے اک تبسم گل ' فرصت بهار
ظالم بهرے هے جام تو جلدي سے بهر کهیں

قاصد کي کیا مجال جو اس کو میں جا سکے
جز مرغ روح کوئي مرا نامه بر نهیں
میري طرف سے دیجیو صبا گل کو یه پیام
آؤں قفس بهی توڑ کے پهر بال و پر نهیں

طلب میں سلطنت جم کی نه صبح و شام کرتا هوں
در مے خانه پر جاکر سوال جام کرتا هوں
جو آزادي میں یاد آجاے هے لذت اسیري کی
تو کر پرواز گلشن سے تلاش دام کرتا هوں

ٹکڑے تو ابهی لعل کے دل بیچ دهرے هیں
هم نے تو ابهی موتي هی آنکهوں میں بهرے هیں
صد شکر که مرنے کا خلش اُٹهه گیا دل سے
جب سے هوے پیدا هم اُسی دن سے مرے هیں

میں کس کس شعلہ خو کو سینۂ صد چاک دکھلاؤں
جو دل تھا ایک سو تو جل بجھا کیا خاک دکھلاؤں
پرستش چھوڑ دے کعبہ کی، "سودا"! شیخ، گر اس کو
جو میرے دل میں بستا ہے بت بے باک، دکھلاؤں

ہے اعتقاد ہمیں، ہندو و مسلماں پر
ہیں دونوں ترے پرستار یہ نہ ہو وہ ہو
نہیں ہے وصل میں درخواست ہجر کی مجھ کو
ولے خدا سے ہوں ناچار، یہ نہ ہو وہ ہو

لہو اس چشم کا پونچھے سے، ناصح! بند کیوں کر ہو
جو دل ٹوٹے کسی کے ہاتھ سے پیوند کیوں کر ہو

کرے تک منفعل کوئی مرے بے درد قاتل کو
دکھادے خاک پروانہ پہ گریاں شمع محفل کو
الٰہی ہے سکت نعم البدل کے تجھ کو دینے کی
مجھے اس کے عوض تو کچھ نہ دے پر پھیر لے دل کو

کس کی ملت میں گنوں آپ کو، بتلا اے شیخ
تو مجھے گبر کہے، گبر مسلماں، مجھ کو

اسرار خرابات سے واقف ہو جو زاہد
کعبے سے نہ کم سمجھے در پیر مغاں کو

"سودا" اُمید وصل کی کس کو ہے یاں کہ رہ نہیں
اپنے دل اور چشم میں ایسے خیال و خواب کو

بادشاہت دو جہاں کی بھی جو ہووے مجھ کو
تیرے کوچے کی گدائی سے نہ کھووے مجھ کو
خشک رکھتی ہے کبھو چشم جو دامن تجھ بن
آستیں چاہتی ہے خوں سے بھگووے مجھ کو

آلودۂ قطرات عرق دیکھ جبیں کو
اختر پڑے جھانکیں ہیں فلک پر سے زمیں کو
آتا ہے تو آ شوخ کہ میں روک رہا ہوں
مانند حباب اپنے دم باز پسیں کو
دیتی ہی نہیں چین بدی اپنے گماں کی
ساتھ اس کے میں ہوتا ہوں، کوئی جائے کہیں کو

نہ پوچھو قتل کرنے میں کسو سے بیر ہے اس کو
چلے تلوار تو اب رواں کی سیر ہے اس کو

تو نہ ہووے تو شب ہجر دے جینے ہم کو
خالق، اے صبح! سلامت رکھے تیرے دم کو

ہم کسو کی نہ چڑھے نظروں میں عنقا کی طرح
دیکھ ڈالا ہے بہ یک آن، ہم اس عالم کو

ہے کہ اب لا کے دکھاویں اُسے تجھ کو ناصح
مت فضیحت ہو عبث کر کے نصیحت ہم کو

——

کیجے جو اسیری میں اگر ضبط نفس کو
دے آگ ابھی شعلۂ آواز قفس کو

——

ہمیں گر نالۂ کنج قفس کہیے تو آتا ہے
چمن کے زمزمے کرنا گرفتاروں سے مت پوچھو

فراموش اِن دنوں ہم شہریوں کے دل سے ''سودا'' ہے
خبر اُس کی جہان آباد کے یاروں سے مت پوچھو

——

نا صح کو جیب سینے سے فرصت کبھو نہ ہو
دل یار سے پھٹے تو کسی سے رفو نہ ہو

——

تجھ بن تو دو جہاں سے کچھ اپنے تئیں نہ ہو
ہو ویں نہ ہم کہیں کے اگر تو کہیں نہ ہو

——

غمزہ، ادا، نگاہ، تبسم، ہے دل کا مول

هر آن آ مجھی کو ستاتے ہو نا صحو
سمجھا کے تم اُسے بھي تو یک بار کچھہ کہو

روا ھے کہہ تو بھلا اے سپہر نا انصاف
ریاے زہد چھپے' راز عشق رسوا ہو

اس درد دل سے موت ہو یا دل کو تاب ہو
قسمت میں جو لکھا ہو الٰہی شتاب ہو
اس کشمکش کے دام سے کیا کام تھا ہمیں
اے الفت چمن! ترا خانہ خراب ہو

اے نالہ! مت سبک ہو نکل کر جگر سے تو
مدت سے گر چکا ھے جگر کي نظر سے تو
دامن' مکان اشک سے ھے دو قدم کی راہ
آنکھیں چرا نہ لخت دل انلے سفر سے تو

چھوڑوں گا نہ دامان اسیري کبھو صیاد
ہر صبح رہائی ہو مجھے' شام قفس ہو

کروں گرم با دیدۂ تر نگاہ کہ ڈالے پھپھولا نہ رخ پر نگاہ
نہیں زخم سے اس کے' واقف کوئي ھے باطن یہ برچھي' بہ ظاہر نگاہ

لکھنے لگا ھے اب تو مرا نام گاہ گاہ
بھیجیں گے ہم بھی نامۂ پیغام گاہ گاہ

عزت و آبرو و حرمت و دین و ایماں
دوؤں کس کس کو میں یارو کہ گیا کیا کیا کچھ

مت مجھ کو ڈرا واعظ محشر کی صعوبت سے
ھے مبدأ و محشر، میرا دل شوریدہ

رکھے ھے دل کو مرے اشتیاق سینے میں
کہ جیسے مرغ، قفس میں ہو اضطراب زدہ

ہم تجھ سے نہ کہتا تھا مت گھر سے تو نکلا کر
اب شور قیامت نے گھیرا ھے درِ میخانہ
کعبے کی زیارت کو اے شیخ میں پہونچوں گا
مستی سے مجھے بھولی جس دن رہ میخانہ

کرتے ہو مداوا کب بیمار غم اپنے کا
جب کام ہوا آخر تدبیر نظر آئی
ھے گردش چشم اس کی، حلقہ در محشر کا
موج خط پیشانی، زنجیر نظر آئی

یار کا جلوہ مرے، کیا شہرۂ آفاق ہے
جس کو سنتا ہوں سو وہ دیدار کا مشتاق ہے
ذات پر اس شوخ کی، بس ختم ہے معشوقیت
جو بشر دنیا میں ہے، منجملۂ عشاق ہے
فائدہ اس ھرزہ گوئی سے بھلا ناصح تجھے
زندگی "سودا" کو اب بے عشق کرنی شاق ہے

کوئی تو سمجھے ہے اس چہرے کو مہ اور کوئی مہر
ہم تو سمجھے ہیں، فقط اللہ کا یہ نور ہے
اے خیال یار اس سینے میں اب مت رکھ قدم
شیشۂ دل سنگ سے ہجراں کے، چکنا چور ہے

کروں میں حال کس کس طرح ظاہر، سخت مشکل ہے
کہ دل سے بھی زیادہ خاطر دلدار نازک ہے

تیرے ہی سامنے کچھ بہکے ہے میرا نالہ
ورنہ نشانے ہم نے مارے ہیں بال باندھے

رفو ہوا جو گریباں مرا تو کیا ناصح
جو دل سے دل کہیں پیوند ہو رفو یہ ہے

کہوں کیا تجھ سے اے "سودا" خرام نازنیں اس کا
دلوں کو ڈھونڈھتی اک آفتِ ناگاہ پھرتی ہے

جرم کے عفو کی تدبیر بہت اچھی ہے
بے گنہ رہنے سے تقصیر بہت اچھی ہے
مجھ کو سونپا ہے زمانے کے تئیں قسمت نے
دست نا مرد میں شمشیر بہت اچھی ہے
نیک و بد سے نہ کروں اپنے لکھے کا شکوہ
جو کہ قسمت کی ہے تحریر بہت اچھی ہے
جتنے ہیں کام ترے سونپا خدا کو "سودا"
تیری تدبیر سے، تقدیر بہت اچھی ہے

کب کر سکے وہ تیغ ادا سے ہو جو کچھ کام
گو زخم نہ معلوم ہو قاتل تو وہی ہے

مری بھی سن لے کہ مانند شمع بزم اخیر
پگھل چکا ہے سراپا، زبان باقی ہے
نہ درد دل ہی کے کہنے کی تجھ سے ہے طاقت
نہ چپ ہی رہنے کی تاب و توان باقی ہے

دل جنس فرد شندہ بازار ہنر ہے
دیکھو تو کہیں کوئی خریدار ہنر ہے

تک ہم رہاں قافلہ سے، کہ دے اے صبا
ایسے ہی گر قدم ہیں تمہارے تو ہم رہے

اے تڑپ چین تو بسمل کو کہیں تل بھر دے
یہ نہ ہو خوں سے کہیں دامن قاتل بھر دے
بادہ پینے سے تو خو گر میں نہیں ہوں اے تیغ
ہو کسي شیشہ میں لوھو تو مرا دل بھر دے

دنیا تمام گردش افلاک سے بني
ماتی ہزار رنگ کی، اس چاک سے بني

غافل ہماری آہ سے رہنا نہ بے خطر
کر خوف ایسے تیر سے جو بے کماں چلے

کہیو صبا سلام ہمارا بہار سے
ہم تو چمن کو چھوڑ کے سوئے قفس چلے
تیرے سخن کو میں بہ سرو چشم ناصحا
مانوں ہزار بار، اگر دل سے بس چلے

یار جس سے خوش رہے مجھ کو وہ آئیں چاہیے
اس سوا طالب نہ دنیا کا ہوں نے دیں چاہئے

مخلصی "سودا" کی کچھ، حق کے کرم سے ہو تو ہو
ورنہ یاں ہر کام کی تقصیر دامن گیر ہے

کاٹی مصیبت شب ہجراں، میں با رہا
واعظ نہیں ہے روز قیامت سے ڈر مجھے
جوں شمع، پانوں تو کے جاتا ہوں میں کہاں
در پیش آ گیا ہے کدھر کا سفر مجھے

ساغر دل، خوں سے مالا مال رہتا ہے مرا
اہل دل گر مست رہتے ہیں تو ایسے جام کے

تو کہہ کے ہمیں سخت، نہ بدنام ہو ناصح
یہ شیشہ دل ہاتھ سے ہے چور کسو کے

ہوا کس پر، یہ دیوانہ الٰہی
کہ موج اشک ہے زنجیر دل کی
جفا سے تیرے اٹھ جاؤں میں لیکن
وفا ہوتی ہے دامن گیر دل کی

مجھ چشم سے اب اشک نہیں آنے کا ناصح
آوے بھی غم دل سے تو لخت جگر آوے

نہ عندلیب گرفتار کو قفس چھوڑے
نہ تیرے دام کے مشتاق کو ہوس چھوڑے

یارب کہیں سے گرمیٔ بازار بھیج دے
دل بیچتا ہوں، کوئی خریدار بھیج دے

تری دریا دلی کا شور ہے اے مہرباں جب سے
ہمارے دل سے دریائے تمنا، موج مارے ہے

تنزل سے بھی ہم ہرگز ترقی میں نہ کم ہوتے
جو ہوتے کوہ سے پتھر تو پتھر سے صنم ہوتے

طوبیٰ تلے میں بیٹھ کے روؤں گا زار زار
جنت میں، تیرے سایۂ دیوار کے لئے

گرمی اس شعلہ سے ہیہات نہ ہونے پائی
ہوں وہ پرواز، جسے رات نہ ہونے پائی
جی کی جی ہی میں رہی، یار مری بالیں تک
پہونچا اس وقت کہ کچھ بات نہ ہونے پائی

شیخ کعبہ میں خدا کو تو عبث ڈھونڈھے ہے
طالب اس کا ہے تو ہر ایک کی کر دل جوئی

ناصحا! ہر چند یہ بندہ سبک اطوار ہے
پر سبک ہے کب جو خاطر پر کسي کی بار ہے

جو طبیب اپنا تھا اس کا دل کسی پر زار ہے
مژدہ بادا اے مرگ! عیسےٰ آپ ھی بیمار ہے

طاقت کہاں ہے اب کہ گنوں وعدے کے میں دن
اس وقت بھي ملو تو دموں کا شمار ہے

کیا چیز ہے وہ، دل جسے کہتے ہیں الٰھي!
اک قطرۂ خوں سینے میں آفات طلب ہے
دشنام تو دینے کي قسم کھائي ہے، لیکن
جب دیکھے ہے وہ مجھ کو تو اک جنبش لب ہے

مت دیکھ خاک سارئ "سودا" بہ چشم کم
گر آسماں ہے تو، تو مقابل زمین ہے

آتے نہیں نظر میں کسو کے جو ھم تو کیا
عالم تو سب طرح کا ھماري نظر میں ہے

ان سے جو ھیں نا بینا، وعدہ ھے قیامت کا
بینا کے بہ ہر یک پل، دیدار نظر میں ھے

کرے ھے توبہ جو واعظ کی ھرزہ گوئي سے
مگر بہار کو "سودا" نے دور دیکھا ھے

نشہ کو ھرگز حقیقت کے نہ پہونچے گا کوئی
جب تلک اے یار خالیِ عمر کا پیمانہ ھے

اک رنگ کے جلوے نے کھینچا ھے مرے دل کو
صورت تو نہ میں سمجھا گوری ھے کہ کالي ھے

جان تک چاھے اگر وہ تو ھے بندہ حاضر
دل اسے دیوے جو کوئی تو جگر اس کا ھے

چشم پرآب سے "سودا" کے نہ ٹپکا کبھو اشک
صورت آئینہ کچھ، دیدۂ تر اس [illegible] ھے

پاک میرے نہ کسي دوست نے کی چہرے سے گرد
دیدہ ھے دشمن جاں، پر مرا منھ دھوتا ھے

گوھر کو جوھری اور صراف زر کو پرکھے
ایسا کوئی نہ دیکھا وہ جو بشر کو پرکھے

سنے ھے مرغ چمن کا تو نالہ اے ساقی
بہار آنے کی بلبل خبر لگا کہنے

ھم ھیں وارستہ محبت کی مدد گاری سے
سب سے آزاد ھوئے دل کی گرفتاری سے
سبب غفلت دنیا ھے فقط عیش شباب
خواب آور ھے سحر، رات کی بیداری سے

مآل مردم ماضی و حال و استقبال
سدا تو ایک کی، کچھ داستان ھے سب کی

عدو بھی ھو سبب زندگی جو حق چاھے
نسیم صبح ھے روغن، چراغ میں گل کے
چمن کھلیں ھیں پہونچ بادہ لے کے اے ساقی
گرفتہ دل مجھے مت کر فراغ میں گل کے

پاس اب ھمارے، نکہت گل کو نہ لا نسیم
دل سے ھوس چمن کی اسیروں نے دور کی

محرم ! فقط تسلی کے دینے سے کیا حصول
کر فکر ہوسکے تو دل نا صبور کی

مرے ملنے کي اس کو تب ہوس ہووے اگر ہووے
کہ مجھ میں اک رمق باقی نفس ہووے اگر ہووے

ہمارے کفر کے پہلو سے دیں کی راہ یاد آوے
صنم رکھتے ہیں جس کو دیکھ کر اللہ یاد آوے

آئے جو بزم میں تو اٹھا چہرے سے نقاب
پروانے ہی کو شمع سے بیزار کر چلے
آزاد کرتے تم ہمیں قید حیات سے
اس کے عوض جو دل کو گرفتار کر چلے
تو خوش رہو گھر اپنے میں، جس شکل سے ہو تم
دو چار نالے ہم پس دیوار کر چلے

اثر، نے آہ میں ہر چند، نے تاثیر نالے میں
پر اتنا ہے کہ ان دونوں سے میرا دل بہلتا ہے

خو گر کو اسیری کے، ہے ظلم رہا کرنا
خوشتر زچمن، اس کو ہے دام گرفتاری

جو کچھ جہاں میں ہے وہ فرق ہے تعین کا
سخن مرا نہ سمجھنا قصور کس کا ہے
یہ سمجھیں ہیں کہ تو خالق ہے اور ہم مخلوق
ترے گناہ سمجھنا شعور کس کا ہے
جہاں کی بزم سے یا رو کسی کا اُٹھ جانا
یہ کون جانے کہ نزدیک و دور کس کا ہے

تمیز خوب و زشت اے مہرباں کب عشق نے پائی
محبت میں سبھی یکساں ہیں جس کی جس سے بن آئی
جھکایا تھا مجھے زاھد نے کوچہ رنج دنیا کا
مغاں نے راحت دنیا کی مجھ کو بات بتلائی

دھن غنچے کا جب دیکھوں ہوں گوش گل پہ گلشن میں
تو اپنا درد دل کہنا کسو سے یاد آتا ہے

زیست قاتل ہے مری' تجھ بن اجل بدنام ہے
سینے میں موج نفس اک تیغ خوں اشام ہے
عشق کے انجام سے دل کو ہے غفلت اس طرح
جیسے وہ ماھی کہ دریا میں میان دام ہے

یاں جو ہوں خاموش سو تیری ندامت کے لئے
ورنہ شکوں کے ذخیرے ہیں قیامت کے لئے
آنکھ اُٹھا کر دیکھ تو اے یار میری بھی طرف
کب سے ہوں میں منتظر صاحب سلامت کے لئے

زخم سینہ کا تو بھر آیا ہے، لیکن داغ دل
رہ گیا ہے دوستی کی یہ علامت کے لئے

میں حال کہوں کس سے، ترے عہد میں اپنا
روتے ہیں کہیں دل کو، کہیں جی کی پڑی ہے
محکوم تصور کسی مرے ہے، تیری صورت
آگے مری آنکھوں کی شب و روز کھڑی ہے

جان بھی دیجے جو اس جینے کا اب جھگڑا چکے
دین و دل کھو کر میاں اپنی سزا ہم پا چکے
یہ نوید آمد کے پیارے ! مجھ سے مجھ کو لے گئے
آپ میں آیا میں تب اکتا کے جب وہ جا چکے
گوش زد اس کے کیا اعدا نے میرا حرف عشق
کیا رہا جلنے میں اب جب آگ وہ سلگا چکے

جھلک جس شوخ میں ذرہ نہ ہو نور محبت کی
اگر خورشید ہے کیا ہے و گر مہتاب ہے کیا ہے

سینے کو دور کر مرے سینے کے داغ سے
سوز شب فراق کو دیکھ اس چراغ سے

شمع و چراغ گو کہ مری شب سے دور ہے
تو گھر میں ہو مرے تو اندھیرا بھی نور ہے

جب نظر اس کی آن پڑتی ہے
زندگی تب دھیان پڑتی ہے
دل سے پوچھا میں یہ کہ عشق کی راہ
کس طرف مہربان پڑتی ہے
کہا ان نے کہ یہ نہ ھندستاں
نے سوئے اصفہان پڑتی ہے
یہ دور رہا جو کفر و دیں کا ہے
دونوں کے درمیان پڑتی ہے
نہیں عیسیٰ تو پھر سخن سے ترے
تن بےجاں میں، جان پڑتی ہے

گذر ادھر بھی وہ شاہ خوباں کرے جو اک دم تو کیا عجب ہے
ہوئی ہے آگے بھی بادشاھوں سے اس طرح کی گدا نوازی

گل ہے عاشق ترا قسم مت کہا
یوں گریباں کسی کا پھٹتا ہے
عشق سے تو نہیں ھوں میں واقف
دل کو شعلہ سا کچھ لپٹتا ہے

جان تو حاضر ہے ، اگر چاہئے
دل تجھے دینے کو ، جگر چاہئے

عشق ہو، شرط ہے کیا ؟ ہو مرض الموت مجھے
یارب ! انسان کے مرنے کے ہیں آزار کئي
ترے بازار میں اب کیونکہ نہ بگڑے " سودا "
ایک یوسف نظر آتا ہے ، خریدار کئي

جھڑ کی تو مدتوں سے مساوات ہوگئی
گالي کبھو نہ دي تھي سو اب بات ہوگئي
بس اب ستم سے در گذر اے یار ! تا کجا
اعمال دے کے میری مکافات ہوگئی
ملنا ترا، ہر ایک سے میں کیا بیاں کروں
عالم سے مجھ کو ترک ملاقات ہوگئی

کیجیو اثر قبول کہ تجھ تک ہماري آہ
سینے سے اور مغاں لئے لخت جگر، گئي

اب کی بھی دن بہار کے یوں ہی چلے گئے
پھر پھر گل آ چکے پہ صنم تم بھلے گئے
اے شمع ! دل ، گداز کسي کا نہ ہو کہ شب
پروانہ داغ تجھ سے ہوا ، ہم چلے گئے

ہے مدتوں سے خانۂ زنجیر ' بے صدا
معلوم ہي نہیں کہ دوانے کدھر گئے
"سودا" جہاں میں آکے کوئی ' کچھ نہ لے گیا
جاتا ہوں ایک میں' دل پر آرزو لئے

وعدۂ لطف و کرم ' گر نہ وفا کیجئے
مہر نہیں تو ستم' کچھ تو بھلا کیجئے
فرصت عمر اپنی یہ' لطف خداوند وہ
کچھ تو حق بندگی کیونکہ ادا کیجئے

کہوں میں کسي سے کہ مطلب قرار وا کیجئے
بھلا ہے ترک تعلق کا مدعا کیجے
کہے تھا شمع سے پروانہ' رات جلتے وقت
کہ حق بندگي اس طرح سے ادا کیجئے
کہا طبیب نے احوال دیکھ کر میرا
کہ سخت جان ہے "سودا" کا اہ کیا کیجئے

بھاگ دیوانے سے مت اے غافل
وہیں جاناں ہے جہاں مجنوں ہے

گر تجھ میں ہے وفا تو جفا کار کون ہے
دل دار تو ہوا تو دل آزار کون ہے
هر آن دیکھتا ہوں میں اپنے صنم کو شیخ
تیرے خدا کا طالب دیدار کون ہے

"سودا" کو جرم عشق سے کرتے هیں آج قتل
پہچانتا ھے تو؟ یہ گنہ گار کون

الفت میں کچھ اپنی بھي اثر چاهئے "سودا"
هر چند وفا شیوۂ محبوب نہیں ھے

جگر اور دل پہ اب میرے، بہار ایسی ھے داغوں سے
کہ زخم سینہ گویا، رخنۂ دیوار گلشن ھے

دل لے کے همارا جو کوئي طالب جاں ھے
هم بھي یہ سمجھتے هیں کہ جي ھے تو جہاں ھے
هر ایک کے دکھ، درد کا، اب ذکر و بیاں ھے
مجھ، کو بھي هو رخصت تو مرے منھ، میں زباں ھے
جو یندۂ هر چیز ھے یابندہ جہاں میں
جز عہد گذشتہ کہ وہ ڈھونڈھو سو کہاں ھے
پیری جو تو جاوے تو جوانی سے یہ کہنا
"خوش رهیو مری جان تو جیدھر ھے، جہاں ھے"

جو وہ پوچھے تجھ سے اے قاصد کہ "سودا" خوش تو رهتا ھے
تو یہ کھیو! کبھو رو رو، دل اپنا شاد کرتا ھے
بسان نے، ترے هاتھوں سے نالاں اس کو دیکھا میں
کوئی تک منھ، لگاتا ھے تو وہ فریاد کرتا ھے

خواہ کعبے میں تجھے' خواہ میں بت‌خانے میں
اتنا سمجھوں ہوں مرے یار! کہیں دیکھا ہے
پھرے ہے کوچہ و بازار میں تو کیوں "سودا!"
جنس دل کا بھي خریدار کہیں دیکھا ہے

یاں چشم سرمہ سا کا' مارا کوئی جیا ہے
ہر سرو' اس چمن کا اک آہ بے صدا ہے
لب تشنگان جام تسلیم' ہم ہیں ساقی!
یا بادہ' یا ہلاہل' جو ہو سو واہ وا ہے

قاصد کو اپنے ظالم جو کچھ کہ دوں بجا ہے
جیتا پھرے تو اجرت ورنہ یہ خوں بہا ہے

نسیم ہے ترے کوچے میں اور صبا بھی ہے
ہماری خاک سے دیکھو تو کچھ رہا بھي ہے
ترا غرور' مرا عجز' تا کجا ظالم
ہر ایک بات کی اخر کچھ انتہا بھی ہے
سمجھ کے رکھیو قدم خار دشت پر مجنوں
کہ اس نواح میں "سودا" برہنہ پا بھی ہے

کب تاب قفس لا سکے' وحشت مری صیاد
اک الفت گل بس ہے کہ سو دام یہي ہے

" سودا " کے ھاتھہ کیونکہ لگیے وہ متاع حسن
لے نکلیں جس کو گھر سے تو بازار ساتھہ ھے

اس چشم خوں چکاں کا احوال کیا کہوں میں
اب زخم ھے تو یہ ھے' ناسور ھے تو یہ ھے
کچھہ بس نہیں ھے تجھہ سے' جز رو کے چپ ہو رھنا
قدرت جو ھے تو یہ ھے' مقدور ھے تو یہ ھے
گردش سے آسماں کے نزدیک ھے سبھی کچھہ
ھم سے تجھے ملانا اک دور ھے تو یہ ھے

گذرا ھے کس کی خاک سے ظالم تو بے خبر
دامن کے ساتھہ ساتھہ ترے گرد ھے سو ھے
" سودا " گلی میں یار سے گو بولتا ھے گرم
پھر ھر سخن کے ساتھہ دمِ سرد ھے سو ھے

درد میرے استخواں کا کیا ترے دمساز ھے
اس قدر اے ! نے تری دلگیر کیوں آواز ھے

پردا عبث ھے ھم سے یہ خاطر نشاں رھے
جس دم اٹھا یہ بیچ سے' پھر ھم کہاں رھے

کیا پوچھتے ہو حال اسیران چمن کا
یک مشت پر اب کنج قفس میں ھمگي ھے
"سودا" کے جو بالیں پہ ھوا شور قیامت
خدام ادب بولے ابھی آنکھہ لگي ھے

نہیں ممکن اسیروں کی کوئي فریاد کو پہونچے
صبا یہ مشت پر اس دام سے، صیاد کو پہونچے
عبث نالاں ھے اس گلشن میں تو اے بلبل ناداں
نہیں ھے رسم یاں کوئی کسي کی داد کو پہونچے

رھا کرنا ھمیں، صیاد! اب پامال کرنا ھے
پھڑکنا بھی جسے بھولا ھو سو پرواز کیا سمجھے
نہ پہونچے داد کو ھرگز، ترے کوچے کا فریادي
کسی کی، شور محشر میں کوئي آواز کیا سمجھے
نہ پوچھو مجھہ سے میرا حال تک دنیا میں جینے دو
خدا جانے میں کیا بولوں کوئي غماز کیا سمجھے

پہونچی نہ تجھہ کو آہ! مرے حال کی خبر
قاصد گیا تو ان نے بھی کچھہ اپني ھي کھي

شعلہ میں برق کا ھوں، پر افسردہ یاں تلک
ھر خار اس چمن کا سمجھتا ھے خس مجھے

اک گل سے بو وفا کی گر آتی ہو اے نسیم
ہر صبح اس چمن کي ہو شام قفس مجھے

ملھہ لگاوے کون مجھ کو، گر نہ پوچھے تو مجھے
عکس بھی دیتا نہیں اب آئینے میں رو، مجھے
منحصر جوں شمع جلنے پر مري ہے زندگي
تاپ و تب سے عشق کے یاں تک ہوئي ہے خو، مجھے

ہے قسم تجھ کو فلک دے تو جہاں تک چاہے
جلوہ حسن اُسے، حسرت دیدار مجھے
ہوں تصدق ترے، او عالم فانوس خیال
گو تحیر نے کیا صورت دیوار مجھے
نہ پھرا ملک عدم سے تو کوئي اے "سودا"
جانا ہے ان کي خبر کے لئے، ناچار مجھے

جل موا، شمع کو دیکھا جو مري بالیں پر
بدگمانی سے میں اب داغ ہوں پروانے کی
شکر صد شکر نہیں میں کسی خاطر کا غبار
خاک کعبے کي ہوں، یا گرد صنم خانے کی

کسو نے حال سے میرے، کہی نہ تجھ سے بات
اگر کہی بھي کسو نے تو اپنے مطلب کي

نہیں ہے رشتۂ تسبیح صورت زنار
قسم ہے شیخ تجھے اپنے دین و مذہب کی

جس روز کسي اور پہ بیداد کروگے
یہ یاد رہے ہم کو بہت یاد کروگے
اس دل کي اسیري سے تہیں کچھ تمہیں حاصل
اک نالۂ جاں کاہ سن، آزاد کروگے

عشرت سے دو جہاں کے یہ دل ہاتھ دھو سکے
تیرے قدم کو چھوڑ سکے، یہ نہ ہو سکے

تالا ہي تھا پہاڑ کو فرہاد نے ولے
آئے کو کیا کرے جو وہ سر سے نہ ٹل سکے

آہ و زاري سے مري، شب نہیں سویا کوئی
تجھ سے نالاں ہوں میں، اک خلق ہے نالاں مجھ سے

دل بے عشق کي دشمن ہے، تحریک نفس ناصح
کرے ہے کام پتھر کا ہوا، مینائے خالی سے

دکھیو اثر تو خاطر، نالے کي تک ہمارے
پہونچا ہے دل سے لب تک، یہ سخت زحمتوں سے

نہ بھول اے آرسی! گر یار کو تجھ سے محبت ہے
بھروسا کچھ نہیں اس کا، یہ منھ دیکھے کی الفت ہے

کون! محشر میں ہمارے خون کی دیوے گا داد
جب تو بولے گا کہ ہم قاتل ہیں، یہ مقتول ہے

منھ پسارے کیا پھرے ہے اے فلک! سمجھے ہیں ہم
ایک دن تیرا دہن اور اپنی مشت خاک ہے۔

کہتا ہے عشق، عقل سے مجھ کو تو بیر ہے
ناصح تو کیوں بکے ہے دوانہ سا؟ خیر ہے

کیا نیاز عشق سے غافل ہے ناز حسن آہ
شیریں کیا جانے کہ خوں آلود جوئے شیر ہے

رحم کچھ آپی تجھے آوے تو آوے ورنہ یاں
آہ ہے سو بے اثر، نالہ سو بےتاثیر ہے
اس قدر آغوش میں نظارہ کھینچے ہے تجھے
پشت آئینہ کی تیرا عکس رو تصویر ہے
جو کوئی پوچھے کیا کس جرم پر ''سودا'' کو قتل
کہہ ''کسی کو گر کوئی چاہے یہ کم تقصیر ہے''

گل پھینکے ھیں اوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی
اے خانہ بر انداز چمن! کچھ تو ادھر بھی
کیا ضد ھے مرے ساتھ خدا جانے' وگرنہ
کافی ھے تسلی کو مری ' ایک نظر بھی
اے ابر قسم ھے تجھے رونے کی ھمارے
تجھ چشم سے ٹپکا ھے کبھو لخت جگر بھی
"سودا" تری فریاد سے آنکھوں میں کٹی رات
آئی ھے سحر ھونے کو ٹک تو کہیں مر بھی

کریں ھیں در پہ ترے' شیخ و برھمن سجدہ
بتوں کے حسن و ادا! تیری' یاں خدائی ھے
تن گداز میں دل کیونکہ تیں رکھا "سودا"
یہ آگ ' پانی میں کس سحر سے چھپائی ھے

بہار بے سپر جام و یار گذرے ھے
نسیم تیر سی چھاتی کے پار گذرے ھے
گذر مرا ترے کوچے میں گر نہیں تو نہ ھو
مرے خیال میں تو لاکھ بار گذرے ھے
ھزار حرف شکایت کا ' دیکھتے ھی تجھے
زباں پہ شکر ھو بے اختیار گذرے ھے

سجنوں کو دلوں سے تو نہ خالی کر اب اتنا
ڈرتا ھوں نہ چھاتی کسی بے دل کی بھر آوے

ظالم! کر اب انصاف کہ سینے میں کہاں سے
ہردم کے لہو پینے کو تازہ جگر آوے
بے خوابی سے مرتا ہے شب ہجر میں "سودا"
اب کہنے کو افسانہ، کوئی نوحہ گر آوے
نامے کا جواب آنا تو معلوم ہے اب کاش
قاصد کے بد و نیک کی مجھ تک خبر آوے

درخت خشک ہوں اس باغ میں، خدا نہ کرے
کہ باغباں میرے احوال سے خبر پاوے

ہر دانہ میرے خوشۂ خرمن میں ہے شرر
کہہ! برق کو سمجھ کے تک ایدھر گذر کرے

بدلا ترے ستم کا کوئی تجھ سے کیا کرے
اپنا ہی تو فریفتہ ہوئے خدا کرے
فکر معاش، عشق بتاں، یاد رفتگاں
اس زندگی میں اب کوئی کیا کیا کیا کرے
گر ہو شراب و خلوت و محبوب خوب رو
زاہد تجھے قسم ہے جو تو ہو تو کیا کرے

ڈھایا میں ترے کعبے کو، تیں دل مرا اے شیخ
تعمیر میں کروں اُسے، تو اس کو بنادے
بیمار کو تیرے ہو شفا اس سے، نہ مانوں
عیسیٰ کو یہ قدرت ہے کہ مردے کو جلادے

بال و پر توڑ کے سونپے ہے قفس کو صیاد
تجھ سے رخصت ہے مری اے ہوس آزادی

کب شمع مجالس کی فانوس میں چھپتی ہے
جو حسن ہو بازاری، مت اس کو بٹھا پردے

"سودا" چمن دہر سے یہ چشم نہ رکھیو
وہ گل نظر آوے کہ جسے خار نہ ہووے
جز لخت دل اپنے، تو نہ دیکھے گل بے خار
سو بھی کہ جو مژگاں پہ نمودار نہ ہووے

پھر نظر تجھ کو نہ دیکھا کبھو ڈرتے ڈرتے
حسرتیں جی کی رہیں جی ہی میں مرتے مرتے

دیوانگی ہماری کیا کیا مچاتی دھومیں
زنجیر پاؤں ہوکے، گر اپنے گھر نہ لاتی

اک خلق کي نظروں میں سبک ہو گیا لیکن
کرتا ہوں میں اب تک تري خاطر پہ گرانی
تک دیدۂ تحقیق سے تو دیکھ زلیخا
ہر چاہ میں آتا ہے نظر یوسف ثانی

انصاف کچھ بھی یارو! ہے عشق کي نگر میں
دل غم سے آب ہووے اور چشم موتي رو لے

آوے گا وہ چمن میں تڑکے ھي مےکشی کو
شبنم سے کہہ دے بلبل! پیالے گلوں کے دھولے
کم بولنا ادا ہے ہر چند، پر نہ اتنا
مند جاے چشم عاشق تو بھی وہ لب نہ بھولے
چشم پرآب ہوں میں جوں آئینۂ خیالی
رک رک کے پڑگئے ہیں چھاتی میں سب پھپھولے
کون ایسا اب کہے یہ "سودا" گلي میں اس کی
آ تجھ کو لے چلیں ہم دل کھول کرکے رولے

کدورت سے زمانے کی بہ رنگ شیشۂ ساعت
ملے ہمدرد اگر کوئي تو کیجئے دل بہم خالي

پہونچے سو کیونکہ ؟ منزل مقصد کو یہ قدم
پیدا ہوئے ہیں گردش ایام کے لئے

"سودا" هزار حیف که آکر جهاں میں هم
کھا کر چلے اور آئے تھے کس کام کے لئے

مطلعات

غنچوں کو گو شگفته چمن میں صبا کیا
لیکن همارے غنچۂ دل کو نه وا کیا

هے سخت بے مروت، وه بت وفا کرے کیا
پر اب تو لگ گیا دل دیکھیں خدا کرے کیا

ملنے پائے نه دهن اس کے سے، دشنام تمام
جنبش لب هی میر اپنا تو هوا کام تمام

"سودا" کے لئے برسر بازار هوئے هم
هاتھ اس کے بکے، جس کے خریدار هوئے هم

آگے یا قسمت جلاوے یار یا مارے همیں
اب تو آنکھوں سے لگا هے دیکھنے بارے همیں

فردیات

دل کو تو ہر طرح سے دلاسا دیا کروں
آنکھیں تو مانتی نہیں میں اس کو کیا کروں

مےکشاں ! روح ہماري بھي کبھو شاد کرو
ٹوٹے گر بزم میں شیشہ تو ہمیں یاد کرو

وہ سمندر ہے کہ جس کا نہ کہیں پاٹ لگے
کشتی عمر مری دیکھئے کس گھاٹ لگے

رباعیات

کتنوں کا جہان میں زر و مال ہے شکر
کتنوں کا ہے با دولت و اقبال ہے شکر
یوں شکر تو سب کرتے ہیں لیکن "سودا"
شاکر ہے وہی جس کو بہر حال ہے شکر

"سودا" پے دنیا تو بہر سو کب تک
آوارہ ازیں کوچہ بہ آں کو، کب تک
حاصل یہی اِس سے ہے کہ دنیا ہوئے
بالفرض ہوا یوں بھي تو، پھر تو کب تک

جہاں کے بحر میں اے دل لباس اتنا چاہ
که جوں حباب، وهی پیرهن وهی هو کلاه
تو کس تلاش میں دم مارتا پھرے هے که عمر
به رنگ رشتۂ سوزن هے هر قدم کوتاه

چاهي تهی بتوں کي آشنائی هم نے
پر عقل کي ماني نه نمائی هم نے
اس دل کے کنارے سے همارے یارو
کچھ آگ لگي تهي سو بجهائی هم نے

کوتاه نه عمر مے پرستی کیجے
زلفوں سے تري دراز دستي کیجے
ساقی جو نه هو شراب، هے آج وه ابر
پانی پی پي کے فاقه مستی کیجے

سرمایۂ عیش، کامرانی تو هے
آرام دل و مونس جاني تو هے
گر تو نهیں آوے جینا کس کام
میري تو مراد زندگاني تو هے

افسوس هماري عمر روتے گذری
نت دل سے غبار غم هی دهوتے گذری

دیکھا نہ کبھی خواب میں اپنا یوسف
ہرچند تمام عمر سوتے گذری

رباعیات مستزاد

دنیا کی طلب میں دین کھوکر بیٹھے ہوکر گم راہ
کرنا ہی نہ تھا جو کام سو، کر بیٹھے اے عقل بتا

کعبے میں شیخ بت‌کدے میں ہندو بےرنگ و بہ رنگ
کس بو قلموں صنم کے کافر ہم ہیں اللہ اللہ

قصائد

مدح امام حسین علیہ‌السلام

سوائے خاک نہ کھینچوں گا منت دستار
کہ سر نوشت لکھی ہے مری بہ‌خط غبار
چمن زمانے کا شبنم سے بھی رہے محروم
اگر نہ رووے مرے روزگار پر شب تار
کروں ہوں تیز میں دندان اشتہا ہر صبح
زمانہ سنگ ملامت سے توڑتا ہے نہار
شراب، خون جگر ہے، گزک مجھے دل خوش
صدائے نالۂ دل ہے مجھے، ترانۂ یار

زمانہ دل کو مرے اور عہد یار کو اب
شکست سے نہیں دیتا ہے ایک آن قرار
ز بس کہ دل ہے مکدر مرا زمانے سے
بہ‌جائے اشک، میں آنکھوں سے پوچھتا ہوں غبار
کہاں تلک وہ کرے روزگار کا شکوہ
کہ جس کے بخت کی سو گلد کھاوے ہے ادبار
دلا تو اپنے غم دل کو اب غنیمت جان
بدل خوشی سے تو اس دور میں نہ کر زنہار
کسو ہی سے غم دل یوں نہ لے گیا دوراں
کہ شادی مرگ کیا ہو نہ اس کو آخر کار
جو گوش ہوش تو رکھتا ہے تو برابر ہے
صدائے نغمۂ داؤد نالۂ دل زار
شکستگی سے مجھے دل کی یوں ہوا معلوم
فلک نے گوشۂ خاطر کو بھی کیا مسمار
پڑا پھرے ہے اسی فکر میں سدا ظالم
کسو طرح سے کسو دل کو دیجئے آزار
رکھے ہے مجھ سے خصوصاً عداوت قلبی
خیال خام کو یوں دے کے اپنے دل میں قرار
کہ خاک کر کے اسے ھند میں بٹھاؤں گا
چراغ بت‌کدہ‌وخشت خانۂ خمار
کدھر خیال کو اب لے گیا ہے یہ بے مغز
ز بس بھرا ہے سر اس کا ہوائے کج رفتار
دکھاؤں گا اسے، اب مرد، یوں کریں ہیں عزم
مشیت ازلی بھی ہوئی جو ہم سے برار

تو روسیاہ کر اس هند کا " کوئي دن اور
اسی دیار کی گلیوں کا هو جئے کا غبار
جهاں کے مرگ کو کہتا ھے خضر عمر ابد
خدا نصیب کرے مجھ کو زندگی اک بار
جو کچھ کہ مجھ سے سنے صدق سے تو باور کر
محمدي سے فرنگی هو جو کرے انکار
خدا نہ خواستہ گر آسماں کی گردش سے
قضا طبیب ہوئی گر مسیح هو بیمار
فلک سے اس کو ملائک کے آگے واں هو ویں
جب اس دیار کے جاروب کش سے منت دار
اگر وہ خاک دے اس کو، شفا کي نیت سے
قضا قضا هي کرے تک اگر کرے تکرار
ھے اس قدر وہ زمیں نور سے ھے مالا مال
کہ جس کی رات کے آگے نہیں ھے دن کو قرار
هوا کے وصف میں اُس جا کی گر لکھوں میں غزل
مرا سخن رهے سر سبز تا بہ‌روز شمار

ز بس هوا نے طراوت کو واں کیا ھے نثار
شرار سنگ میں هیں رشک دانہ هائے انار
گر اس طرف سے هو جاوے صبا چمن کي طرف
نہ هو سوائے زمرد عقیق واں زنہار
جو نخل خشک کي تصویر کھینچے واں نقاش
هر ایک شاخ وهیں سبز هوکے، لاوے بار

عجب نہیں ہے کہ ہوں اس ہوا سے دانۂ سبز
اگر زمیں پہ گرے ٹوٹ سبھۂ زوار
غرض میں کیا کہوں یارو چمن میں قدرت کے
عجب ہے لطف کی اس قطعۂ زمیں پہ بہار
انہوں کی نظروں میں ہوگی بہشت کی کیا قدر
جنھیں ہے مسکن و ماوا کے واسطے وہ دیار
غرض کہ دیکھ کے اس جا کے مرتبے کے تئیں
لگا زمین سے کرنے فلک یہ استفار
خبر دے اس کی مجھے اے زمیں کہ تجھ میں سے
ہوا ہے کس لئے اس خاک کو یہ عز و وقار
دیا جواب زمین نے کہ اے فلک ہیات
نہ دیجو مجھ سے تناسب اُسے تو دیگر بار
نہیں ہے خاک وہ ہے آبروئے آب حیات
نہیں وہ خاک ہے کحل الجواہرالابصار
اگر نہ چشم کو اکب کو پہنچے اُس میں سے
نہ کر سکے شب تاریک بیچ تو رفتار
مجھے ہے نسبت اب اس خاک سے کہاں جس میں
ابو تراب کے فرزند نے کیا ہو قرار
امام مشرق و مغرب شہہ زمین و زمن
رموز دان خداوند ، لجۂ اسرار
اگر نہ ہو قلم صنع ہاتھ میں اس کے
تو لوح دفتر قدرت میں فرد ہو بے کار
خدا نہ خواستہ دیوے چہار عنصر میں
گر اس کی راے بدلنا طبیعتوں کا قرار

ابھی فنا کرے مفسد ھوا کا ذرہ خاک
نہ چھوڑے پانی کا قطرہ جہاں میں ایک شرار

گر اس کا حکم اتھاوے جہاں سے رشتۂ کفر
مجال کیا جو سلیمانی میں رھے زنار

شکوہ خیمہ کا اُس کے بیاں کروں لیکن
کہاں خیال کو ھے پھونچنے کا واں تک بار

کہ جس کي دیکھ کے رفعت، فلک ھے چکر میں
اسی کے بوجھ سے ھے صفحۂ زمیں کا قرار

نہیں ستارے یہ ھیں بلکہ لوتتا ھے گ
اسی حسد سے انگاروں پہ چرخ لیل و نہار

کرے ھے عرش اُسے اپنے جبھہ پر صندل
گر اس کے فرش سے جاروب کا اٹھے ھے غبار

کمیت خانے نے اب اس کے وصف گل گوں میں
کیا ھے صفحۂ کاغذ کو تختۂ گلزار

چمن میں صبح کے جس کی سبک روی آگے
کبھو نہ ایک قدم چل سکے نسیم بہار

غرض وہ گرم عناں ھو کے جب چمکتا ھے
نہیں پھونچتي ھے برق اس کی گرد کو زنہار

بیاں جلدی کا اُس کی کہاں تلک میں کروں
ملک کو جس کی سواری کا عزم ھو دشوار

چڑھا براق کے راکب نے دوش پر اپنے
سکھائی جس کو سواري وھي ھو اس پہ سوار

کہے ہے آ شہد ان لا الہ الا اللہ

عدم میں کفر سدا یاد کر تری تلوار

جہاں نہ پہونچے ہے تیرے خیال کا پیکاں

کرے ہے واں سے گزر تیرے تیر کا سو فار

نسط حباب کے ، قالب تہی کریں دریا

گریں جو اُن پہ تری آتش غضب کے شرار

کریں ہیں نہ ورق آسمان کوتاہی

شہا اگر تیری بخشش کا کیجئے طومار

بھرا ز بس شکم حرص جو دئے تیرے

نہیں اب اس کے تئیں درد امتلا سے قرار

گہر نہ ہوں جو ترے ابر فیض کے آگے

کرے نہ گر عرق انفعال ابر بہار

نگاہ فیض تري کیمیا اثر اتنی

اگر وہ ہو کرۂ خاک کی طرف اک بار

نہ نکلے کان سے فولاد تا ابد ہرگز

عجب نہیں ہے بغیر از طلائے دست افشار

رہیں فلک پہ مہ و مہر جب تلک قائم

ہمیشہ دیکھے اسي طرح چشم لیل و نہار

موالیاں کے قدم سے لگا رہے اقبال

جدا نہ ہو سر اعدا سے چنگل ادبار

منقبت حضرت علی علیہ‌السلام

اتھ گیا بہمن و دے کا چمنستاں سے عمل

تیغ اُردي نے کیا ملک خزاں مستاصل

سجدۂ شکر میں ہے شاخ ثمردار ہر ایک
دیکھ کر باغ جہاں میں کرم عز و جل
واسطے خلعت نو روز کے ہر باغ کے بیچ
آب جو قطع لگی کرنے روش پر مخمل
بخشتي ہے گل نو رستہ کی رنگ آمیزی
پوشش چھینٹ قلم کار بہ ہر دشت و جبل
عکس گلبن یہ زمیں پر ہے کہ جس کے آگے
کار نقاشي مانـي ہے دوم وہ اول
تار بارش میں پروتے ہیں گہر ہائے تگرگ
ہار پہنانے کو اشجار کے ہر سو بادل
بار سے آب رواں عکس ہجوم گل کے
لوٹتے ہے سبزے پہ از بسکہ ہوا ہے بے کل
شاخ میں گل کی نزاکت یہ بہم پہونچي ہے
شمع ساں گرمی نظارہ سے جاتي ہے پگھل
جوش روئید گئ خاک سے کچھ دور نہیں
شاخ میں گاو زمیں کے بھی جو پھوٹے کو پل
یا سمن رنگ جو رکھتي ہے خزاں سے مانا
چاھتي ہے بہ سماجت کرے سبزے سے بدل
چشم نرگس کی بصارت کے ز بس ہے در پے
غنچۂ لالہ نے سرمے سے بھري ہے مکحل
اس قدر محو تماشا ہے کہ نرگس کی طرح
چشم سیار گلستاں میں جھپکتی نہیں پل
آبجو گرد چمن لمعۂ خورشید سے ہے
خط گلزار کے صفحے پہ طلائي جدول

سایۂ برگ ہے اس لطف سے ہر اک گل پر
ساغر لعل میں جوں کھیجے زمرد کو حل
برگ برگ چمن ایسی ہی صفا رکھتا ہے
گل کو دیکھو تو نگہ جاوے ہے سنبل پہ پھسل
لڑکھڑاتی ہوئی پھرتی ہے خیاباں میں نسیم
پاؤں رکھتی ہے صبا صحن میں گلشن کے، سنبھل
اتنی ہے کثرت لغزش بہ‌زمین ہر باغ
جو ثمر شاخ سے اترا سو گرا سر کے بھل
فیض تاثیر ہوا یہ ہے کہ اب حنظل سے
شہد ٹپکے جو لگے نشتر زنبور عسل
دانہ جس شور زمیں میں نہ پھلا دھقاں سے
سبز واں دانۂ شبنم سے ہوا ہے جنگل
کشت کرنے میں ہر اک تخم سے از فیض ہوا
گرتے گرتے بہ زمیں برگ و بر آتا ہے نکل
جوہری کو چمنستان جہاں میں اس فصل
آگیا لعل و زمرد کے پرکھنے میں خلل
نسبت اس فصل کو، پر کیا ہے سخن سے میرے
ہے فضا اس کی تو دو چار ہی دن میں فیصل
اور میرا سخن آفاق میں تا یوم قیام
رہے گا سبز بہ‌ہر مجمع و ہر یک دنگل
تا ابد طرز سخن کی ہے مری رنگینی
جلوۂ رنگ چمن جاوے ہے اک آن میں ڈھل
نام تلخی نہیں مجھ نطق میں جز شیرینی
یک طرف تار گلستاں میں ہے یکسو حنظل

دہن برومند سخن‌ور، مرے ہر مصرع سے
مصرعۂ سرو سے پایا ہے کسي نے بھي پھل
ہو جہاں کے شعرا کا مرے آگے سر سبز
نہ قصیدہ، نہ مخمس، نہ رباعی، نہ غزل
ہے مجھے نیض سخن اس کی ہے مداحي کا
ذات پر جس کي مبرہن کنہ عزو جل
مہر سے جس کی منور رہے دل جوں خورشید
روسیہ کینہ سے جس کے رہے مانند زحل
بغض جس کا کرے جوں مور سلیماں کو ضعیف
مور کو حب سے ملے جس کے، یلوں کا سا بل
شیر یزداں، شہ مردان علي، عالي قدر
وصئ‌ی ختم رسل اور امام اول
خاک نعلین کی جس کي مدد طالع سے
پہنچے اس شخص کو جو شخص ہو اعمائے یزل
وہ نظر آئے اُسے دہر کی بینائي سے
رہ گیا اور رہےگا جو ابد تک اوجہل

مطلع دوم

دید تیرا بہ‌دوئی حق سے نگہ کا ہے خلل
ایک شے دو نظر آتی ہے بہ‌چشم احول
تیری قدرت بہ‌جہاں قدرت حق کی خاطر
خلق کے وہم غلط کار میں تیری ہے مثل
رائے تیري کے موافق جو نہ لکھے نسخہ
کرے تاثیر نہ عیسے کا مداوا بہ کسل

سر کے پیکان نہ قبضے سے کماں کے سر مو
ہو اشارہ جو ترا تیر قضا کو کہ "نہ چل"
معنئی علت غائي جو نہ ہو، تو اُن کا
خانۂ ہر دو جہاں پھر ہوں دو بیت مہمل
جو گدا ہے بہ جہاں تیرے گدائے در کا
اُس کے در کا وہ گدا کہئے جسے اهل دول
وصف تجھ تیغ دوسر کا میں کروں کیا شہ دیں
دل منجلوں کے جو میدان کرے ہے صیقل
کھینچ اُسے گر تو عدو پر کرے میداں میں نہیب
اِستقامت کا زمانے کی قدم جائے نکل
عرض میں سے دو طرف ہوکے لگے بھنے طول
پڑے دریا میں جو وہ تفرقہ انداز اگل
جمع کب وہ سکیں اعدا کے حواس خمسہ
دیکھ کر اس کو علم ہاتھ میں تیرے یک پل
توام اجزا جو مواهد کے هیں یک دیگر
منجمد رهنے میں ان کے وهیں آجائے خلل
اس کو آسیب نہیں صورت شمشیر قضا
نہ جھڑے وہ، نہ مڑے وہ، نہ پڑے اس میں بل
زیر راں ہے جو تیرے رخش فلک سیر شها
ہے وہ محبوب جسے کہیے نہایت اچپل
شکل کیا اس کی بتاؤں کہ جسے شوخی سے
دائرے بیچ تصور کے نہیں پڑتی کل
حشمت و خیز اس کی بیاں کیجئے گر پیش کلیم
اعتقادات حکیمانہ میں آجاوے خلل

میخ سے نعل کی اس کے میں اگر دوں تشبیہ
کرے دورے کو تمام اپنے بیک آن زحل

اس کی جلدي کا تو کیا ذکر هے سبحان للہ
نسبت اس کی فرس ایسا کہ جسے کھٹے اچل

توسن وھم کو دوڑائیے ساتھ اُس کے تو ھو
باز گشت اِس کا تمام اُس کے بہ کام اول

هیبت عدل یہ تیري هے کہ هر دشت، میں شیر
واسطے درد سر آهو کے گھسے هے صندل

سامنے بز کے یہ کیا دخل کہ نکلے آواز
گرگ کے پوست کو منڈھوا کے بجائیں جو دھل

ذکر وانہ کار ترے حفظ کا گر آ جاوے
کسي محفل میں بہ تقریب، زباں پر یک پل

شعلۂ شمع کي گرمي سے یقیں هے، دل کو
شب سے تا صبح قیامت، نہ سکے موم پگھل

امر سے نہی کے تیرے بہ جہاں یا شہ دیں
کام پہنچا هے مناهي کا بھي یاں تک بہ ذلل

کیونکہ آواز مناي هو گلے سے باهر
شرم سے ساز کے پردوں میں سدا هے اوجھل

امر حق سے جو ملایک نے یہ چاها سونهیں
علم کا بار ترے کوہ فلک کو بہ ازل

عرض دونوں نے کیا یوں بہ جناب اقدس
بوجھ اس میں هے بہت هم هیں گرفتار کسل

آخرش تجھ کو ھي پایا متصل اس کا
جب یہ دیکھا کہ کسي سے نہیں سکتا ھے سنبھل
مدح اپنی نہ سمجھ یہ جو کہا میں اس سے
رتبہ تجھ مدح کا اعلیٰ ھے سخن ھے اسفل
عرض احوال ھے اپنا ھي مجھے اس سے غرض
تا بہ‌آخر جو یہ موزوں میں کیا از اول
سو تو وہ کیا ھے رھا ھووے جو تجھ سے مخفي
سادہ لوحی پہ مری کھجیٔے یہ نظم حمل
سب کا احوال ترے پیش ضمیر روشن
ایک سے دونوں ھیں کیا ماضي و کیا مستقبل
پر کروں کیا میں کہ ھے آٹھ پہر دل میرا
گردش چرخ سے جوں شیشۂ ساعت بے کل
نہ تو روزانہ مجھے اس سے خورش کا آرام
نہ مری چشم میں خواب اس سے شبانہ یک پل
راست کیشوں سے کجي اتنی ھے اس ملعوں کو
کہ دیا سرو کو ان نے نہ کبھو پھول نہ پھل
کرکے دریافت اس احوال کو اب یا مولا
تجھ سے یوں عرض کرے ھے یہ ترا عبد عقل
جلد پہنچا بہ زمین نجف اس عاصي کو
کہ اسے عمر ابد ۔ وہ جو واں اٰے اجل
میری قسمت کے موافق تو معین کردے
اپني سرکار سے واں ما تحصل کا بدل

ہاتھ پھیلاوے جا زیر فلک کس کے حضور
دست ہست نظر آتا ہے جہاں کا بہ بغل

لیکن اس امر میں ہے حق بہ طرف خلقت کے
کر کے جب دیدۂ قسمت سے سبھوں کے اوجھل

جوہر جود و کرم تھا جو بہ روز تقسیم
لکھ گیا ہو وے ترے نام سے منشی ازل

طاقت طول سخن آگے بھی تک ''سودا'' کو
بخش اے قوت بازوئے نبیٔ مرسل

چاہتا ہے کرے آخر وہ دعائیہ پر
نظم تجھ مدح کی بہتر ز کلام اول

تا ملے خلعت نو روز بہ بستان جہاں
پاوے تا نیر اعظم شرف برج حمل

تا کرے سبزہ بہ رخسار گل اندام نمود
تا پڑے سنبل پیچیدۂ محبوب میں بل

تا رہے داغ دل سوختۂ عاشق کو
پھولتا لالۂ خود رو رہے جب تک بہ جبل

بحر میں قطرۂ نیسا سے ہو جب تک گوہر
کر کے تا وقت تر شح کے' ہوا میں بادل

بوئے گل مست کرے باغ میں تا بلبل کو
تا کرے باد سحر عقدے کو غنچے کے حل

موج ہو آب کی تا سرو کے پائیں زنجیر
جب تلک طوق رہے گردن قمری کا مثل

تالب جو پہ کرے خیمہ اِستادہ حباب
تا بچھاوے بہ روش سبزۂ فرش مخمل
قدر ہو عود کي تا مجمر و آتش سے فزوں
لطف بوتا رہے عالم میں بہ چوب صندل
نخل امید سے اپنے ہوں برومند محب
ہو محبت نہ تري جن کو نہ پاویں وہ پھل

نعت

ہوا جب کفر ثابت ہے وہ تمغاے مسلمانی
نہ ٹوٹي شیخ سے زنار تسبیح سلیمانی
ہنر پیدا کر اول ترک کیجو تب لباس اپنا
نہ ہو جوں تیغ بے جوہر و گر نہ ننگ عریاني
فراہم زر کا کرنا باعث اندوہ دل ہو وے
نہیں کچھ جمع سے غنچے کو حاصل جز پریشانی
خوشامد کب کریں عالی طبیعت اہل دولت کي
نہ جھاڑے آستین کہکشاں شاہوں کي پیشاني
عروج دست ہمت کو نہیں ہے قدر بیش و کم
سدا خورشید کی جگ پر مساوی ہے زر افشانی
کرے ہے کلفت ایام ضائع قدر مردوں کی
ہوئی جب تیغ زنگ آلودہ کم جاني ہے پہچاني
اکیلا ہوکے رہ دنیا میں چاہے گر بہت جیتا
ہوئی ہے فیض تنہائی سے عمر خضر طولانی

انیت وصل میں دونی جدائی سے ہو عاشق کو
بہت رہتا ہے نالاں فصل گل میں مرغ بستانی
موقر جان ! ارباب ہنر کو بے لباسی میں
کہ ہو جو تیغ با جوہر، اُسے عزت ہے عریانی
بہ رنگ کوہ رہ خاموش حرف نا سزا سن کر
کہ تا بد گو صدا ے غیب سے کھینچے پشیمانی
یہ روشن ہے بہ رنگ شمع ربط با دو آتش سے
موافق گر نہ ہووے دوست، ہے وہ دشمن جانی
نہیں غیر از ہوا کوئی ترقی بخش آتش کا
نفس جب تک ہے داغ دل سے فرصت کیونکہ ہے پانی
کرے ہے دہر زینت ظالموں پر تیرہ روزی کو
کہ زیب ترک چشم یار سرمہ ہے صفاہانی

مطلع دوئم

عجب ناداں ہیں جن کو ہے عجب تاج سلطانی
فلک بال ہما کو پل میں سونپے ہے مگس رانی
نہیں معلوم اُن نے خاک میں کیا کیا مزا دیکھا
کہ چشم نقش پا سے تا عدم نکلی نہ حیرانی
زمانے میں نہیں کھلتا ہے کار بستہ حیراں ہوں
گرہ غنچہ کی کھولے ہے صبا کیوں کر بہ آسانی
جنوں کے ہاتھ سے سر تا قدم کاہیدہ اتنا ہوں
کہ اعضا دیدۂ زنجیر کی کرتے ہیں مژگانی
نہ رکھا جگ میں رسم دوستی اندوہ روزی نے
مگر زانو سے اب باقی رہا ہے ربط پیشانی

سہہ بقعگی میں اے "سودا" نہیں طول سخن لازم
نمط خامے کے سر کٹواے گی ایسی زباں دانی

سمجھ اے نا فصاحت فہم کب تک یہ بیاں ہوے
ادائے چین پیشانی و لطف زلف طولانی

خدا کے واسطے باز آ تو اب ملنے سے خوباں کے
نہیں ہے ان سے ہرگز فائدہ غیر از پشیمانی

نکال اس کفر کو دل سے کہ اب وہ وقت آیا ہے
برہمن کو صنم کرتا ہے تکلیف مسلمانی

ز ہے دین محمد پیروی میں اس کی جو ہو وے
رہے خاک قدم سے اُس کی چشم عرش نورانی

ملک سجدہ نہ کرتے آدم خاکی کو گر اس کی
امانت دار نور احمدی ہوتی نہ پیشانی

زباں پر اس کی گذرے حرف جس جاگہ شفاعت ۲
کرے واں ناز آمرزش پہ ہر اک فاسق و زانی

موافق گر نہ کرتا عدل اُس کا آب و آتش کو
تو کوئی سنگ سے بندھتی تھی شکل لعل رمانی

پلے ہے آشیاں میں باز کے بچہ کبوتر کا
شباں نے گرگ کو گلے کی سونپی ہے نگہبانی

ہزار افسوس اے دل ہم نہ تھے اس وقت دنیا میں
و گر نہ کرتے یہ آنکھیں جمال اس کے سے نورانی

حدیث من رآنی دال ہے اس گفتگو اوپر
کہ دیکھا جس نے اس کو اس نے دیکھی شکل یزدانی

غرض مشکل همیں هوتي که پیدا کرکے ایسے کو
خدا گر یه نه فرماتا " نهیں گوئي مرا ثانی "
بس آگے مت چل اے "سودا" میں دیکھا فهم کو تیرے
کر استغفار اس منهه سے اب ایسے کي ثنا خواني

نعت و منقبت

چهرهٔ مهروش هے ایک، سنبل مشک فام دو
حسن بتاں کے دور میں، هے سحر ایک، شام دو
فکر معاد اب کریں، یا که معاش کي تلاش
زندگي اپنی ایک دم، کیجئے کیونکه کام دو
پهیلکے هے منجنیق چرخ تاک کے سنگ تفرقه
بیٹهه کے ایک دم کهیں، هوویں جو هم کلام دو
خرد و بزرگ دهر میں، نسبت جام و شیشه جان
باده تو اُن میں ایک سے، گوکه هوے به‌نام دو
مثل زباں خامه هیں، گر نبي و امام دو
معنی تو ان میں ایک هیں گو که هوے به‌نام دو
هونے نه دے غروب ایک، بهر نماز مهر کو
ایک کرے اشارے سے، قرص مه تمام دو
ان کے طواف روضه کو پهنچے کبهی نه جبرئیل
رکهه کے زمیں په ایک گام، تا نه کرے سلام دو
موسیٰ و خضر اور مسیح، دریه اُنهوں کے وقت طوف
ایک بنے جو چوبدار کرتے هیں اهتمام دو

سجدہ کریں ھیں مہر و مہ، درپہ انہوں کے روز و شب
برھمن اس سے یوں ھوا داغی ھیں یہ غلام دو

ھوتے حکیم کس سبب؟ معتقد تمام دھر
دیتے نہ گر زمانے کو حل کے یہ انتظام دو

وصف براق و دلدل اب، کہئے تو میں بیاں کروں
شرق سے تا بہ غرب تک جن کے تئیں ھیں گام دو

مرضي حق نہیں ھے یہ دو ھوں ھوا اور ایک بام
ورنہ پھریں وہ عرش پر، ایسے ھیں خوش خرام دو

برش انہوں کی تیغ کي، مجھ سے بیاں نہ ھو سکے
خامے کی اب زباں ھوئی لکھنے سے جس کا نام دو

اس کے خیال میں کوئی دیکھے جو اپنے باپ کو
احولوں کي طرح اسے، آوے نظر تمام دو

"سودا" اب آگے کیا کہوں مجھ سے کہے ھے ان کا ذکر
قطع کلام کرکے تم مدح کو اختتام دو

چاھے تھی طبع یہ مري طول دے اس کلام کو
کہویں علي نبی سے یوں، اس کا صلہ تمام دو

یہ بھی صلہ نہیں ھے کم عرصۂ حشر میں اگر
یاد کریں جو مجھ سے کو ایسے بہ احترام دو

مدح امام حسن عسکری علیہ السلام

عیب پوشی ہو لباس چرک سے کیا ننگ ہے
ماں اے آئینہ بہتر اس صفا سے زنگ ہے

وضع سے کم مایہ اپنی، کیا ترقی کر سکے
چاہیے دریا ہو، یہ کب گھر میں ڈھنگ ہے

فض بہم پہنچا نہ محروم تجلی دل کو رکھ
صیقل اس آئینہ کی، گرد شکست رنگ ہے

اپنے بھی مرھوں ھمت ہوں نہ عالی ھمتاں
کوہ کی شمشیر کو کب احتیاج سنگ ہے

تک پرے رکھنا قدم اس آستاں سے گرد باد
خاکساری کو ھماری، سرکشی سے ننگ ہے

محو حیرت کے تمئیں ہے، دوست اور دشمن سے کیا
آئینہ تصویر کا دور از غبار و زنگ ہے

صبحدم "سودا" چمن میں مجھ کو آیا تھا نظر
ان دنوں شاید وہ کچھ شور جنوں سے تنگ ہے

پائے گلبن، بے دماغانہ سا کچھ بیٹھا ہوا
اک غزل پڑھتا تھا یہ مطلع کا جس کے ڈھنگ ہے

شمع کا میرے صدائے خندۂ گل ننگ ہے
تک پرے جا بول بلبل گو تو میر آھنگ ہے

ہوسکیں نازک دلاں کب روکش صرف درشت
عکس بال طوطی اپنے آئینہ پر سنگ ہے

یاں سموم عشق سے کس کو ہے جوشش کا دماغ
شعلۂ آتش مرے کانٹے پہ گل کا رنگ ہے

گرد ہوں میں تو نہیں خاطر نشینی کا دماغ
آئینہ ہوں تو صفائی میری، مجھ پر زنگ ہے
تک پڑے گلشن سے میرے شور کر ابر بہار
یاں صدائے رعد آواز شکست سنگ ہے
ناز پروردہ جو استغنا کے ہیں ان کے تئیں
یک قدم راہ طلب طے کرنی سو فرسنگ ہے
دیکھنا راہ اجل ان کو تماشا رقص کا
درد دل سننا کسی کا ان کو عود و چنگ ہے
غم کسی دل سوختہ پر ان کو کھانا ہے کباب
نت انہیں خون جگر پینا مے گل‌رنگ ہے
خاک در ایک ایسے کے ہیں، وہ زری مسند ہے کیا
عرش کے دامن پہ گر بیٹھیں تو ان کا ننگ ہے
قبلۂ دنیا و دیں یعنے امام عسکری
جس کی میزان عدالت اتنی بے پا سنگ ہے
ایک پلے میں ہو کاہ اور دوسرے پلے میں کوہ
کاہ کو باور تو کرنا کوہ سے ہم‌سنگ ہے
پشت خار آہوے صحرا ہے پنجہ شیر کا
باز کا، چڑیا کی خاطر، آشیانہ چنگ ہے
نہی سے تجھ امر کے اب یا امام‌المتقیں
بس کہ منہیات پر عرصہ جہاں کا تنگ ہے
چشم خوباں میں شراب آتی ہے لینے کو پناہ
گل رخاں کے خط نہیں آتش کے اوپر بنگ ہے
میں گداؤں کی ترے در کے کہوں ہست سو کیا
اس‌ی‌ی یہ ہے گفتگو جو ان میں لنج و لنگ ہے

کہہ سلیماں سے، نگیں اپنے پہ تو نازاں نہ ہو
پیش ارباب ہمم یہ دست زیر سنگ ہے

اس زمیں کو جس پہ اس کا دست ہو سایہ فگن
کچھ سوا گل اشرفي کے سبز کرنا ننگ ہے

منھ پہ تیغ برق دم، الماس پی کر کے ترے
یک قدم آنا عدو کو راہ سو فرسنگ ہے

گر سر دشمن پہ ہو میداں میں وہ سایہ فگن
خود و قاش زیں دو حصہ تا بہ‌حد تنگ

پر نہیں یہ وصف اس کے جو بیاں میں نے کیے
بلکہ یہ تعریف تو اس کي برش کا ننگ ہے

آسماں سے تا زمیں اور گاؤ سے ماہی تلک
امتحاں گر کیجئے اس کو تو اک چورنگ ہے

لیتے ہیں تعلیم واں ہر روز آکر گرد باد
جس جگہ سر گرم کاوے پر ترا شبرنگ ہے

گرد جولاں گاہ کا اس کے کہوں میں کیا دماغ
عارض خوباں کے خط ہونے سے جس کو ننگ ہے

بگڑا ہي جاتا ہے ہاتھوں میں جلو لینے کے وقت
نکلا ہي پڑتا ہے رانوں سے یہ اس کا رنگ ہے

کر قصیدے کے تئیں "سودا" دعائیہ پہ ختم
قافیے کي وسعت اب آگے نہایت تنگ ہے

سر گل امید سے محروم تیرے دوست کا
ہو نہ جب تک گلشن دنیا میں آب و رنگ ہے

لالہ ساں ہو غرق آتش میں عدو سر تا قدم
پر شرر جس وقت تک دامان کوہ وسنگ ہے

شہر آشوب

کہا یہ آج میں "سودا" سے کیوں تو ڈانواں ڈول
پھرے ہے، جا کہیں نوکر ہو لے کے گھوڑا مول
لگا وہ کہنے یہ اِس کے جواب میں دو بول
جو میں کہوں گا تو سمجھے گا تو کہ ہے یہ ٹھٹھول
بتا کے نوکری بکتی ہے ڈھیر یوں یا تول

سپاہی رکھتے تھے نوکر امیر دولت مند
سو آمد اُن کی تو جاگیر سے ہوئی ہے بند
کیا ہے ملک کو مدت سے سرکشوں نے پسند
جو ایک شخص ہے بائیس صوبے کا خاوند
رہی نہ اس کے تصرف میں فوجداری کول

بس اُن کا ملک میں کار نسق جو یوں ہو تباہ
کہ کوہ زر ہو زراعت میں تو نہ دیں پرکاہ
جگہ وہ کون سی نوکر رکھیں یہ جس پہ سپاہ
کہاں سے آویں پیادے کریں جو پیش نگاہ
کدھر سوار جو پیچھے چلیں وہ باندھ کے غول

رہی فقط عربی باجے پر انھوں کی شان
جو چاہیں اس کو نہ بجواویں یہ تو کیا امکان
پر اُن کا فکر ہے تخفیف خرچ پر ہر آن
رہے گا حال یہی ملک کا اگر تو ندان
گلے میں طاشا کہاروں کے پالکی میں ڈھول

پڑے جو کام انھیں تب نکل کے کھائی سے
رکھیں وہ فوج جو موئی پھرے لڑائی سے

پیادے ہیں سو ڈریں سر منڈاتے نائی سے
سوار گر پڑیں سوتے میں چارپائی سے
کرے جو خواب میں گھوڑا کسی کے نیچے الول

نہ صرف خاص میں آمد نہ خالصہ جاری
سپاہی تا متصدی سبھوں کو بے کاری
اب آگے دفتر تن کی میں کیا کہوں خواری
سوال دستخطی کو پھاڑ کرکے پنساری
کسی کو آنولہ دے باندھ کر کسی کو کتول

یہ جتنے نقدی و جاگیر کے تھے منصب دار
تلاش کرکے ڈیلتے انھوں نے ہو ناچار
ندان قرض میں بنیوں کے دے سپر تلوار
گھروں سے اب جو نکلتے ہیں لے کے وہ ہتھیار
بغل کے بیچ تو سونٹا ہے ہاتھ میں کچکول

سخن جو شہر کی ویرانی سے کروں آغاز
تو اس کو سن کے کریں ہوش چغد کے پرواز
نہیں وہ گھر نہ ہو جس میں شغال کی آواز
کوئی جو شام کو مسجد میں جائے بہر نماز
تو واں چراغ نہیں ہے بجز چراغ غول

کسی کے یہاں نہ رہا آسیا سے تابہ اُجاغ
ہزار گھر میں کہیں ایک گھر جلے ہے چراغ
سو کیا چراغ وہ گھر ہے گھروں کے غم سے داغ
اور ان مکانوں میں ہر سمت رینگتے ہیں اُلاغ
جہاں بہار میں سنتے تھے بیٹھ کر ہنڈول

خراب هیں وہ عمارات کیا کہوں تجھ پاس
کہ جس کے دیکھے سے جاتی رہے تھی بھوک اور پیاس
اور اب جو دیکھو تو دل ہووے زندگی سے اُداس
بہ جاے گل' چملوں میں کمر کمر ہے گھاس
کہیں ستون پڑا ہے کہیں پڑے مرغول

یہ باغ کھاگئی کس کی نظر نہیں معلوم
نہ جانے کن نے رکھا یاں قدم وہ کون تھا شوم
جہاں تھے سرو و صنوبر وہاں اُگے ہے زقوم
مچے ہے زاغ و زغن سے اب اس چمن میں دھوم
گلوں کے ساتھ جہاں بلبلیں کریں تھی کلول

جہاں آباد تو کب اس ستم کے قابل تھا
مگر کبھو کسی عاشق کا یہ نگر دل تھا
کہ یوں اٹھا دیا گویا کہ نقش باطل تھا
عجب طرح کا یہ بحر جہاں میں ساحل تھا
کہ جس کی خاک سے لیتی تھی خلق موتی رول

دیا بھی واں نہیں روشن' تھے جس جگہ فانوس
پڑے ہیں کھنڈروں میں آئینہ خانے کے مانوس
کرور دل پر از امید ہوگیے مایوس
گھروں سے یوں نجبا کے نکل گیے ناموس
ملی نہ ڈولی انہیں جو تھے صاحب چوڈول

نجیب زادیوں کا ان دنوں ہے یہ معمول
وہ برقع سرپہ ہے جس کا قدم تلک ہے طول

ہے ایک گود میں لڑکا گلاب کا سا پھول
اور اُن کے حسن طلب کا ہر ایک سے یہ اُصول
کہ خاک پاک کی تسبیح ہے جو لیجے مول
غرض میں کیا کہوں یارو کہ دیکھ کر یہ قہر
کرور مرتبہ خاطر میں گزرے ہے یہ لہر
جو تک بھی امن دل اپنے کو دے دے گردش دہر
تو بیٹھ کر کہیں یہ روئیے کہ مردم شہر
گھروں سے پانی کو باہر کریں جھکول جھکول
بس اب خموش ہو "سودا" کہ آگے تاب نہیں
وہ دل نہیں کہ اب اس غم سے جو کباب نہیں
کسی کی چشم نہ ہوگی کہ وہ پرآب نہیں
سوائے اس کے تری بات کا جواب نہیں
کہ یہ زمانہ ہے اک طرح کا زیادہ نہ بول

ہجویات

ایک مریل گھوڑا

ہے چرخ جب سے ابلق ایام پر سوار
رکھتا نہیں ہے دست عناں کا بیک قرار
جن کے طویلے بیچ' کوئی دن کی بات ہے
ہرگز عراقی و عربی کا نہ تھا شمار
اب دیکھتا ہوں میں کہ زمانے کے ہاتھ سے
موچی سے کفش پا کو گٹھاتے ہیں وہ ادھار

ہوں گے چلانچہ ایک ہمارے بھی مہرباں
پاوے سزا جو ان کا کوئی نام لے نہار
نوکر ہیں سو روپے کے دنائت کی راہ سے
گھوڑا رکھیں ہیں ایک سو اتنا خراب و خوار
نے دانہ و نہ کاہ، نہ تیمار، نہ سئیس
رکھتا ہو جیسے اسپ گلی طفل شیر خوار
نا طاقتی کا اس کی کہاں تک کروں بیاں
فاقوں کا اس کے اب میں کہاں تک کروں شمار
ہر رات اختروں کے تئیں دانہ بوجھ کر
دیکھے ہے آسماں کی طرف ہوکے بے قرار
خط شعاع کو وہ سمجھ دستۂ گیاہ
ہردم زمیں پہ آپ کو پٹکے ہے بار بار
فاقوں سے ہنہنانے کی طاقت نہیں رہی
گھوڑی کو دیکھتا ہے تو......ہے بار بار
نہ استخواں، نہ گوشت، نہ کچھ اس کے پیٹ میں
دھونکے ہے دم کو اپنے کہ جوں کھال کو لہار
سمجھا نہ جائے یہ کہ وہ ابلق ہے یا سرنگ
خارشت سے ز بس کہ ہے مجروح بے شمار
القصہ ایک دن مجھے کچھ کام تھا ضرور
آیا یہ دل میں جائیے گھوڑے پہ ہو سوار
رہتے تھے گھر کے پاس قضا را وہ آشنا
مشہور تھا جنھوں کنے وہ اسپ نا بکار
خدمت میں اُن کی میں نے کہا جا یہ التماس
گھوڑا مجھے سواری کو اپنا دو مستعار

فرمایا تب انہوں نے کہ اے مہربان من
ایسے ہزار گھوڑے کروں تم پہ میں نثار
لیکن کسی کے چڑھنے کے لائق نہیں یہ اسپ
یہ واقعی ہے اس کو نہ جانو گے انکسار
مانند میخچوں کے لکد زن ہے تھان پر
لا جذب وہ زمیں سے ہے جوں میخ استوار
ہے پیر اس قدر کہ جو بتلائیے اس کا سن
پہلے وہ لے کے ریگ بیاباں کرے شمار
لیکن مجھے زروے تواریخ یاد ہے
شیطاں اسی پہ نکلا تھا جنت سے ہو سوار
کم رو ہے اس قدر کہ اگر اس کے نعل کا
لوہا ملاکے تیغ بنادے کبھو لوہار
ہے دل کو یہ یقین کہ وہ تیغ روز جنگ
رستم کے ہاتھ سے نہ چلے وقت کارزار
مانند اسپ خانۂ شطرنج اپنے پانوں
جز دست غیر کے نہیں چلتا ہے زینہار
دھلی تک آن پہنچا تھا جس دن کہ مرہٹا
مجھ سے کہا نقیب نے آ کر، ہے وقت کار
ناچار ہوکے تب تو بندھایا میں اس پہ زیں
ہتھیار باندھ کر میں ہوا جاکے پھر سوار
جس شکل سے سوار تھا اُس دن میں کیا کہوں
دشمن کو بھی خدا نہ کرے یوں ذلیل و خوار
چابک تھے دونوں ہاتھ میں پکڑے تھا منھ سے باگ
تک تک سے پاشنہ کے مرے پانوں تھے فگار

آگے سے تو بڑا اُسے دکھلائے تھا سئیس
پیچھے نقیب ھانکے تھا لاٹھی سے مار مار
اس مضحکہ کو دیکھہ ھوے جمع خاص و عام
اکثر مدبروں میں سے کہتے تھے یوں پکار
پہیے اسے لگاؤ کہ تا ھووے یہ رواں
یا بادبان باندھہ پون کے دو اختیار
نا چار الغرض میں ھوا مستعد بہ جنگ
اتنے میں مرھٹا بھي ھوا مجھہ سے آ دو چار
گھوڑا تھا بس کہ لاغر و پست و ضعیف و خشک
کرتا تھا یوں خفیف مجھے وقت کار زار
جاتا تھا جب ڈپٹ کے میں اس کو حریف پر
دوڑوں تھا اپنے پاؤں سے جوں طفل نے سوار
جب دیکھا میں کہ جنگ کی یاں اب بند ھي ھے شکل
لے جوتیوں کو ھاتھہ میں گھوڑا بغل میں مار
دھر دھمکا واں سے لڑتا ھوا شہر کی طرف
القصہ گھر میں آن کے میں نے کیا قرار
گھوڑے مرے کي شکل یہ ھے تم نے جو سنی
اِس پر بھی دل میں آے تو اب ھو جیے سوار

راجہ نرپت سنگھ کا ہاتھی

بدن پر اب نظر آتي ہے یوں کھال
طناب سست سے خیمے کا جوں حال
نمودار اِس طرح ہر استخواں ہے
گویا ہر پسلی اُس کی نردباں ہے
نہ بھڑي ہے نہ کت بندھن نہ لکڑا
رکھے ہے ناتوانی اُس کو جکڑا
ضعیفی نے کي اس کي فریبی گم
گیا ہاتھي نکل اور رہ گئي دم
ہوئی ہے ناتوانی اُس کے درپے
کہ وہ ڈیل اب دھوئیں کي سی گرہ ہے
سمجھنا فیل اُسے دیوانہ پن ہے
کسي مدت کا یہ بام کہن ہے
ستون اس کے تلے یہ پاؤں ہیں چار
رہے دو دانت آگے سو ہیں اوزار
جو بیٹھے یہ تو اٹھنا اِس سے ہے دور
لگیں جب تک نہ اِس کو راج و مزدور
اٹم ہے خاک کا یا راکھ کا ڈھیر
کہیں ہیں اِس کو ہاتھی، ہے یہ اندھیر
ہلاتا یوں ہے یہ کانوں کو ہر بار
کہ دھونکیں پنکھوں سے کوئلوں کا انبار
ہے اتنا چلنے میں بجریہ بد ذات
نہیں ہاتھی صعوبت کی ہے یہ رات
یہ عالم چلنے میں خرطوم کا ہے
کہ وصف کور میں گویا عصا ہے
جو کہیے فیل اُسے بہتان ہے یہ
عجائب تودۂ طوفان ہے یہ

ایک کنجوس امیر کا باورچی خانہ

پھر اِن کا گر آوے وقت طعام
جائے لقمے کے کھانے وہ دشنام
یونھیں اُٹھ جائیں اس کو دے بُتّا
ماریں نہیں جھوٹے ہاتھ سے کُتا
کام بھوکے کا اِن کے مطبخ سے
نہیں ممکن کہ اِس سوا نکلے
کھانا یاں کھاوے ہاتھ واں دھووے
گرمیوں بیچ پیٹ بھر سووے
بس کہ مطبخ میں سردی رہتی ہے
ناک باورچیوں کی بہتی ہے
اِن کے مطبخ سے دود اُٹھے ہے اگر
سقے لے دوڑتے ہیں مشکیں بھر
لگے ہے دینے کوئی اُٹھ کے اذاں
کوئی دکھاوے ہے کھول کر قرآں
ڈالے ہے کوئی چھپر اپنے کاٹ
کوئی پھرے سر دھرے کھٹولا کھاٹ
اِن کے باورچی خانے کا احوال
چولھے ہر گھر کے جب کریں ہیں خیال
ڈالیں ہیں سر پہ خاک ماتم سے
لکڑی جلتی ہے آتش غم سے
سینے دیگوں کے مارتے ہیں جوش
روتے ہیں ڈھانپ منھ سر پوش

روز باورچي يوں کريں فرياد
کبھي تو کچھ کرو ہمیں ارشاد

کہے! ترے بعد کر کے کھاویں گے
کسب جب اپنا بھول جاویں گے

کي زمانے نے لاکھ ھي تدبير
نہ ملا دیگچے سے یاں کفگیر

کرے سو عید گنبد گرداں
نہ تلے اِن کے گھر سے پر رمضاں

الغرض مطبخ اِس گھرانے کا
رشک ھے آبدار خانے کا

جس سے طوفان نے کیا تھا ظہور
اِن کي نانی کے گھر کا تھا وہ تنور

ایک ندیدہ پیٹو

ھے عجیب و غریب زیر سما
اک یہاں صورت آشنا میرا

کھیئے اس کے تئیں قسم کھا کر
امت دانیال پیغمبر

شاہ قانع اگر ولي ھو فقیر
اس کو مانے کبھی نہ یہ بے پیر

دھر نے یہ بڑی حماقت کي
اپنے گھر اس کي لا ضیافت کي

لاکر ایسا هي ایک دستر خواں
طول و عرض اس کا کیا کروں میں بیاں

شرق سے تا بہ غرب بچھوایا
اس پہ تنہا اسی کو بٹھلایا

اس پہ نعمات دق جہاں تک تھے
یاں سے آگے وہ اس کے واں تک تھے

اِس میں کچھ اُس سے ہوگئي آن بن
اس کو اُٹھوا دیا پکڑ گردن

هاتھ بھي یہ نہ ڈالنے پایا
چاٹتا ہونٹ اپنے گھر آیا

کنکری چننے پر هے اب گزران
معدہ اس کا هے مرغ کا سنگ‌دان

سنگ ریزے تلک نہ اس سے بچے
معدے میں اس کے تو پہاڑ پچے

آدہ سیر آٹے کا خدا هے کفیل
پیٹ اس کا عمر کی هے زنبیل

گھر میں اب جس کے دیگچہ کھڑ کے
در پہ اُس کے یہ بیٹھے یوں اڑ کے

گور سے پھر جو رستم اٹھ کر آے
میت اس کی اٹھاے یا نہ اٹھاے

خوردنی کي هو جس زمیں پر باس
جمع واں کر کے اپنے هوش و حواس

بیٹھے مکھي کي طرح پے در پے
دونوں هاتھوں سے سر کو پیٹتے هے

آگ لگ کر کسی کے گھر سے دود
ایک ذرہ بھی گر کرے ہے نمود

لوگ تو دوڑیں ہیں بجھانے کو
دوڑے یہ لے رکابی کھانے کو

ہر کسی بنیے کی دکان پہ جا
اپنی باتوں میں اس کو لے ہے لگا

کام ہر وجہ اپنا کر لیوے
کلے بندر کسی طرح بھر لیوے

توڑ کھاتا ہے جاکے پا خانے
یہ بواسیر اپنی کے دانے

اس لیے ہجو خلق کرتا ہے
گالیاں کھانے تک بھی مرتا ہے

نان بائی محلہ یوں فریاد
کرے ہے یارو دیکھو یہ بیداد

چاٹے ہے چوری سے رفیدے کو
مار ڈالوں گا اس ندیدے کو

جو اسے میہماں بلاوے ہے
آفت اپنے وہ گھر پہ لاوے ہے

بیٹھتے ہی نکالے ہے یہ ذکر
پیٹ کی میرے کچھ تمھیں ہے فکر

بھوک کچھ کم ہے ان دنوں میری
روٹیاں سو پچاس اور سیری

نان با کو کہو یہ بلوا کر
جلد ان کو تنور لگوا کر

جب تلک کھانے پک نہ چکیں سارے
ان ہی کو لاکے میرے سر مارے
جب تلک کھانا آوے ہی آوے
اسی بک بک میں جان کھا جاوے
کھانا آوے تو اس طرح ٹوٹے
جیسے کوئی کسی کا گھر لوٹے
جاوے بازار کو اگر وہ لیئم
خلق سمجھے کہ پہنچی فوج غنیم
نان با ، بنیے ، کنجڑے ، حلوائی
کہیں ، آفت کدھر سے یہ آئی
جو ہے دوکان میں سو اِس کو بچے
جان یارب ہماری اِس سے بچے
بھوک میں جب ادھر یہ آتا ہے
لوگوں کو کاٹ کاٹ کھاتا ہے
چار کے کاندھے جب یہ جاوے گا
توشے کی روٹی کو بھی کھاوے گا

خواجہ میر درد

خواجہ میر نام، صحیح النسب حسینی سید ہیں، آبائی سلسلہ حضرت امام عسکری سے ملتا ہے اور مادری سلسلہ غوث اعظم تک پہونچتا ہے، والد کا نام خواجہ ناصر اور تخلص "عندلیب" تھا پرانی دہلی میں سکونت تھی -

خواجہ ناصر کے والد فارغ التحصیل ہوکر بخارا سے ہندوستان آے، عالمگیر اورنگ زیب کا عہد تھا خواجہ میر "درد" سنہ ۱۱۳۳ھ میں پیدا ہوے۔ اپنے والد سے درسیات پڑھیں۔ ان کی تصانیف سے معلوم ہوتا ہے کہ رسمی طور پر تحصیل علم نہیں کیا تھا بلکہ کمال اور تبحر حاصل تھا - ان کا خاندان ایک مشہور صوفی خاندان تھا - سوز و گداز تصوف کے ساتھ شاعری بھی ان کو ارث میں ملی تھی -

میر "درد" ابتدائے جوانی میں ۲۸ برس کی عمر تک اسباب دنیا کی فراہمی کی طرف متوجہ رہے اور اس راہ کے کانٹوں سے ان کا پاے طلب فگار بھی ہوا، لیکن ۲۰ سال کی عمر میں وہ ان سے اپنا دامن چھڑا کر گوشۂ توکل میں بیٹھ گئے - خواجہ ناصر کی وفات کے بعد ۲۹ سال کی عمر میں اُن کے سجادہ نشین ہوئے اور آستانۂ توکل و بے نیازی مرکر چھوڑا، دہلی میں انقلاب سلطنت کا طوفان شرافت کے بڑے بڑے ستونوں کو بہا لے گیا، وطن پرست، غریب الدیار ہو گئے۔ لیکن خواجہ صاحب کے پائے استقلال کو جنبش نہ ہوئی، یہاں تک

کہ حملہ نادری کا بادل امنڈ امنڈ کر برسا اور برس کر کھل گیا لیکن ان کے استقلال کا دامن تر نہ ہوا -

" میر درد " کو موسیقی میں وہ کمال حاصل تھا کہ مشہور اور معروف استاد گویے آپ سے استفادہ کرتے تھے، ان کی غزلیات میں جو ترنم ہے وہ ان کے اِسی کمال کا نتیجہ ہے - ان کے یہاں ہر مہینے کی بارھویں اور چوبیسویں تاریخوں میں مجلس سماع منعقد ہوتی تھی جس میں گانے والے بے بلائے آتے اور اپنی خوشی چلے جاتے تھے، میر ''درد'' کے شاعرانہ کمال کا اعتراف ان کے معاصرین کو بھی تھا - میر تقی '' میر '' سا نازک دماغ شاعر اپنے تذکرے میں ان کی شاعری کی بڑی تعریف کرتا ہے میر " حسن " نے اپنے تذکرے میں میر '' درد " کی شاعری کی انتہائی تعریف کی ہے اور ان کی پیروی کا صاف طور پر اعتراف کیا ہے - " سودا " کا سا باکمال شاعر '' درد " کی غزل کے جواب میں غزل کہنا بے ادبی سمجھتا ہے اور کہتا ہے :—

" سودا " بدل کے قافیہ تو اس غزل کو لکھ

اے بے ادب تو درد سے بس دو بدو نہ ہو

اس کمال شاعری کے باوجود کہتے ہیں کہ ''شاعری ایسا کمال نہیں ہے جس کو کوئی اپنا پیشہ بنائے اور اس پر ناز کرے'' نالۂ درد میں اپنی شاعری کے متعلق لکھتے ہیں :—

فقیر کے اشعار با وجود رتبۂ شعری کے پیشۂ شاعری اور نتیجۂ ظاہری کے نتائج نہیں ہیں - فقیر نے شعر کبھی آورد سے موزوں نہیں کیا اور نہ اس میں مستغرق ہوا - کبھی کسی کی مدح نہیں کی، نہ ہجو لکھی، اور فرمایش سے شعر نہیں کہا -

خواجہ صاحب میں استغنا اور دنیا سے بے پروائی جو لازمۂ تصوف ہے بدرجہ اتم موجود تھی، اس کے ساتھ حد درجہ مہذب اور متین تھے -

خواجہ صاحب کے شاگردوں میں قیام الدین "قائم" ہدایت اللہ خاں "ہدایت" ثناء اللہ خاں "فراق" غلام قادر "سامي" کا نام لیا جاتا ہے - اِن میں قائم کا درجہ بہت بلند ہے -

آزاد نے آب حیات میں لکھا ہے :—

"خواجہ میر "درد" کي غزل سات شعر نو شعر کي ہوتی ہے مگر انتخاب ہوتی ہے، خصوصاً چھوٹي چھوٹی بحروں میں جو اکثر غزلیں کہتے ہیں گویا تلواروں کي آبداری نشتر میں بھر دیتے ہیں" اردو تغزل کے جام میں تصوف کے ساتھ ترنم کي مستی بھرنے والے سب سے پہلے خواجہ صاحب ہیں، وہ پہلے شاعر ہیں جن کے فیض توجہ نے اردو تغزل کو محبوب حقیقی کے حسن و کرشمہ کا جلوہ گاہ بنا دیا ہے - خواجہ صاحب کی قدرت، دیکھئے انھوں نے جو لفظ جہاں استعمال کیا ہے اس طرح کہ اس کو اپنی جگہ سے نکال دیجئے تو پورے شعر میں کمی محسوس ہونے لگے -

خواجہ صاحب کے مختصر دیوان کي منتخب غزلوں میں اخلاق، تصوف، کیفیات قلبي - واردات حسن و عشق سبھي کچھ موجود ہے -

خواجہ صاحب نے تغزل کی بنیاد "عشق حلال" پر رکھی ہے - امرد پرستي، بوالہوسی سے اس کے دامن کو داغدار نہیں کیا ہے - اُن کي غزل کا عام موضوع عشق حقیقي ہے لیکن جب کبھي عشق مجازي بیان کرتے ہیں تو بھی عشق کا نہایت بلند معیار پیش نظر رکھتے ہیں - خود فرماتے ہیں "بوالہوسي عشق مجازي نہیں اور اس مجاز

کو حقیقت کي راہ نہیں کہہ سکتے ، پیر کي محبت وہ عشق مجازي ہے جو مطلوب حقیقي تک پہونچا دیتي ہے ''

ان کی تصانیف اسرارالصلوٰۃ - واردات درد (اس میں ایک سو گیارہ رسالے ہیں) نالۂ درد ، آہ سرد ، درد دل - سوز دل - شمع محفل - علم‌الکتاب - دیوان فارسي - دیوان اردو - کے دیکھنے سے ان کے فضل و کمال بلکہ علمي تبحر کا پتا چلتا ہے -

غزلوں کے علاوہ میر '' درد '' کی رباعیاں بھي اردو شاعري میں خاص مرتبہ رکھتی ہیں - انھوں نے اپنی رباعیوں میں بھی صوفیانہ ، عاشقانہ اور اخلاقي مضامین نہایت پر اثر انداز میں بیان کیے ہیں -

شیریں اور فصاحت میر '' درد '' کی زبان کے خاص جوہر ہیں ، اُن کا کلام نامانوس تراکیب - ثقیل الفاظ ، لفظي و معنوي تعقیدات بعیدالفہم استعارات اور دور از قیاس تشبیہات سے تقریباً بالکل پاک ہے - خواجہ صاحب نے ۶۱ سال کی عمر میں ۲۴ صفر سنہ ۱۱۹۹ھ کو جمعہ کے دن وفات پائی - ایک مرید نے تاریخ کہي

حیف دنیا سے سدھارا وہ خدا کا محبوب

مزار ترکمان دروازہ دہلی میں ہے -

انتخاب

مقدور ہمیں کب ترے وصفوں کے رقم کا
حقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا
مانند حباب آنکھ تو اے "درد" کھلی تھی
کھینچا نہ پر اس بحر میں عرصہ کوئی دم کا

باہر نہ ہو سکی تو، قید خودی سے اپنی
اے عقل بے حقیقت، دیکھا شعور تیرا
جھکتا نہیں ہمارا دل تو کسی طرف یاں
جی میں بھرا ہوا ہے از بس غرور تیرا
اے "درد" منبسط ہے ہر سو کمال اس کا
نقصان گر تو دیکھے تو ہے قصور تیرا

وائے نادانی کہ وقت مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا، جو سنا، افسانہ تھا
ہوگیا مہماں سرائے کثرت موہوم، آہ
وہ دل خالی کہ تیرا خاص خلوت خانہ تھا

میں اپنا درد دل چاہا، کہوں، جس پاس عالم میں
بیاں کرنے لگا قصہ وہ اپنی ہی خرابی کا

گرچہ وہ خورشید رو نت ہے مرے سامنے
تو بھی میسر نہیں، بھر کے نظر دیکھنا

ہم جانتے نہیں ہیں اے "درد" کیا ہے کعبہ
جیدھر پھرے وہ ابرو، اودھر نماز کرنا

ساقی مرے بھی دل کی طرف، ٹک نگاہ کر
لب تشنۂ تیری بزم میں، یہ جام رہ گیا
ہم کب کے چل بسے تھے، پر اے مژدۂ وصال
کچھ آج ہوتے ہوتے سر انجام رہ گیا

جگ میں آکر اِدھر اُدھر دیکھا
تو ہی آیا نظر، جدھر دیکھا
ان لبوں نے نہ کی مسیحائی
ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

شیخ کعبے ہوکے پہونچا، ہم کنشت دل میں ہو
"درد" منزل ایک تھی، کچھ راہ ہی کا پھیر تھا

میں جاتا ہوں دل کو ترے پاس چھوڑے
مری یاد تجھ کو دلاتا رہے گا
گلی سے تری، دل کو لے تو چلا ہوں
میں پہونچوں گا جب تک یہ آتا رہے گا
جفا سے غرض، امتحان وفا ہے
تو کہہ کب تلک آزماتا رہے گا

شدت مہر بتاں، دل سے آہ
"درد" کس طرح سے کم کیجئے گا

آپ سے ہم گذر گئے کب کے
کیا ہے ظاہر میں گو سفر نہ کیا

قتل عاشق، کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا
پر ترے عہد کے آگے تو یہ دستور نہ تھا
باوجودیکہ پر و بال نہ تھے آدم کے
واں یہ پہونچا کہ فرشتے کا بھی مقدور نہ تھا
محتسب آج تو میخانوں میں تیرے ہاتھوں
دل نہ تھا کوئی کہ شیشے کی طرح چور نہ تھا
"درد" کے ملنے سے اے یار برا کیوں مانا
اس کو کچھ اور سوا دید کے منظور نہ تھا

جگ میں کوئی نہ ٹک ہنسا ہوگا
کہ نہ ہنسنے میں رو دیا ہوگا
ان نے قصداً بھی میرے نالے کو
نہ سنا ہوگا گر سنا ہوگا
دل کے پھر زخم تازہ ہوتے ہیں
کہیں غنچہ کوئی کھلا ہوگا
دل بھی اے "درد" قطرۂ خوں تھا
آنسوؤں میں کہیں گرا ہوگا

تو اپنے دل سے غیر کی الفت نہ کھو سکا
میں چاہوں اور کو، تو یہ مجھ سے نہ ہوسکا
دشت عدم میں جاکے نکالوں کا جی کا غم
کنج جہاں میں کھول کے دل، میں نہ روسکا
جوں شمع روتے روتے ہی گذری تمام عمر
تو بھی تو "درد" داغ جگر کو نہ دھوسکا

کچھ ہے خبر تجھے بھی کہ اٹھ اٹھ کے رات کو
عاشق تری گلی میں کئی بار ہوگیا
بیٹھا تھا خضر آکے مرے پاس ایک دم
گھبرا کے اپنی زیست سے بیزار ہوگیا

تم نے تو ایک دن بھی نہ ایدھر گذر کیا
ہم نے ہی اس جہان سے آخر سفر کیا

جن کے سبب سے دیر کو تونے کیا خراب
اے شیخ ان بتوں نے مرے دل میں گھر کیا

ہرچند کئے ہزار نالے
پر دل سے نہ اضطراب نکلا
میخانۂ عشق میں تو اے "درد"
تجھ سا نہ کوئی خراب نکلا

مانند فلک، دل متوطن ہے سفر کا
معلوم نہیں اس کا ارادہ ہے کدھر کا

سینۂ و دل حسرتوں سے چھا گیا
بس ہجوم یاس! جي گھبرا گیا
کھل نہیں سکتی ہیں اب آنکھیں مری
جي میں یہ کس کا تصور آ گیا

پھرتي ہے میري خاک صبا در بدر لئے
اے چشم اشکبار! یہ کیا تجھ کو ہوگیا

تجھی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا
برابر ہے، دنیا کو دیکھا نہ دیکھا

یگانہ ہے تو' آہ بیگانگی میں
کوئی دوسرا اور ایسا نہ دیکھا
کیا مجھ کو داغوں نے سرو چراغاں
کبھو تونے آکر تماشا نہ دیکھا
حجاب رخ یار تھے آپ ہم ہی
کھلی آنکھ جب' کوئی پردا نہ دیکھا

اب دل کو سنبھالنا ہے مشکل
اگلے دنوں کچھ، سنبھل گیا تھا
میں سامنے سے جو مسکرایا
ہونٹھ اس کا بھی "درد" ہل گیا تھا

"درد" ہم اس کو تو سمجھائیں گے پر
اپنے تئیں آپ بھی سمجھائیے گا

تمنا مرخص' ہوئی نا امیدی
یہ کیا ہوگیا اور مرے دل میں کیا تھا
تم آکو جو پہلے ہی مجھ سے ملے تھے
نگاہوں میں جادو سا کچھ کردیا تھا

تو ہووے جہاں مجھ کو بھی ہونا وہیں لازم
تو گل ہے مری جان' تو میں خار ہوں تیرا

یوں وعدے ترے دل کی تسلی نہیں کرتے
تسکین تبھی ہوگی تو جس آن ملے گا

مرے دل کو جو تو ہردم، بھلا اتنا تنتولے ہے
تصور کے سوا ترے بتا تو اس میں کیا نکلا

تیرے کہنے سے میں از بسکہ باہر ہو نہیں سکتا
ارادہ صبر کا کرتا تو ہوں پر ہو نہیں سکتا
دل آوارہ اُلجھے یاں، کسوکي زلف سے یارب
علاج آوارگی کا اس سے بہتر ہو نہیں سکتا

تو ہی نہ اگر ملا کرے گا ‏ عاشق، پھر جي کے کیا کرے گا
اپنی آنکھوں سے، اسے میں دیکھوں ‏ ایسا بھی کبھو خدا کرے گا

حال یہ کچھ، تو ہے اب دل کی توانائی کا
کہ یہ طاقت نہیں، لوں نام شکیبائي کا

کہاں کا ساقي اور مینا کدھر کا جام و مے خانا
مثال زندگي بھر لے! اب اپنا آپ پیمانا
کسو سے کیا بیاں کیجئے اس اپنے حال ابتر کو
دلِ اُس کے ہاتھ دے بیٹھے، جسے جانا نہ پہچانا

نظر جب دل پہ کي دیکھا تو مسجود خلائق ہے
کوئی کعبہ سمجھتا ہے، کوئی سمجھے ہے بت خانا

کچھ کشش نے تري، اثر نہ کیا تجھ کو اے انتظار دیکھ لیا

مرنا ھي لکھا ہے مری قسمت میں عزیزاں
گر زندگی ہوتی تو یہ آزار نہ ہوتا

ناصح میں دین و دل کے تئیں، اب تو کھو چکا
حاصل نصیحتوں سے جو ہونا تھا ہو چکا

ہم نے چاھا بھي تو اس کوچے سے آیا نہ گیا
واں سے جوں نقش قدم دل تو اٹھایا نہ گیا

موت ہے آسائش افتاد گاں
چشم نقش پا کو مت جانا ہے خواب

جائیے کس واسطے اے "درد" مےخانے کے بیچ
اور ھي مستی ہے اپنے دل کے پیمانے کے بیچ

تجھ کو نہیں ہے دیدۂ بینا، وگرنہ یاں
یوسف چھپا ہے اُن کے، ہر پیرھن کے بیچ

"درد" جو آتا نہیں اب تو نظر ظاہر کے بیچ
چھپ رہا ہوگا کسو کے گوشۂ خاطر کے بیچ

میں کس طرح بتوں کے سر سامنے جھکا دوں
دل تو دماغ اپنا کھینچے ھے اسماں پر
کب اختیار اپنا جوں گل ھے اس چمن میں
گل‌چیں سے کیا چلے ھے کیا زور باغباں پر

جان کو آنے دے لب تک نزع میں کب تک رھوں
دشمنی مجھ سے نہ کر اے ناتوانی اس قدر
کیا کہوں دل کا کسو سے قصۂ آوارگی
کوئی بھی بے ربط ہوتی ھے کہانی اس قدر

آنکھیں تو آنسوؤں سے کبھي تر ھوئیں نہیں
ٹک تو ھي اے جبیں ! عرق انفعال کر
حیرت ھے یہ کہ تجھ سے ستم‌گر کے ھاتھ میں
آنکھوں نے دل کو کیونکہ دیا دیکھ بھال کر
اے " درد " کر تک آئینہ دل کو صاف تو
پھر ھر طرف نظارہ حسن و جمال کر

اور تو چھوٹ گئے مرکے بھی اے کنج قفس
ایک ھم ھی رھے ھر طرح گرفتار ھنوز

یار جاتا تو رہا نظروں سے کب کا لیکن
دل میں پھرتی ہے مرے ''درد'' وہ رفتار ہنوز

کعبے میں ''درد'' آپ کو لایا ہوں کھینچ کر
دل سے گیا نہیں ہے خیال بتاں ہنوز

جو کہ ہونا تھا دل پہ ہو گذرا
نہ کر اے ''درد'' بار بار افسوس

جوش جنوں کے ہاتھ سے فصل بہار میں
گل سے بھی ہو سکی نہ گریباں کی احتیاط
داغوں کی اپنے کیوں نہ کرے ''درد'' پرورش
ہر باغباں کرے ہے گلستاں کی احتیاط

پیغام پاس بھیج نہ مجھ بے قرار تک
ہوں نیم جان' سو بھی ترے انتظار تک
صید اب رہائی سے کیا مجھ اسیر کو
پھر کس کو زندگی کی توقع بہار تک

سب خون دل' ٹپک ہی گیا بوند بوند کر
اے ''درد'' بس ! کہ عشق سے میں تھا شکستہ دل

پاني پر نقش کب هے ایسا — جیسے نا پائدار هیں هم
ساقی! کیدهر هے کشتي مے؟ — اب کے کهیوے میں پار هیں هم
اپنے ملنے سے منع مت کر — اس میں بے اختیار هیں هم

جوں نور نظر ترا تصور — تها پیش نظر، جدهر گئے هم
کس نے یہ همیں بهلا دیا هے — معلوم نهیں کدهر گئے هم
جس طرح هوا، اسی طرح سے — پیمانہ عمر بهر گئے هم

کچهہ لائے نہ تهے کہ کهو گئے هم
تهے آپ هي ایک، سو، گئے هم
هستی نے تو تک جگا دیا تها
پهر کهلتے هی آنکهہ سو گئے هم

هے کس؟ جوں شعلہ، ظالم! آہ تاب انتظار
جب تلک دیکهے ادهر تو، یاں گزر جاتے هیں هم

گلیم بخت سیہ سایہ، دار رکهتے هیں
یهي بساط میں هم خاکسار رکهتے هیں
همارے پاس هے کیا؟ جو کریں فدا تجهہ پر
مگر یہ زندگی مستعار رکهتے هیں
بتوں کے جبر اتهائے هزار ها هم نے
جو اس پہ بهی نہ ملیں اختیار رکهتے هیں

نہ برق ہیں ، نہ شرر ہم، نہ شعلہ ، نے سیماب
وہ کچھ ہیں پر کہ سدا اضطرار رکھتے ہیں

——

کھینچے ہے دور آپ کو ، میری فروتنی
افتادہ ہوں پہ سایۂ قد کشیدہ ہوں

——

احوال دوعالم ہے مرے دل پہ ہویدا
سمجھا نہیں تاحال کہ اپنے تئیں کیا ہوں
آواز نہیں قید میں زنجیر کی ، ہرگز
ہر چند کہ عالم میں ہوں عالم سے جدا ہوں
ہوں قافلہ سالار طریق قدما "درد"
جوں نقش قدم خلق کو میں راہ نما ہوں

——

نہ ہم غافل ہی رہتے ہیں نہ کچھ آگاہ ہوتے ہیں
انہیں طرحوں میں ہم ہردم، فنافی اللہ ہوتے ہیں

——

تو مجھ سے نہ رکھ غبار جی میں
آوے بھی اگر ہزار جی میں
یوں پاس بٹھا جسے تو چاہے
پر جاگہ نہ دیجیو یار جی میں

——

کچھ مرتبہ ہے اور وہ فہمید سے پرے
سمجھے ہیں جس کو یار وہ اللہ ہی نہیں
اے "درد" مثل آئینہ ڈھونڈھ اس کو آپ میں
بیرون در تو اپنے قدم گاہ ہی نہیں

نا خانۂ خدا ہے، نہ ہے یہ بتوں کا گھر
رہتا ہے کون اس دل خانہ خراب میں
میں اور "درد" مجھ سے خریداری بتاں
ہے ایک دل بساط میں سو کس حساب میں

ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں
دل ہی نہیں رہا ہے جو کچھ آرزو کریں
تر دامنی پہ شیخ ہمارے نہ جا ابھی
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں
سر تا قدم زبان ہیں جوں شمع گو کہ ہم
پر یہ کہاں مجال جو کچھ گفتگو کریں
ہرچند آئینہ ہوں پر اتنا ہوں نا قبول
منھ پھیر لے وہ، جس کے مجھے رو برو کریں

اُن نے کیا تھا یاد مجھے بھول کر کہیں
پاتا نہیں ہوں تب سے میں اپنی خبر کہیں

اس کو سکھلائی یہ جفا تو نہیں   کیا کیا اے میری وفا تو نہیں

تیرا ہی حسن جگ میں ہر چند موج زن ہے
تس پر بھی تشنہ کام دیدار ہیں تو ہم ہیں

جمع میں افراد عالم ایک ہیں
گل کے سب اوراق برہم ایک ہیں
متفق آپس میں ہیں اہل شہود
"درد" آنکھیں، دیکھو، باہم ایک ہیں

ہمارے اتنی ہی تقصیر ہے کہ اے زاہد
جو کچھ ہے دل میں ترے، ہم وہ فاش کرتے ہیں

آہ معلوم نہیں ساتھ سے اپنے شب و روز
لوگ جاتے ہیں چلے سو یہ کدھر جاتے ہیں
تا قیامت نہیں ٹلنے کا دل عالم سے
"درد" ہم اپنے عوض چھوڑے اثر جاتے ہیں

دونوں عالم سے کچھ پرے ہے نظر
آہ کس کا دل؟ و دماغ ہوں میں

میں ہوں گل‌چینِ گلستانِ خلیل
آگ میں ہوں پہ باغ باغ ہوں میں

دامن دشت ہے پر، لالۂ و گل سے یارب
خون عاشق بھي کہیں ہو وے بہار دامن
عالم آب میں جوں آئینۂ ڈوبا ھي رھے
تو بھی دامن نہ کیا "درد" نے تر پانی میں

مجھے در سے اپنے تو ٹالے ھے، یہ بتا مجھے تو کہاں نہیں
کوئی اور بھي ھے ترے سوا تو اگر رھے ھے یہاں نہیں
مرے دل کے شیشے کو بے وفا تونے ٹکڑے ٹکڑے جو کر دیا
مرے پاس تو وھی ایک تھا، یہ دکان شیشہ گراں نہیں

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کرو بیاں

نزع میں تو ہوں ولے ترا گلہ کرتا نہیں
دل میں ھے وہ ھی وفا، پر جی وفا کرتا نہیں
عشرہ و نازو کرشمہ ھیں سبھی جاں بخش لیک
" درد " مرتا ھے، کوئی اس کي دوا کرتا نہیں

پھرے جوں سایہ ہم تجھ بن، ادھر اودھر بھٹکتے ہیں
جہاں جائیں قدم رکھیں تو پہلے سر پٹکتے ہیں

آہ پردہ تو کوئی مانع دیدار نہیں
اپنی غفلت کے سوا کچھ در و دیوار نہیں
"درد" یاں دو ہی پیالوں پہ قناعت کیجیے
خانۂ چشم ہے یہ خانۂ خمار نہیں

زندگی جس سے عبارت ہے، سو وہ زیست کہاں
یوں تو کہنے کو اثر کہہ دے کہ ہاں جیتے ہیں
بعد مرنے کے بھی وہ بات نہیں آتی نظر
جس توقع پہ کہ اب لوگ یہاں جیتے ہیں

دل تو سنبھالے سنبھلتا ہی نہیں
کہئے سودائی، تو سودا ہی نہیں

صاحبو کیا کیا ملی ہیں خاک میں
ہے دفینہ حسن کا یہ زمیں

وہ نگاہیں جو چار ہوتی ہیں
برچھیاں دل کے پار ہوتی ہیں

یہ رات شمع سے کہتا تھا "درد" پروانہ
کہ حال دل کہوں گر جان کی اماں پاؤں

سیر کر دنیا کی غافل! زندگانی پھر کہاں
زندگی گر کچھ رہی تو نوجوانی پھر کہاں

کب دھن میں ترے سمائے سخن
نہیں تیرے دھن میں جائے سخن
شعر میں میرے دیکھنا مجھ کو
ہے مرا آئینہ صفائے سخن

کرے ہے مست نگاہوں میں ایک عالم کو
لئے پھرے ہے یہ ساقي شراب آنکھوں میں

ہردم بتوں کی صورت رکھتا ہے دل نظر میں
ہوتي ہے بت پرستي اب تو خدا کے گھر میں

نہیں ہم کو تمنا یہ فلک ہو' تا فلک پہونچیں
یہي ہے آرزو دل کي ترے قدموں تلک پہنچیں

نزع میں ہوں پہ وهي نالے کئے جاتا ہوں
مرتے مرتے بھي ترے غم کو لئے جاتا ہوں

افسوس اہل دید کو گلشن میں جا نہیں
نرگس کی گو کہ آنکھیں ہیں پر سوجھتا نہیں

شیخ میں رشک بے گناہی ہوں　　مورد رحمت الٰہی ہوں

مانع نہیں ہم، وہ بت خود کام کہیں ہو
پر اس دل بے تاب کو آرام کہیں ہو
خورشید کے مانند پھروں کب تئیں یارب
نت صبح کہیں ہووے مجھے شام کہیں ہو

کیا فرق داغ و گل میں، اگر گل میں بو نہ ہو
کس کام کا وہ دل ہے کہ جس دل میں تو نہ ہو

عجب عالم ہے ایدھر سے ہمیں ہستی ستاتی ہے
ادھر سے نیستی آتی ہے دوڑی عذر خواہی کو

مجلس میں بار ہووے نہ شمع و چراغ کو
لاویں اگر ہم اپنے دل داغ داغ کو

اور افزونی طلب کی بعد مرنے کے ہوئی
خاک ہونے نے کیا ہر ذرہ گرم جستجو

ملاؤں کس کی آنکھوں سے، کہو اس چشم حیراں کو
عیاں جب ہر جگہہ دیکھوں، کسي کے راز پنہاں کو

نگینے کے سوا کوئي بھی ایسا کام کرتا ھے
کہ ھو نام اور کا روشن اور اپنی رو سیاھي ھو
نہیں شکوہ مجھے کچھہ بے وفائي کا تری ھرگز
گلہ تب ھو، اگر تونے کسيِ سے بھي نباھی ھو

اپنے بندہ پہ جو کچھہ چاھو سو بیداد کرو
یہ نہ آجائے کہیں جی میں کہ آزاد کرو

کہنا تک اشتیاق تو رفتار یار کو
آنکھوں میں کب تلک میں رکھوں اِنتظار کو
ویسا ھي اب تلک ھے وہ دامن تو اے صبا
کیدھر لئے پھرے ھے تو میرے غبار کو

سر رشتہ نگاہ تغافل نہ توڑیو
اے ناز اس طرف سے منھہ اس کا نہ موڑیو
جاوے در قفس سے یہ بے بال و پر کہاں
صیاد ذبح کیجیو! پر اس کو نہ چھوڑیو

دل نالاں کو یاد کر کے صبا　　اتنا کہنا جہاں وہ قاتل ہو
نیم بسمل کوئی کسو کو چھوڑ　　اس طرح بیٹھتا ہے غافل ہو

ہر طرح زمانہ کے ہاتھوں سے ستم دیدہ
گر دل ہوں تو آزردہ، خاطر ہوں تو رنجیدہ

جب چاہئے کہ عقدۂ دل تجھ پہ کھو لئے
ہوتا ہے آز بان پہ، میرا سخن گرہ

کاش تا شمع نہ ہوتا گذر پروانہ
تم نے کیا قہر کیا! بال و پر پروانہ
کیوں اُسے آتش سوزاں میں لئے جاتی ہے
سوجھتا بھی ہے تجھے کچھ نظر پروانہ
شمع تو جل بجھی اور صبح نمودار ہوئی
پوچھوں اے ''درد'' میں کس سے خبر پروانہ

خوش خرامی ادھر بھی کیجے گا
میں بھی جوں نقش پا ہوں چشم براہ

بیگانہ گر نظر پڑے تو آشنا کو دیکھ
بندہ گر آوے سامنے تو بھی خدا کو دیکھ

خلوت دل نے کر دیا، اپنے حواس میں خلل
حسن بلائے چشم ہے، نغمہ و بال گوش ہے

ہو وے تو درمیان سے اپنے تئیں اٹھائیے
بار نہیں ہے اور کچھ سر ہی و بال دوش ہے

نالۂ و آہ کیجئے خون جگر ہے پیجئے
عہد شباب، کہتے ہیں موسم ناؤ نوش ہے

محنت و رنج غم سے یاں "درد" نہ جی چھپائیے
بار سبھی اُٹھائیے جب تئیں سر ہے، دوش ہے

دل مرا پھر دکھا دیا کس نے   سو گیا تھا جگا دیا کس نے

اہل فنا کو نام سے ہستی کے ننگ ہے
لوح مزار بھی مری چھاتی پہ سنگ ہے

عالم سے اختیار کی، ہر چند صلح کل
پر اپنے ساتھ مجھ کو شب و روز جنگ ہے

ہوں کشتہ تغافل ہستی بے ثبات
خاطر سے کون کون نہ اس نے بھلا دئے

چاہو وفا کرو، نہ کرو اختیار ہے
خطرے جو اپنے جی میں تھے وہ سب اٹھا دئے

سیلاب اشک گرم نے اعضا میرے تمام
اے "درد" کچھ بہا دئے اور کچھ جلا دئے

قاصد سے کہو پھر خبر اودھر هي کو لے جائے
یاں بے خبری آگئی جب تک خبر آوے
لوٹتی ھے تری گنج شہیداں کو غریبي
جي دینے کو ظالم کوئی کس بات پر آوے

چھاتی پہ گر پہاڑ بھي هو وے تو ٹل سکے
مشکل ھے جي میں بیٹھے سو جي سے نکل سکے
نشو و نما کي کس کو امید اے بہار یاں
میں خشک شاخ هوں کہ نہ پھولے نہ پھل سکے

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے
میرا هی دل ھے وہ کہ جہاں تو سما سکے
وحدت میں تیري حرف دوئي کا نہ آ سکے
آئینہ کیا مجال تجھے منھ دکھا سکے
میں وہ فتادہ هوں کہ بغیر از فنا مجھے
نقش قدم کي طرح نہ کوئی اٹھا سکے
غافل خدا کی یاد پہ مت بھول زینہار
اپنے تئیں بھلا دے اگر تو بھلا سکے
اخفائے راز عشق نہ هو آب اشک سے
یہ آگ وہ نہیں جسے پانی بجھا سکے
گو بحث کر کے بات بٹھائي پہ کیا حصول
دل سے اٹھا خلاف اگر تو اٹھا سکے

طریق اپنے پہ اک دور جام چلتا ھے
وگر نہ جو ھے سو گردش میں ھے زمانے کی
جفا و جور اٹھانے پڑے زمانے کے
ہوس تھی جی میں کسو ناز کے اٹھانے کی

کوئي بھي دوا اپنے تئیں راس نہیں ھے
جز وصل ' سو ملنے کي ھمیں آس نہیں ھے
زنہار ادھر کھو لیو مت چشم حقارت
یہ فقر کی دولت ھے کچھ افلاس نہیں ھے
بے فائدہ انفاس کو ضائع نہ کر اے " درد "
ھردم دم عیسیٰ ھے تجھے پاس نہیں ھے

اگر جو بلا آئي تھي سو دل پہ ٹلي تھی
اب کی تو مری جان ھي پر آن بنی ھے

آتش عشق جي جلاتي ھے یہ بلا جان ھی پہ آتي ھے
تو ھے اور سیر باغ ھے ھروقت داغ ھیں اور میری چھاتی ھے

ھے غلط گر گمان میں کچھ ھے
تجھ سوا بھي جہان میں کچھ ھے
دل بھی تیرے ھی ڈھنگ سیکھا ھے
آن میں کچھ ھے آن میں کچھ ھے

"درد" تو جو کرے ہے جی کا زیاں
فائدہ اس زیان میں کچھ ہے

خواب عدم سے چونکے تھے ہم تیرے واسطے
آخر کو جاگ جاگ کے ناچار سو گئے
تیری گلی ہے یا کوئی آرام گاہ ہے
رکھتے قدم کے پاؤں تو ہر بار سو گئے
وے مر چکے جو رونق بزم جہان تھے
اب اٹھیے "درد" یاں سے کہ سب یار سو گئے

جوں سخن اب یاد اک عالم رہے
زندگانی تو چلی جا! ہم رہے
رک نہیں سکتی ہے یاں کی واردات
کب یہ ہو سکتا ہے دریا تھم رہے
رکھ "نفخت فیہ من روحی" کو یاد
جب تلک اے "درد" دم میں دم رہے

ہرآن ہے واردات دل پر آتا ہے یہ قافلہ کہاں سے

نہ ہاتھ اٹھائے فلک گو ہمارے کینے سے
کسے دماغ کہ ہو دو بدو کمینے سے

مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ تو نہ مرجاوے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے
بسا ہے کون ترے دل میں گل بدن اے "درد"
کہ بو گلاب کی آتی ترے پسینے سے

جي کي جی ھي میں رھي، بات نہ ھونے پائي
ایک بھی اُس سے ملاقات نہ ھونے پائی
اتھ چلے شیخ جی تم مجلس رنداں سے شتاب
ھم سے کچھ خوب مدارات نہ ھونے پائی

مت عبادت پہ پھولیو زاھد
سب طفیل گناہ آدم ھے
نہ ملیں گے اگر کہے گا تو
تري خاطر ھمیں مقدم ھے

مجھ سے ھر چند تو مکدر ھے
تجھ سے پر اور ھي صفا ھے مجھ
"درد" تیرے بھلے کو کہتا ھوں
یہ نصیحت سے مدعا ھے مجھ

ورنہ ان بے مروتوں کے لئے اور بھي ھو خراب کيا ھے مجھے

سو مرتبہ یوں ٹھہر چکی ' اب سے نہ ملئے
وہ بھی تو نہیں بنتي ھے ' کیا کیجئے اُس سے

واقف نہ یاں کسو سے ھم ھیں نہ کوئی ھم سے
یعني کہ آ گئے ھیں بھکے ھوے عدم سے
گر چاھئے تو ملئے اور چاھئے نہ ملئے
سب تم سے ھو سکے ھے ممکن نہیں تو ھم سے

خدا جانے کیا ھوگا انجام اس کا
میں بے صبر اتنا ھوں وہ تند خو ھے
تمنا ھے تیري اگر ھے تمنا
تري آرزو ھے اگر آرزو ھے
غنیمت ھے یہ دید وا دید یاراں
جہاں مند گئي آنکھ میں ھوں نہ تو ھے
نظر میرے دل کی پڑی "درد" کس پر
جدھر دیکھتا ھوں وھي رو برو ھے

رو ندے ھے نقش پا کي طرح خلق یاں مجھے
اے عمر رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے

اے گل تو رخت باندھ اٹھاؤں میں آشیاں
گلچیں تجھے نہ دیکھ سکے ، باغباں مجھے
رہتی ہے کوئی بن کہے میرے تئیں تمام
جوں شمع چھوڑ نے کی نہیں یہ زباں مجھے

کب ترا دیوانہ آوے قید میں تدبیر سے
جوں صدا نکلا ہی چاہے خانۂ زنجیر سے
دیکھنا تو آکے از خود رفتگاں کا حال تک
جا بجا سب پشت بر دیوار ہیں تصویر سے
"درد" اب ہنستے ہیں رونے پر مرے ، سب خاص و عام
کیا ہوے وہ نالے جو لگتے تھے دل میں تیر سے

ہم چشمی ہے وحشت کو مری چشم شرر سے
آتے ہی نظر پھر وہیں غائب ہو نظر سے
جاؤں میں کدھر جوں گل بازی مجھے گردوں
جانے نہیں دیتا ہے اِدھر سے نہ اُدھر سے
اس طرح کے رونے سے تو جی اپنا رکے ہے
اے کاش یہ ابر مژہ دل کھول کے برسے

پھر موت کسی طرح تو نزدیک نہ پھٹکے
دنیا میں یہ جینے کا جو آزار نہ ہووے

کبھو ھي جي میں نہ گذرا خیال سر تابي
بہ‌رنگ سایہ بنایا ھے خاکسار مجھے
اس امر میں بھی یہ بے اختیار ھے بندہ
ملا ھے "درد" اگر یاں یہ اختیار مجھے

دیکھئے جس کو یاں اُسے، اور ھي کچھ دماغ ھے
کرمک شب چراغ بھي گوھر شب چراغ ھے
غیر سے کیا معاملہ؟ آپ ھیں اپنے دام میں
قید خودي نہ ھو اگر، پھر تو عجب فراغ ھے
حال کبھو تو پوچھئے میں جو کہوں، سو کیا کہوں
دل ھے، سو ریش ریش ھے، سینہ، سو داغ داغ
پائے کس روش بتا! اے بت بے وفا تجھے
عمر گذشتہ کی طرح گم ھی سدا سراغ ھے
"درد" وہ گل بدن مگر تجھ کو نظر پڑا کہیں
آج تو اس قدر بتا کس لئے باغ باغ ھے

پہلو میں دل تپاں نہیں ھے ھرچند کہ یاں ھے، یاں نہیں ھے
عالم ھو قدیم، خواہ حادث جس دم نہیں ھم، جہاں نہیں ھے
ڈھونڈھے ھے تجھے تمام عالم ھر چند کہ تو نہیں ھے
عنقا کي طرح میں کیا بتاؤں جز نام مرا نشاں نہیں ھے

فریاد کہ "درد" جب تلک میں تیار ہوں، کارواں نہیں ہے

ہم نشیں پوچھ نہ اس شوخ کی خوبی مجھ سے
کیا کہوں تجھ سے غرض جی کو مرے بھاتا ہے

یہ تحقیق ہے یا کہ افواہ ہے
کہ دل کے تئیں دل سے یاں راہ ہے
اگر بے حجابانہ وہ بت ملے
غرض پرا تو اللہ ہي اللہ ہے
گئے نالۂ و آہ سب ہم نفس
دم سرد ہي اک ہوا خواہ ہے

مجھ کو تجھ سے جو کچھ محبت ہے
یہ محبت نہیں ہے آفت ہے
آ پھنسوں میں بتوں کے دام میں یوں
" درد " یہ بھي خدا کی قدرت ہے

تہمت چلد اپنے ذمے دھر چلے
جس لئے آئے تھے سو ہم کر چلے

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

دوستو دیکھا تماشا یاں کا بس
تم رہو اب ، ہم تو اپنے گھر چلے

ڈھونڈھتے ہیں آپ سے اس کو پرے
شیخ صاحب چھوڑ گھر باہر چلے

ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ
جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

شعر اور " درد " ہے یعنی بات میں اور جان پڑتی

جو کچھ کہ دکھاوے گا خدا دیکھیں گے ناچار
صدقے ترے اک بار تو منہ اپنا دکھاے

ہوا جو کچھ کہ ہونا کہیں کیا جی کو رو بیٹھے
بس اب اک ساتھ ہم دونوں جہاں سے ہاتھ دھو بیٹھے

کبھو رونا کبھو ہنسنا کبھو حیران ہو رہنا
محبت کیا بھلے چنگے کو دیوانہ بناتی ہے

ترچھي نظروں سے دیکھنا ہردم   یہ بھی اک بانکپن کا بانا ھے

بت‌پرستي تو یہاں دل کی گرفتاری ھے ''درد''
چاھئے جس کو لگے، اس کو صنم کہنے لگے

منظور زندگي سے، تیرا هي دیکھنا ھے
ملتا نہیں جو تو ھے، پھر کیا ھے زندگانی

ایک دم میں تو جي ہی جانا ھے
زیست اب کوئي آن ھے پیارے

تري گلی میں، میں نہ چلوں اور صبا چلے
یوں هي خدا جو چاھے تو بندے کی کیا چلے
کہہ بیٹھیو نہ ''درد'' کہ اهل وفا ہوں میں
اس بے وفا کے آگے جو ذکر وفا چلے

جتنی بڑھتی ھے اتنی گھٹتی ھے
زندگی آپ ھی آپ کٹتی ھے
آج هي آہ کي هوا کچھہ اور
دیکھئے کس طرف پلٹتي ھے

اس خانماں خراب کو لےجاؤں میں کہاں
دل پر تو یہ فضائے بیاباں بی تنگ ہے

لا گلابی دے مجھے ساقی کہ یاں مجلس ہے
خالی ہو جاے ہے پیمانے کے بھرتے بھرتے
" درد " جوں نقش قدم تا سر رہ پر اس کے
مٹ گیا اوروں ھي کے پاؤں کے دھرتے دھرتے

آیا ہے ابر اور چمن میں بہار ہے
ساقي شتاب آ کہ ترا انتظار ہے

یاں کون آشنا ہے ترا کس کو تجھ سے ربط
کہنے کو یہ بھي لوگوں کے اک بات رہ گئی

چشم رحمت سے ادھر کو بھي نظر کیجیے گا
اسي اُمید پہ آیا یہ گنہ گار بھي ہے
دل بھلا ایسے کو اے "درد" نہ دیجیے کیوں کر
ایک تو یار ہے اور تس پہ طرحدار بھی ہے

اگلے معانقے کو اگر کیجئے معاف
لگ جاؤں اب گلے سے مکافات کے لئے

غمناکی بیہودہ رونے کو ڈبوتی ہے
گر اشک بجا ٹپکے آنسو نہیں، موتی ہے
دم لینے کی فرصت یاں تک دی نہ زمانے نے
ہم تجھ کو دکھا دیتے کچھ آہ بھی ہوتی ہے
خورشید قیامت کا سر پر تو اب آ پہونچا
غفلت کو جگا دینا کس نیند یہ سوتی ہے

جو ملنا ہے مل پھر کہاں زندگانی
کہاں میں، کہاں تو، کہاں نوجوانی

"درد" اپنے حال سے تجھے آگاہ کیا کرے
جو سانس بھی نہ لے سکے سو آہ کیا کرے

آہوں کی کش مکش میں دیکھو کہیں نہ ٹوٹے
تار نفس سے اے دل وابستہ میری باں ہے

غم سے پہچانتا نہیں ہوں میں
کہ مرا سر ہے یا کہ زانو ہے

ہرچند کہ سنگ دل ہے شیریں
لیکن فرہاد کوہ کن ہے

مت جا تر و تازگی پہ اُس کی
عالم تو خیال کا چمن ہے

سیماب کشتہ کس کا ؟ ماءالحیات کیدھر
گر جی کو مار سکئے' اے "درد" کیمیا ہے

کعبہ کو بھی نہ جائیے' دیر کو بھی نہ کیجے منہ
دل میں کسو کے " درد " یاں' ہو وے تو راہ کیجئے

نے وہ بہار واں ہے ' نہ یاں ہم جواں رہے
ملئے پھر اس سے آہ پہ وہ دن کہاں رہے
دل اپنے پاس گو کبھو رہتا نہیں ہے "درد"
پر ہے یہی دعا وہ رہے خوش جہاں رہے

اگر آہ بھرئیے ' اثر شرط ہے
وگر ضبط کرئیے ' جگر شرط ہے
قدم عشق میں "درد" رکھتا ہے تو
وہ جانے کہاں ہیں' خبر شرط ہے

لخت جگر سب آنسوؤں کے ساتھ بہہ گئے
کچھ پا رہائے دل ہیں کہ پلکوں میں رہ گئے

علاج دردِ سر ، صندل ہے لیکن
ہمیں گھسنا ہی اس کا ، دردِ سر ہے

خبر اپنی لے اے گلستانِ خوبی
کرے ہے تبسم ترا گل فروشی

جگر پہ داغ نے میرے، یہ گل‌فشانی کی
کہ اس نے آپ تماشے کو مہربانی کی
ہم اتنی عمر میں دنیا سے ہو گئے بیزار
عجب ہے خضر نے کیوں کر کہ زندگانی کی

نہیں چھوڑتی قید ہستی مجھے
اگر کھینچ لے جائے مستی مجھے
زمانے نے اے "درد" جوں گرد باد
دکھائی بلندی و پستی مجھے

بس ہے یہی مزار پہ میرے کہ گاہ گاہ
جاے چراغ کوئی دل مہرباں جلے

یہی پیغام "درد" کا کہنا
گر کوئی کوئے یار میں گذرے
کون سی رات آن ملئے گا
دن بہت انتظار میں گذرے

ہمارے جامۂ تن میں نہیں کچھ اور بس باقی
گریباں میں ہے مثل صبح' اک تار نفس باقی
یکایک، عشق کی آتش کا شعلہ اس قدر بھڑکا
نہ چھوڑا سر زمیں دل میں کوئی خار و خس باقی

وصف خاموشی کے کچھ کہنے میں آ سکتے نہیں
جس نے اس لذت کو پایا ہے سدا خاموش ہے

پھر اس کوچہ میں اب دیکھا تو کم آنے لگے
تیری خاطر میں کبھو شاید کہ ہم آنے لگے

مرا تو جی وہیں رہتا ہے نت' جہاں تو ہے
اگرچہ میں یہ نہیں جانتا، کہاں تو ہے

نالہ ہے سو بے اثر اور آہ بے تاثیر ہے
سنگ دل کیا تجھ کو کہیے ؟ اپنی ہی تقدیر ہے

اس طرح جی میں سانس کھٹکے ہے
سانس ہے یا کہ پھانس کھٹکے ہے

بت پرستي هے اب نہ بت شکني
کہ همیں تو خدا سے آن بني

رباعیات متفرق

مدت تئیں باغ و بوستاں کو دیکھا
یعني کہ بہار اور خزاں کو دیکھا
جوں آئینہ کب تلک پریشاں نظری
اب موندے' آنکھ بس جہاں کو دیکھا

پیدا کرے هر چند تقدس بندا
مشکل هے کہ هو حرص سے دل بر کندا
جنت میں بھي اکل و شرب سے کب هے نجات
دوزخ کا بہشت میں بھی هوگا دھندا

اے " درد " بہت کیا پریکھا هم نے
دیکھا تو عجب جہاں کا لیکھا هم نے
بینائي نہ تھي تو دیکھتے تھے سب کو
جب آنکھ کھلي تو کچھ نہ دیکھا هم نے

پیري چلي اور گئي جواني اپني
اے " درد " کہاں هے زندگاني اپني

کل اور کوئی بیاں کرے گا اس کو
کہتے ہیں اب آپ ہم کہانی اپنی

مخمس

باطن سے جنھوں کے تئیں خبر ہے ظاہر پہ انہیں تو کب نظر ہے
پتھر میں بھی عشق کا اثر ہے اس آگ سے سوختہ جگر ہے
هر سنگ میں دیکھ تو شرر ہے

خاموش هو ترک گفتگو کو باطن کی صفا کی جستجو کر
حیرت میں وصال آرزو کو آئینہ دل کو رو برو کر
دیدار نصیب هر نظر ہے

هستی نے کیا ہے گرم بازار لیکن ہے یہاں نگاہ در کار
سختی سے نہ رکھ قدم تو زنہار آهستہ گزر میاں کہسار
سنگ دکان شیشہ گر ہے

دیدار نما ہے شاهد گل اور زلف کشا عروس سنبل
جب دل نے مرے کیا تامل تب پردۂ رنگ و بو گیا کھل
دیکھا تو بہار جلوہ گر ہے

هر عجز میں کبریا ہے محبوب هر نقص میں ہے کمال مطلوب
کوئی بھی نہیں جہاں میں معیوب آتے هیں مری نظر میں سب خوب
گر عیب ہے، پردۂ هنر ہے

ترکیب بند

شاهنشه ملک کفر و دیں تو
ہے تخت نشین دل نشیں تو
ہوں لفظ بے معنی آشنا میں
ہے معنئ لفظ آفریں تو
اے زیور دشت غیب ہرجا
انگشت نما ہے جوں نگیں تو
کافر ہوں نہ ہوں جو کافر عشق
ہے ناز بتان نازنیں تو
دشمن ہے کہاں کدھر کو ہے دوست
ہے گرمئي بزم مہر و کیں تو
ویرانئ وادئي گماں تو
آبادئي خانۂ یقیں تو
ہیہات جہاں یہ کور چشماں
ڈھونڈھیں ہیں تجھے تو ہے وہیں تو
کرتا ہے یہ کون دیدہ بازی
گر روشنی نظر نہیں تو
توہي تو ہے کوئي بے حجابي
ہے پردۂ چشم شرمگیں تو
معشوق ہے تو ھی تو ہے عاشق
عذرا ہے گدھر کہاں ہے وامق
میں منتظر دم صبا ہوں
جوں غنچہ' گرفتہ دل بنا ہوں

اک عمر گزر گئی سمجھتے
معلوم کیا نہ میں نے کیا ہوں

تنکا بھی تو ہل سکا نہ مجھ سے
شرمندۂ جذب کہربا ہوں

بے گانہ جو مجھ سے واں پھرے ہے
تقصیر یہ ہے کہ آشنا ہوں

موجود نہ بوجھے کچھ وہ کافر
گر آوے، خدا بھی میں توکیا ہوں

اپنی تو نہ کھوئی تیرہ بختی
ہرچند کہ سایۂ ہما ہوں

بےدل تو نہ کر مجھے، سمجھ ٹک
میں ہی تو بساط میں رہا ہوں

مشکل ہے مجھے کہیں رسائی
کوتاہئی طبع نارسا ہوں

پائی نہ گل وفا کی بو بھی
اس باغ میں جا بجا پھرا ہوں

آیندہ نہ کیجئے محبت
دنیا ہے نپٹ یہ جائے عبرت

میر حسن

میر غلام حسن نام ' میر غلام حسین ضاحک کے بیٹے دھلی میں پیدا ہوئے ' بارہ برس کي عمر میں فیض‌آباد گئے کچھ دنوں کے بعد لکھنؤ چلے گئے اور وھیں بود و باش اختیار کرلي -

مذاق شعر و سخن ان کے ضمیر میں تھا - ابتدا میں میر "ضیا" سے اصلاح لي مگر بعد کو ان کا طرز چھوڑ کر "میر" "سودا" اور "درد" کی پیروي کرنے لگے - اُن کی غزلوں میں ان استادوں کي تقلید کا اثر نمایاں ھے - میر حسن غزل گوئی میں بھی بلند پایہ رکھتے ھیں مگر جس چیز نے ان کو غیر فاني شہرت عطا کی ھے وہ ان کی مثنوی کي نظیر پیش نہیں کر سکتي - مناظر کی تصویر کشی جذبات کي ترجمانی - زبان کي شیرینی - بیان کا تسلسل یہ تمام اوصاف اس مثنوی میں بدرجۂ اتم موجود ھیں - ان کے علاوہ یہ مثنوي اس زمانے کا تمدن کا صحیح نقشہ پیش کرتي ھے - ان خصوصیات نے اس مثنوی کو آسمان شاعری کا آفتاب بنا دیا ھے - میر حسن نے اور بھي چھوٹی بڑی کئی مثنویاں لکھي ھیں مگر "سحرالبیان" سے اُن کو کوئي نسبت نہیں - غزل اور مثنوی کے علاوہ دوسرے اصناف سخن میں بھي میر حسن نے طبع آزمائی کی مگر کوئی امتیاز حاصل نہ ہوا -

میر حسن نے محرم سنہ ۱۲۰۱ھ میں وفات پائی "مصحفی" نے "شاعر شیریں زبان" - مادہ تاریخ نکالا -

اِنتخاب

تو ہی تو مری جان و دل و جسم ہے ورنہ
کیسا یہ دل اور کیسا یہ جی اور میں کہاں کا
بیگانہ ہے یاں کون اور اپنا ہے یہاں کون
ہے سب یہ بکھیڑا مرے ہی وہم و گماں کا
مرضی ہو جہاں اُس کی وہی جا ہمیں بہتر
مشتاق دل اپنا نہیں کچھ باغ جناں کا

یارب میں کہاں رکھتا ترا داغ محبت
پہلو میں اگر دل زار نہ تھا
دنیا میں تو دیکھا نہ سوائے غم و اندوہ
میں کاش کہ اس بزم میں ہشیار نہ ہوتا

چھوٹا نہ واں تغافل اس اپنے مہرباں کا
اور کام کر چکا یاں یہ اضطراب جاں کا
سامان لے چلا ہے اندوہ کا یہیں سے
کیا جانئے ارادہ دل نے کیا کہاں کا

آنا ہے گر تو آجا جلدی، وگرنہ یہ دل
یونہیں تڑپ تڑپ کو کوئی دم میں مر رہے گا

عشق کب تک آگ سینہ میں میرے بھڑکائے گا
راکھہ تو میں ہو چکا، کیا خاک اب سلگائے گا
نو گرفتاری کے باعث مضطرب صیاد ہوں
لگتے لگتے جی قفس میں بھی مرا لگ جائے گا

اثر ہوئے نہ ہوئے پر بلا سے جی تو بھلے گا
نکالا شغل تنہائی میں، میں ناچار رونے کا

وہ ملک دل کہ اپنا آباد تھا کبھو کا
سو ہو گیا ہے تجھہ بن اب وہ مقام ہو کا

غنچہ ہوں میں نہ گل کا، نہ گل ہوں میں چمن کا
حسرت کا زخم ہوں میں اور داغ آرزو کا
لایا غرور پر یہ عجز و نیاز تجھہ کو
ترا گلہ نہیں کچھہ اول سے میں ہی چو کا

یہ سب اپنے خیال خام تھے تم تھے پرے سب سے
جو کچھہ سمجھے تھے ہم تم کو، یہ سب اپنا تو ہم تھا

اس کو امید نہیں ہے کبھی پھر بسنے کی
اور ویرانوں سے اس دل کا ہے ویرانہ جدا
گوشۂ چشم میں بھی مردم بدبیں ہیں "حسن"
واسطے اس کے بنا دل میں نہاں خانہ جدا

معشوق کی الفت سے مت جان "حسن" خالی
لبریز محبت ہے یہ جام مرے دل کا

جو کہ ہستی کو نیستی سمجھا
اس کو سب طرف سے فراغ رہا
سیر گلشن کریں ہم اس بن کیا
اب نہ وہ دل نہ وہ دماغ رہا

دل خدا جانے کس کے پاس رہا
ان دنوں جی بہت اداس رہا

نہ ہوں غیر گر ساتھ تو آئیے
سر آنکھوں پہ میرے قدم آپ کا
دل و جاں جو ہیں یہ سو اپنے نہیں
سمجھتے ہیں ان کو تو، ہم آپ کا

نہ میں شمع ساں سر بسر جل گیا
سراپا محبت کا گھر جل گیا

گل شمع کا نخل تھا میں "حسن"
لگا شام یاں اور سحر جل گیا

وہ تاب و تواں کہاں ہے یارب
جو اس دل ناتواں میں تب تھا
تھے مجھ کو خیال رات اس سے
باتوں کا ہمیں دماغ کب تھا

کوئی دم کے ہیں مہمان اس چمن میں ایک دم آخر
مثال نکہت گل شام جانا یا سحر جانا

اپنی طرف سے ہم نے تم سے بہت نباھا
پر آہ کیجئے کیا تم نے ہمیں نہ چاھا

مت بخت خفتہ پر مرے ہنس اے رقیب تو
ہوگا ترے نصیب بھی یہ خواب دیکھنا

زندگی نے وفا نہ کی ورنہ میں تماشا وفا کا دکھلاتا

خار سے پھوٹتے پھپھولے پاؤں کے درد ھی آخر مرا درماں ہوا

فرقت کی شب میں آج کی، پھر کیا جلاویں گے
دل کا دیا تھا ایک، سو کل ھی جلا دیا

یہ نہ گل میں نہ باغ میں دیکھا
جو مزا اپنے داغ میں دیکھا
آتش دل کا تیرے ہم نے پتنگ
رات شعلۂ چراغ میں دیکھا

خالي نہ جائے گا یہ ہر شب لہو کا رونا
اک روز دل کے ٹکڑے دامن میں بھر رھوں گا
کوچے سے اپنے مجھ کو مت ہر گھڑي تو اُٹھوا
میں خود بہ‌خود یہاں سے اک دن گذر رھوں گا

کوچۂ یار ھے اور دیر ھے اور کعبہ ھے
دیکھئے عشق ھمیں آہ کدھر لاوے گا

میں ھي نہ غم کو ھستی کا سامان دے چکا
دل ھی فریب اپني اُسے جان دے چکا
وحشت میں سر پٹکنے کو کیا مانگیں اس سے اور
ھم کو تو عشق کوہ و بیابان دے چکا
